مستحکم پاکستان

ہر پاکستانی کے
دل کی آواز

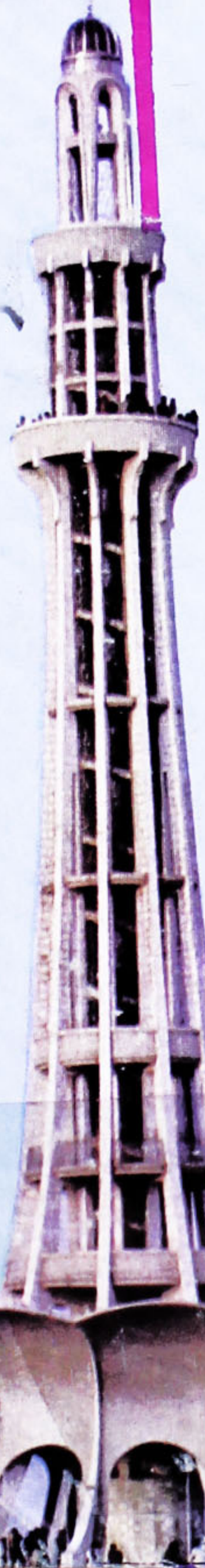

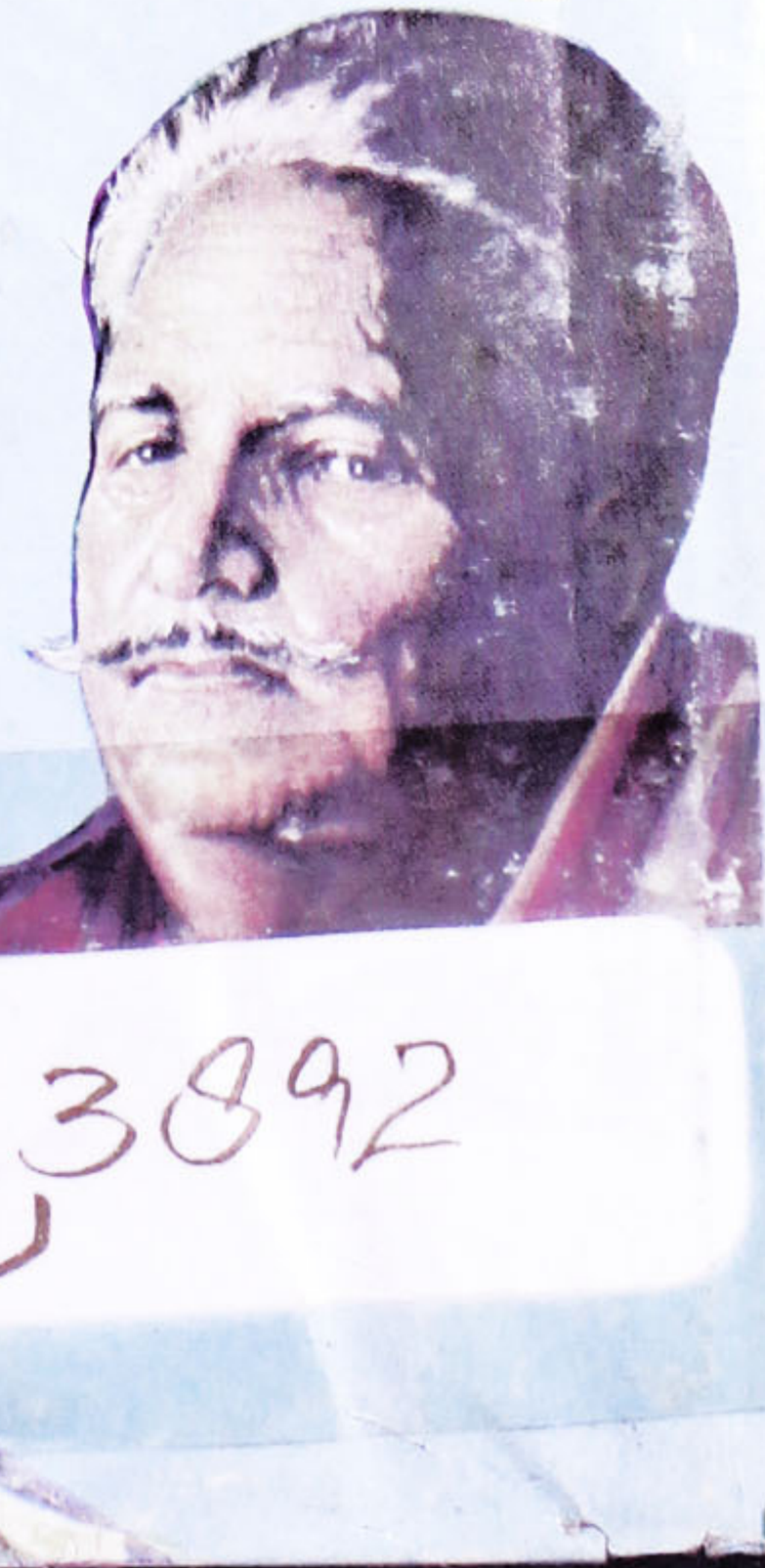

3892 (الف)

ذخیرہ صاحبزادہ میاں **جمیل احمد** نقشبندی مجددی

جو 2001ء میں میاں صاحب نے

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو عطا فرمایا

Marfat.com

ھر پاکستانی کے دل کی آواز

۲۹۷۸ تو (الف)

ذخیرہ
کتب خانہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی لاہور پاکستان

مستحکم پاکستان

تصنیف و تالیف

چوہدری نواب الدین محمود

ایڈووکیٹ

ہائی کورٹ و سپریم کورٹ آف پاکستان

Marfat.com

(الف) 3892

تمام حقوق پبلشنگ بحق مصنف محفوظ ہیں

کتاب مستحکم پاکستان

87146

تاریخ چھپائی ________ ۱۹۸۸ء

کل صفحات ________ دوصد

تعداد ایڈیشن ________ پہلی مرتبہ

تعداد کتب ________ ایک ہزار

نام پریس ________ میو آرٹ پریس ۴۲۔ لوئر مال، لاہور

نام پبلشر ________ چوہدری نواب الدین محمود
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ و سپریم کورٹ

مقام اشاعت پبلشنگ ________ سیلمی پلازہ ۵۰۔ اسید موج دریا روڈ لاہور
فون: رہائش ۶۲۰۵۴
فون دفتر ۵۲۴۸۵

Marfat.com

جمیل احمد شرقپوری نقشبندی
ذخیرہ

انڈکس

نمبر شمار	باب نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر
۱	دیباچہ	دیباچہ	۵
۲	پیش لفظ	پیش لفظ	۷
۳	تعارف	تعارف	۸
۴	باب نمبر۱	نظام عدل کو موثر اور آسان بنانا	۹
۵	باب نمبر۲	افواج پاکستان اور پولیس کا کردار	۱۶
۶	باب نمبر۳	بجلی، پانی اور سوئی گیس کی فراہمی اور لوڈشیڈنگ کا خاتمہ	۲۱
۷	باب نمبر۴	تعلیم کا عام کرنا	۲۶
۸	باب نمبر۵	ملاوٹ اور جعلسازی کا خاتمہ	۳۲
۹	باب نمبر۶	رشوت کا خاتمہ	۳۵
۱۰	باب نمبر۷	جمہوریت کی صحیح طور پر بحالی	۳۸
۱۱	باب نمبر۸	اسلامی مساوات	۴۲
۱۲	باب نمبر۹	نجی جائیداد کا تحفظ	۴۶
۱۳	باب نمبر۱۰	پاکستان کو صنعتی ملک بنانا	۵۱
۱۴	باب نمبر۱۱	حکومت کا صنعت اور کاروبار میں کردار	۵۷
۱۵	باب نمبر۱۲	ملک میں امن و امان کی بحالی	۶۰
۱۶	باب نمبر۱۳	عوام کی جان و مال کا تحفظ	۶۶
۱۷	باب نمبر۱۴	اسلامی قوانین کا نفاذ	۷۴
۲۸	باب نمبر۱۵	سرکاری محکمے اور اُن کا کردار	۸۲
۱۹		محکمہ جنگلات و محکمہ زراعت	۹۳
۲۰		کارپوریشن، ٹاؤن کمیٹیاں جو لوکل گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۷۹ء کے تحت قائم ہیں	۹۶
۲۱		محکمہ انصاف	۹۸

Marfat.com

نمبر شمار	باب نمبر	نام مضمون	صفحہ نمبر
۲۲		محکمہ خزانہ	۱۰۱
۲۳		ٹرانسپورٹ	۱۰۴
۲۴		محکمہ ہوائی سفر	۱۰۹
۲۵		میونسپل ادارے اور ڈویلپمنٹ اتھارٹیز	۱۱۱
۲۶	باب نمبر ۱۶	مختلف یونینوں کی بحالی	۱۱۵
۲۷	باب نمبر ۱۷	رہائشی سہولتوں کی فراہمی	۱۱۸
۲۸	باب نمبر ۱۸	پاکستان میں سیاست اور سیاسی جماعتیں	۱۲۵
۲۹	باب نمبر ۱۹	قانون کی نظر میں ہر شہری کی برابری	۱۳۲
۳۰	باب نمبر ۲۰	پاکستان میں بیمہ کا کاروبار	۱۳۵
۳۱	باب نمبر ۲۱	خاندانی منصوبہ بندی	۱۳۹
۳۲	باب نمبر ۲۲	مارشل لا کے نفاذ کو روکنے کیلئے اقدامات	۱۴۶
۳۳	باب نمبر ۲۳	قومی یک جہتی اور صوبوں کا آپس میں الحاق	۱۴۸
۳۴	باب نمبر ۲۴	پاکستان کی خارجہ حکمت عملی	۱۶۰
۳۵	باب نمبر ۲۵	معاشرتی برائیوں کا خاتمہ	۱۷۱
۳۶	باب نمبر ۲۶	پاکستان میں اعشاری نظام	۱۷۵
۳۷	باب نمبر ۲۷	پاک فوج۔ سولجرز اینڈ ٹیکنیشنز کی ریٹائرمنٹ کا مسئلہ۔	۱۰۸
۳۸	باب نمبر ۲۸	قرأتِ قرآن مجید	۱۸۲
۳۹	باب نمبر ۲۹	دریائی سیلابوں کا خاتمہ	۱۸۵
۴۰	باب نمبر ۳۰	رجسٹری شدہ دستاویزات میں جعلسازی کا خاتمہ	۱۹۵
۴۱	باب نمبر ۳۱	اختتامیہ	۲۰۰

Marfat.com

دیباچہ

اصلاح معاشرہ پر کتاب مستحکم پاکستان کئی ابواب پر مشتمل ہے جن میں موجودہ حالات پس منظر اور تجاویز دی گئی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مستحکم پاکستان کا مطلب ایک ایسا معاشرہ ہے جو استحصال سے پاک ہو۔ جہاں استحصالی طبقہ کا وجود نہ ہو اور کاروبار زندگی اسلام کے بنیادی اور لازوال اصولوں کے مطابق رواں دواں ہو۔ جب ہم اس معیار کے مطابق پاکستان کے موجودہ معاشرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام عملی طور پر ہماری زندگیوں پر حاوی ہے۔ اسلام محض مذہبی رسوم و رواج کا نام نہیں بلکہ یہ ایک نظام حیات ہے جو ہماری زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ اگر ہم سچے مسلمان بن کر اس نظامِ حیات کی پیروی کریں تو معاشرہ میں اکثر برائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور ایسا معاشرہ استحصال سے پاک معاشرہ ہوگا اور ایسا ہی معاشرہ پاکستان کو مضبوط تر بنانے میں مدد دے سکتا ہے۔ ورنہ جیسا کہ ہم آج دیکھ رہے ہیں معاشرہ ہر قسم کی برائی اور افراتفری کا شکار رہے گا۔

پاکستان کا قیام ایک سیاسی جدوجہد کا نتیجہ ہے جو دو قومی نظریہ پر مبنی تھی اور اس کا سرچشمہ اسلام تھا یعنی مسلمان۔ تاریخ، روایات تہذیب اور کلچر کی بنا پر اپنا ایک علیحدہ ملی وجود رکھتے تھے اس بنا پر ان کے لئے ایک علیحدہ وطن کی ضرورت تھی۔ جہاں اسلام کے بنیادی اصولوں کے مطابق نظامِ حکومت قائم کیا جائے۔ ایسے نظامِ حکومت کے تحت جو معاشرہ وجود میں آئے گا ظاہر ہے کہ ہر قسم کی برائیوں سے پاک ہونا چاہیئے۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان کے قیام کو زائد از چالیس برس گذرنے کے باوجود ایسا نہیں ہو سکا۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہم ہر قسم کی برائی کا شکار ہیں اور جن وجوہ کی بنا پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا ان کو یکسر بھول چکے ہیں۔ راتوں رات امیر بننے کی ہوس نے ہمیں ہر قسم کی اخلاقی پابندیوں سے آزاد کر دیا ہے۔ ہم پستی کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور دل میں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم ایک مہذب معاشرہ کے افراد ہیں۔ زندگی کے کسی پیشہ میں ہم دیانتداری سے کام نہیں لے رہے۔ صنعت، تجارت ملازمت، لین دین وغیرہ ہر جگہ ہم دیانتداری سے کام نہیں لے رہے۔ اگر ہم اسلام کے بنیادی اصولوں کو مشعلِ راہ بنالیں تو برائیوں سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں اور ایک صحت مند معاشرہ کا قیام عمل میں آسکتا ہے۔ جہاں امیر اور غریب کے درمیان فرق کم سے کم تر ہو جائے اور امیر اتنا امیر نہ ہو جائے کہ وہ اپنی

Marfat.com

دولت کی بنا پر مختلف برائیوں کو جنم دے جیسا کہ آج کل بڑے بڑے صنعت کار اور وڈیرے معاشرہ کو خراب کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

سیاسی لحاظ سے پاکستان آج کل ایک امتحان سے گزر رہا ہے۔ خدا کرے کہ ہم اس امتحان میں کامیاب ہوں اور جمہوری عمل جو جاری کیا گیا ہے وہ کامیاب رہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے اگر ہم دیانتداری سے اس عمل کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے۔ اگر زیادہ سے زیادہ اقتدار کی ہوس کا شکار ہو گئے تو پھر کامیابی مشکل ہو جائے گی۔ ایسے ملک کی سیاسی صورتِ حال میں استحکام ایک وفاقی پارلیمانی نظامِ حکومت کے تحت ہی ممکن ہے جس میں تمام اکائیوں کو نمائندگی حاصل ہو اور ہر حصہ ملک کے افراد محسوس کریں کہ وہ شریک اقتدار ہیں۔ اگر قیادت دیانتدار ہو، محبِ وطن ہو اور اسلام کے بنیادی اصولوں پر کاربند ہو تو ایک مستحکم تر پاکستان وجود میں آسکتا ہے۔

چوہدری نواب الدین محمود ایڈووکیٹ صاحب نے اس کتاب کے تحریر کرنے میں بڑی محنت سے کام لیا ہے اور ہر شعبۂ زندگی میں خامیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے تاکہ ان کا ازالہ کیا جائے اور پاکستان کو مضبوط اور مستحکم بنایا جائے۔ خدا کرے کہ ان کی یہ کوشش کامیاب ہو اور اربابِ اقتدار اُن کی پیش کردہ تجاویز کا جائزہ لے کر استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

ریٹائرڈ مسٹر جسٹس ذکی الدین پال
سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان
۱، فین روڈ، لاہور۔

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مستحکم پاکستان

پیش لفظ

کتابِ ہذا کو لکھنے کا مقصد قومی اہمیت کے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ اِن مسائل کے حل کرنے سے پاکستان مضبوط فلاحی اور جمہوری مملکت بن سکتا ہے۔ اِن اہم مسائل میں نظامِ عدل کو موثر اور آسان بنانا، افواجِ پاکستان اور پولیس کا وقار و کردار مثالی بنانا، بجلی، پانی اور قدرتی گیس کی فراہمی اور لوڈشیڈنگ کا خاتمہ۔ تعلیم کا عام کرنا۔ ملاوٹ و دغابازی کا خاتمہ۔ رشوت کا خاتمہ جمہوریت کی صحیح طور پر بحالی۔ اسلامی مساوات۔ نجی جائیداد کا تحفظ پاکستان کو صنعتی ملک بنانا۔ حکومت کا ملکی صنعت میں کردار۔ امن و امان کی بحالی۔ عوام کی جان و مال کا تحفظ۔ اسلامی قوانین کا نفاذ۔ سرکاری دفاتر کی کارکردگی۔ یونینوں کی بحالی۔ رہائشی سہولتوں کی فراہمی۔ پاکستان میں سیاست و سیاسی جماعتیں۔ قانون کی نظر میں ہر شہری کا برابر ہونا فیملی پلاننگ۔ مارشل لاء کے نفاذ کو روکنا۔ قومی یک جہتی اور صوبوں کا الحاق اور دیگر امور شامل ہیں۔

ان مسائل کو علیحدہ علیحدہ زیرِ بحث لاکر تجاویز پیش کرنا درکار ہے۔ تاکہ موجودہ حکومت یا آنے والی سیاسی حکومتیں اِن تجاویز پر عمل کرکے پاکستان کو مستحکم اور مثالی مملکت بنائیں جس سے تحریکِ پاکستان کا مقصد پورا ہو اور قائداعظم محمد علی جناحؒ، شاعرِ مشرق علامہ اقبال اور اُن کے رفقاء اور دیگر رہنماؤں، جنہوں نے پاکستان بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے کے جذبے اور لگن اور شہیدوں کا خون رائیگاں نہ جائے۔ اور پاکستان قائم و دائم رہے۔

چوہدری نواب الدین محمود ایڈووکیٹ
سپریم کورٹ آف پاکستان
مورخہ: ۱۷-۸-۸۷

Marfat.com

تعارف

"مستحکم پاکستان" ایک انوکھی اور اعلیٰ درجہ کی پاکستانی معاشرہ کی اصلاح پر کتاب ہے۔ اس کے مصنف چوہدری نواب الدین محمود ایڈووکیٹ صاحب نے جن مسائل کی نشاندہی اور اُن کے حل کا ذکر کیا ہے وہ حقیقتاً ہر پاکستانی کی آرزو اور خواہش کا اظہار ہے تاکہ اُن کو زیر بحث لاکر حل کیا جائے۔ ہر پاکستانی چاہتا ہے کہ انصاف کا حصول آسان ہو، بجلی و پانی کی فراوانی ہو، جمہوریت پروان چڑھے۔ اور ملک میں آئندہ مارشل لا نہ لگے۔ تعلیم عام ہو۔ امن و امان قائم رہے ملک صنعتی لحاظ سے ترقی کرے۔ تمام صوبے ایک جھنڈے تلے ترقی کریں، رشوت ختم ہو۔ جان و مال کا تحفظ ہو۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی مثالی ہو اور اُس کا دفاع مضبوط ہو۔ تحریر و تقریر کی آزادی ہو۔ اسلامی و معاشرتی مساوات قائم ہو۔ اور حصولِ روزگار کے یکساں مواقع میسر ہوں۔ رہا اُن مسائل مستقل بنیادوں پر حل ہوں۔

مصنف موصوف نے جس انداز میں ان مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور اُن کو حل کرنے کے لئے تجاویز پیش کی ہیں وہ ایک جرأت مندانہ پیش رفت ہے۔ جہاں تک مصنف کی ذات کا تعلق ہے۔ وہ خوش اخلاق، ملنسار اور اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کو سنجیدگی اور لگن سے نبھاتے ہیں۔ وہ خاموش طبع اور اکثر گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ کتاب بھی اُن کی گہری سوچ، وسیع النظری، سرزمین پاکستان اور پاکستانی عوام سے محبت اور اُن کی خیر اندیشی کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے کہ اُن کی یہ کوشش کامیاب ہو۔ آمین۔

چوھدری نوشی محمد اختر ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

سلیمی چیمبرز، ایڈورڈ روڈ۔ لاہور۔ فون ۲۱۲۱۸۳

Marfat.com

باب نمبر ۱

نظامِ عدل کو مؤثر اور آسان بنانا

موجودہ حالات

پاکستان میں موجودہ نظام عدل کی یہ حالت ہے کہ بیشمار خصوصی عدالتیں، مختلف قوانین کے تحت قائم ہیں جیسے لیبر کورٹس۔ بینکنگ کورٹس۔ انٹی کرپشن کورٹس۔ کریمنل بینکنگ کورٹس۔ سپیشل جج کسٹم سمگلنگ۔ انکم ٹیکس کورٹس۔ ریلوے کورٹس، سروس ٹریبونل، مصالحتی عدالتیں اور ان گنت دیگر سپیشل کورٹس قائم ہیں جو مخصوص قسم کے مقدمات کی سماعت کرتی ہیں اسی طرح سپیشل مجسٹریٹ صاحبان کی عدالتیں ہیں جیسے کارپوریشن مجسٹریٹ۔ ایل۔ ڈی۔ اے مجسٹریٹس۔ ریلوے مجسٹریٹس واپڈا مجسٹریٹس اور پھر ہر محکمہ کا اپنا عدالتی نظام ہے۔ اسی طرح محکمہ مال کا اپنا عدالتی نظام ہے جس کے تمام فیصلہ جات بورڈ آف ریونیو اور بعض حالات میں اس سے اعلیٰ عدالتوں کے فیصلہ جات دیوانی عدالتوں میں چیلنج ہو جاتے ہیں۔ یہ عدالتیں مختلف جگہوں اور مختلف عمارتوں میں قائم ہیں جن کا عوام کو بالکل علم نہ ہے بلکہ چند وکلاء کے سوا جو ان عدالتوں میں کام کرتے ہیں۔ دیگر وکلاء کو بھی علم نہ ہے کہ یہ عدالتیں کہاں ہیں اور اُن کو ان عدالتوں کا پتہ پوچھ کر وہاں جانا پڑتا ہے۔

ان موجودہ حالات میں عوام کی مشکلات اور مسائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) عوام کو ان خصوصی عدالتوں کا علم نہ ہے کہ کہاں واقع ہیں کیونکہ یہ عدالتیں دور دراز گلی محلوں، کوٹھیوں اور نئی کالونیوں اور آبادیوں میں قائم ہیں۔

(۲) ایک خاص قانون کے تحت قائم ہیں جس کا جاننا اپنی جگہ ایک مسئلہ ہے۔

(۳) سپیشل وکلاء کی خدمات حاصل کرنا اور ان کی فیسوں کے علاوہ دور دراز واقع عدالتوں میں پہنچنے کے لئے کرایہ ادا کرنا۔

(۴) ان عدالتوں کے خاص ضابطہ وطریقہ کار کو سمجھنا۔

(۵) ان خاص عدالتوں کے اختیارات اور فیصلوں کی اپیلوں کو ایک خاص مدت کے اندر خاص

Marfat.com

خاص عدالتوں میں دائر کرنا۔

(۶) اُن عدالتوں کی چھٹیوں - اوقات کار اور دوروں کی صورت میں مشکلات اور انتظار کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ان خصوصی عدالتوں کے قیام سے نہ صرف لوگوں کی مشکلات بڑھ گئیں ہیں بلکہ وہ فیصلہ کی بجائے سزا سے پہلے ہی ایک تکلیف دہ سزا کاٹ کر فیصلہ حاصل کرتے ہیں۔

موجودہ عام عدالتی نظام

اس عام عدالتی نظام میں فوجداری عدالتیں، دیوانی عدالتیں۔ ہائی کورٹس اور سپریم کورٹس کی عدالتیں شامل ہیں۔ ان عدالتوں میں ضابطہ فوجداری، ضابطہ دیوانی، ہائی کورٹس آرڈرز اور رولز نافذ ہیں اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے اپنے آرڈرز اور رولز ہیں اور قانونِ شہادت تقریباً سب جگہ ایک ہی لاگو ہے یہ وہ عدالتیں ہیں جو حقیقتاً عدل و انصاف کی بنیاد ہیں اور ہر پاکستانی کو ان عدالتوں پر فخر ہے۔ لوگ ان عدالتوں کے فیصلہ جات کو قبول کرتے ہیں اُن پر عمل بھی کرتے ہیں اور کرواتے ہیں۔ مگر اس عام نظام عدل میں جو مشکلات پیدا ہو گئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں

(۱) مقدمات کے فیصلہ جات کا تصفیہ دیر سے ہونا۔

(۲) مختلف سپیشل لاز (قوانین) کے بن جانے سے ان عدالتوں کو سوچنا پڑتا ہے کہ آیا زیرِ سماعت مقدمات ان کے دائرہ اختیار میں ہیں یا نہیں۔

(۳) تصفیہ طلب مقدمات کی تعداد اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ مقدمات کا جلد فیصلہ ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۴) فریقین میں سے کسی ایک فریق کا عدم تعاون۔

(۵) تعمیل کنندگان جو فریقین کی تعمیل کرواتے اور گواہان کے سمن تعمیل کرواتے ہیں وہ اپنے فرائض میں غفلت برتتے ہیں اور بہانہ لگاتے ہیں کہ ان کے پاس سواری نہ ہے۔

تاخیر سے مقدمات کے تصفیہ کی چند مثالیں

ایک مقدمہ دیوانی دخلیابی ۱۹۶۱ء میں دائر ہوا جو ابھی تک زیرِ سماعت ہے۔ ایک درخواست بیدخلی ۱۹۶۳ء میں دائر ہوئی جس کا فیصلہ ۱۹۸۱ء میں ہوا اور اس کی اپیل کا فیصلہ ۱۹۸۶ء میں ہوا۔

Marfat.com

ایک بینک کا مقدمہ ۱۹۷۴ء میں دائر ہوا اور ۱۹۷۹ء میں بینکنگ کورٹ میں تبدیل ہو گیا جو ابھی زیرِ سماعت ہے۔

ایک سیکنڈ اپیل دیوانی ہائیکورٹ میں ۱۹۷۲ء میں ایڈمٹ ہوئی جو ابھی تک زیرِ سماعت ہے۔

اسی طرح ایک فوجداری اپیل ۱۹۷۸ء میں عدالت عالیہ میں ایڈمٹ ہوئی اور اب جولائی ۱۹۸۶ء میں منظور ہو کر مقدمہ ریمانڈ ہوا۔

اسی طرح ایک سول پٹیشن برائے اجازت اپیل ۱۹۷۸ء میں سپریم کورٹ میں دائر ہوئی جس کا فیصلہ فروری ۱۹۸۸ء میں ہوا۔

ایک دیگر سول پٹیشن سپریم کورٹ میں داخل ہوئی جس کو ۱۹۷۴ء میں اپیل کا درجہ دیا گیا اور پختہ سماعت کے لئے منظور کیا گیا مگر دسمبر ۱۹۸۸ء تک سماعت نہیں ہو سکی۔

یہ چند مثالیں ہیں ان مقدمات کی جن میں راقم الحروف خود وکیل تھا یا اس کے ذاتی علم میں ہیں۔ بہتر جوئی پر فریقین کے نام اور نمبر مقدمہ دیا جا سکتا ہے۔ یہ تاخیر فیصلہ جات مقدماتِ دیوانی تک محدود نہ ہے بلکہ فوجداری مقدمات کی بھی یہی حالت ہے۔ ایک قتل کا مقدمہ ۱۹۷۲ء میں چالان ہوا اور اس کا فیصلہ اب فروری ۱۹۸۷ء میں ہوا۔ ایک دیگر مقدمہ بجرم ،، سرقہ ،، ۱۲ سالہ لڑکے کے خلاف ۱۹۷۸ء میں قائم ہوا اور اس کا فیصلہ ۱۹۸۳ء میں ہوا جس کے خلاف اپیل ہوئی اور جون ۱۹۸۰ء میں شیشن عدالت سے بری ہوا۔

موجودہ عدالتی نظام میں حسب ذیل اصلاحات کی ضرورت ہے

(۱) تمام سپیشل کورٹس کو ختم کر کے ریگولر کورٹس کو ان تمام مقدمات کی سماعت کا اختیار دیا جائے جو سپیشل کورٹس کے جج صاحبان سماعت کرتے ہیں اور وہ سپیشل جج صاحبان واپس اپنے اپنے عہدوں پر آجائیں۔

(۲) ہر محکمہ یا ادارہ اپنے حالات و تنازعات کے مطابق جو چاہے فیصلہ کرے مگر اس فیصلہ کی اپیل اعلیٰ آفیسر کے پاس نہ جائے اگر کسی فریق کو فیصلہ منظور نہ ہو تو اگر مقدمہ فوجداری نوعیت کا ہو تو وہ فریق فوجداری عدالت کی طرف رجوع کرے اور اگر وہ دیوانی نوعیت کا مقدمہ ہو تو دیوانی عدالت کی طرف رجوع کرے۔

(۳) کسی مقدمہ میں خواہ وہ فوجداری ہو یا دیوانی پندرہ یوم سے زیادہ تاریخ نہیں ملنی چاہیئے

Marfat.com

جن مقدمات میں ضروری ہو روزانہ سماعت بھی ہو سکتی ہے۔

(۴) موجودہ مجسٹریٹ صاحبان اور جج صاحبان جو ماتحت عدالتوں میں ہیں کی تعداد دوگنا کر دینی چاہیئے۔ اسی طرح ہائیکورٹس و سپریم کورٹ آف پاکستان کے جج صاحبان کی تعداد بھی دوگنا کر دینی چاہیئے۔

(۵) فوجداری عدالتوں کو ایک جگہ اور دیوانی عدالتوں کو ایک جگہ کر دینا چاہیئے اور عدالتوں کے کمرے کئی منزلہ عمارتیں بنا کر پورے کئے جاویں۔

(۶) مقدمات پر کورٹ فیس مطلوبہ لگانا چاہیئے تاکہ عدالتوں کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ ہاں اگر کوئی مفلس ہے تو وہی عدالت اس کو بغیر کورٹ فیس لگائے مقدمہ کرنے کی اجازت دے دے۔ عدالتوں کو یکجا اس طرح کیا جاوے کہ فوجداری مقدمات کے لئے کریمینل کورٹس کمپلکس اور دیوانی مقدمات کے لئے سول کورٹس کمپلکس تعمیر کئے جائیں۔

(۷) ہر عدالتی آفیسر پر پورا بھروسہ کرنا چاہیئے کہ وہ اپنا فیصلہ ایمانداری سے کرے گا تاوقتیکہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ کوئی بددیانتی ہوئی ہے۔

(۸) تعمیل کنندگان پر درست طور پر کنٹرول ہونا چاہیئے تاکہ وہ تعمیل سمنات میں کوتاہی نہ کریں اور ان کو سواری وغیرہ کی سہولت ملنی چاہیئے۔

(۹) مجسٹریٹس صاحبان کے لئے بھی ضروری ہونا چاہیئے کہ مقابلہ کا امتحان دینے سے پہلے کم از کم لاء گریجوایٹس ہوں تاکہ وہ ہر طرح کے قانون کو سمجھ سکیں۔

(۱۰) عدالت عالیہ میں کوئی بھی رٹ پٹیشن ڈی بی کے پاس نہ جانی چاہیئے سوائے آئی سی اے وغیرہ کے۔ اسی طرح آرڈیننس بھی سنگل بنچ سماعت۔

(۱۱) سپریم کورٹ آف پاکستان کے تمام جج صاحبان بہت تجربہ کار ہوتے ہیں اس لئے لیو ٹو اپیل تک پٹیشن سنگل بنچ سنے اور اگر کوئی قانونی نکتہ پیچیدہ ہو تو اپیل کی اجازت دے دے اور حکم امتناعی وغیرہ بھی دیدے اور اگر کوئی قانونی نکتہ فیصلہ طلب نہ ہو تو پٹیشن خارج کر دی جائے۔ ڈی بی صرف ایڈمیٹڈ اپیلوں کی سماعت کرے اور اگر وہ خیال کرے کہ فل بنچ کو وہ اپیل سماعت کرنی چاہیئے تو پھر فل بنچ اس خاص اپیل کی سماعت کرے۔

(۱۲) سپریم کورٹ کے کم از کم ۴-۴ جج صاحبان کو ہر رجسٹری برانچ یعنی لاہور، کراچی، پشاور کوئٹہ میں مستقل طور پر کام کرتے رہنا چاہیئے۔ پہلے چار چار عدالتیں سنگل بنچوں کی صورت میں

Marfat.com

علیحدہ علیحدہ کام کریں اور پھر ڈی بی عدالتیں اپنا کام کریں۔ ان جج صاحبان کے علاوہ بقایا جج صاحبان سپریم کورٹ کی پرنسپل سیٹ پر کام کرتے رہیں اور اسی طرح سنگل بینچ۔ ڈی۔بی اور فل بینچ کی صورت میں کام کرتے رہیں۔

(۱۳) اگر کوئی سپریم کورٹ میں سنگل بینچ کے فیصلہ کے خلاف نظر ثانی کرے تو ڈی۔بی سماعت کرے اور اگر ڈی۔بی کے فیصلے کے خلاف نظر ثانی ہو تو فل بینچ سماعت کرے۔ اس کے علاوہ یہ پابندی نہیں ہونی چاہیئے کہ جس وکیل صاحب نے پہلے اپیل کی تھی وہی نظر ثانی کرے یا موجود رہے یا وہی ایڈووکیٹ آن ریکارڈ نظر ثانی کرے یا حاضر رہے یہ بات سائل کی مرضی پر ہونی چاہیئے۔ چاہیے کہ وہ نظر ثانی میں جس وکیل صاحب یا ایڈووکیٹ آن ریکارڈ کو پیش کرنا چاہیئے سپریم کورٹ میں پیش کرے۔

(۱۴) کوشش کرنی چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ ضابطہ دیوانی، ضابطہ فوجداری اور قانون شہادت پر عمل کیا جائے ماسوائے اس قانون کے جس کا قائم رکھنا ضروری ہو اس کے علاوہ ہائیکورٹ میں تاریخ پیشاں مقرر کرنا بھی مناسب ہے تاکہ مقدمات میں پیش رفت ہو سکے۔ بیشک وہ تاریخ لمبی ہی ہو اگرچہ یہ بات پرانی روایات سے ہٹ کر ہے مگر اس کے بہت سے فائدے ہیں کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی ہائیکورٹ یا سپریم کورٹ کا مقدمہ سماعت کے لئے لگتا ہے تو بیشمار مقدمات میں حالات سو فیصدی بدل چکے ہوتے ہیں بعض اوقات فریقین اور وکلا صاحبان مر چکے ہوتے ہیں اور بے شمار مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔ اگر تاریخیں مقرر ہوں تو مقررہ تاریخ پر فریقین کی صحیح اور درست سماعت ہو سکتی ہے اور اگر مقدمہ ریمانڈ ہی ہونا ہو تو بھی ماتحت عدالت جلدی فیصلہ کر سکتی ہے اس سلسلے میں متعلقہ رولز اور ریگولیشنز میں ترامیم ہونا مناسب ہے۔

(۱۵) سیشن عدالتیں جنکو ڈسٹرکٹ جج صاحبان کے اختیارات بھی حاصل ہوتے ہیں۔ دو طرح کے مقدمات دیوانی و فوجداری سماعت کرتی ہیں اور دیکھا یہ گیا ہے کہ دیوانی اپیلوں کی سماعت کم ہوتی ہے اور فوجداری یعنی حدود و قتل کے مقدمات میں جج صاحبان کی مصروفیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ وقت کا کوئی حصہ دیوانی اپیلوں وغیرہ کو نپٹانے کے لئے مقرر کیا جائے ان عدالتوں میں بھی ۱۵ دن سے زیادہ کسی مقدمہ یا اپیل کی تاریخ نہ پڑنی چاہیئے۔ اس طرح سائل اور وکلا بھی عدالتوں سے تعاون کریں گے

Marfat.com

اور مقدمات کا جلد تصفیہ ہوگا۔

(۱۶) عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ماتحت عدالتوں کی نقول ایجنسیوں میں مقدمہ کی نقل کے حصول کے لئے درخواست دینے کے بعد سائیلان چکر لگاتے رہتے ہیں اور ان کی چٹوں پر لکھ دیا جاتا ہے کہ نقول تیار نہ ہیں یا مسل نہ آئی ہے یا یہ کہ فوٹو سیٹ مشین نہ ہے یا خراب ہے اور سائیلان کو مجبور کیا جاتا ہے۔ سرکاری نقول پرائیویٹ فوٹو سٹیٹ مشینوں سے کروا کر دیں اور پھر نقول ایجنسی والے اس پر مہریں لگا کر اسے مصدقہ کر کے دیں گے اس طرح نہ صرف اپیلیں زائد المیعاد ہو جاتی ہیں۔ بلکہ رشوت کے دروازے بھی کھلتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ نقول کے حصول کا کوئی مؤثر قانون بنایا جائے جسکے رولز اور ریگولیشن ہوں۔ اس وقت مصدقہ نقول کی وضاحت قانون شہادت میں موجود ہے مگر ان کے حصول کے لئے کوئی لاز موجود نہیں سپریم کورٹ کی کوئی باقاعدہ نقول ایجنسی نہ ہے البتہ ہائیکورٹ کی نقول ایجنسی کی کارکردگی قابلِ داد اور قابلِ تحسین ہے۔

(۱۷) ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ مقدمات میں کسی فریق کے خلاف یکطرفہ کارروائی کرنے کے لئے عدالتیں اشتہارات ہفتہ وار رسالوں میں شائع کرنے کے لئے دیتی ہیں جس کو عام لوگ نہ پڑھتے ہیں بلکہ ایک مخصوص طبقہ پڑھتا ہے۔ اس طرح سو فیصد کارروائی یکطرفہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ عدالتی اشتہارات نامور روزناموں میں چھپنے چاہئیں۔

(۱۸) ایک بات اور جو توجہ طلب ہے وہ آرڈر ۳۴ رول ۲ میں ترمیم ہے جس کے مطابق کسی دعویٰ میں درمیانے حکم کے خلاف اپیل کرنے سے قبل فریق ثانی کو نوٹس بذریعہ لفافہ رجسٹری ورسید ہمراہ نقل اپیل و فیصلہ ماتحت عدالت بھیجنا ضروری ہے۔ اور اس کی وصولی کا ثبوت ہمراہ اپیل لگانا ضروری ہے جس کے بغیر اپیل دائر نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کوئی دائر کر دے تو عدالت اپیل خارج کر دیتی ہے حالانکہ سپریم کورٹ میں بھی اپیل دائر کرنے سے قبل نوٹس بنام فریق ثانی دینا ضروری ہے مگر وہاں ڈاکخانے کی رسید بابت ترسیل نوٹس لگا کر دائر کی جا سکتی ہے اور وصولی کا ثبوت لگانا ضروری نہ ہے جبکہ مذکورہ آرڈر اور رول میں ایسا کر دیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پندرہ دن تک رسید وصولی نوٹس واپس نہیں آتی اور بعض اوقات کونسل فریق

Marfat.com

ثانی یا فریق ثانی وہ نوٹس لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس طرح درمیانے حکم کے خلاف اپیل وقت پر دائر نہ ہونے سے حکم امتناعی حاصل نہیں کیا جا سکتا جس سے اپیل کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے جو بہت بڑی ناانصافی ہے۔ اس لئے مذکورہ ترمیم کو واپس لینا از حد ضروری ہے۔ یا پھر نوٹس کا بھیجنا تو ضروری ہے رکھا جائے۔ مگر نوٹس کی وصولی کا ثبوت ساتھ لگانے سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

(۱۹) فوجداری اپیلوں کے لئے میعاد کا ہونا بھی اہم مسئلہ ہے جس ملزم کو سزائے موت دی جائے اس کو اپیل دائر کرنے کے لئے سات یوم بہت کم وقت ہے۔ اس لئے سزائے موت کے خلاف اپیل کرنے کے لئے بھی ایک ماہ کی میعاد ہونا چاہیئے۔ اسی طرح سپریم کورٹ آف پاکستان میں کوئی فوجداری اپیل یا درخواست برائے اجازت اپیل کے لئے دو ماہ کی میعاد ہونی چاہیئے۔

(۲۰) آخری تجویز عدالتی افسران کے اوقات کار اور تقسیم مقدمات برائے تصفیہ کے بارے میں ہے اس سلسلے میں ماتحت عدالتوں سے لے کر اعلیٰ عدالتوں تک یہ بات عام طور پر دیکھنے میں آتی ہے کہ بعض فاضل عدالتوں کے پاس اتنا تھوڑا کام ہوتا ہے کہ وہ اسے دو گھنٹوں میں ختم کر کے باقی سارا دن بے کار بیٹھے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض عدالتوں میں اس حد تک زیادہ کام لگا ہوتا کہ وہ عدالتیں عدالتوں کے اوقات کار سے بھی زیادہ وقت دے کر کام کرتی ہیں مگر پھر بھی کام زیادہ ہونے کی وجہ سے بیشتر مقدمات ملتوی کرنے پڑتے ہیں اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ فاضل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ فوجداری مقدمات ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج صاحبان فوجداری و دیوانی مقدمات و اپیلوں اسسٹنٹ سول جج صاحبان دیوانی مقدمات اسی طرح فاضل چیف جسٹس صاحبان عدالت ہائے عالیہ و دیگر عدالتوں کے ذمہ دار افسران تقسیم مقدمات برائے تصفیہ ماتحت عدالتوں کو بھیجتے وقت اس بات کا خصوصی طور پر خیال رکھیں کہ تمام عدالتوں کے پاس ایک جیسا کام بھیجا جائے تاکہ تمام عدالتیں چھوٹی و بڑی اپنا تمام وقت عدالتی کام میں مصروف ہو کر کرتی رہیں تاکہ مقدمات زیر سماعت کو جتنی جلدی ہو سکے تصفیہ ہو سکے اور غیر مساوات تقسیم عدالتی کام برائے تصفیہ کی شکایت بھی ختم ہو جس سے نہ صرف فاضل افسران عدالت ہائے خوش ہوں گے بلکہ عوام بھی ان کے کام سے مطمئن اور معاون ثابت ہوں گے۔

Marfat.com

باب نمبر ۲

افواجِ پاکستان و پولیس کا کردار

موجودہ صورتِ حال

اس وقت ملک میں جب بھی کوئی سیاسی جلسہ ہوتا ہے یا کوئی اور تحریک اٹھتی ہے تو پولیس جو شہروں میں یا دیگر علاقوں میں امن قائم رکھنے کی ضامن ہے اپنی مقدور بھر کوششیں کرتی ہے کہ امن قائم رہے مگر جب کسی تحریک والوں یا جلوس نکالنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی ہے یا وہ تشدد پر اتر آتے ہیں تو قانون کا نفاذ مشکل ہو جاتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے شرپسندوں اور غنڈہ عناصر اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کی جان و مال اور سرکاری و نجی جائیداد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں اور بعد میں پولیس ان چند لوگوں کو جنہوں نے گولی چلائی ہو، کسی جائیداد کو آگ لگائی ہو یا کسی انسان کا خون کیا ہو اور امنِ عامہ میں نقص ڈالنے کی کوشش کی ہو کو پکڑنے میں اور مقدمات بنانے میں ناکام رہتی ہے اور وہ لوگ اپنے جرم کی سزا نہیں پاتے۔ ایسا کرنے کے بجائے ایک بہت بڑی تعداد جن میں سینکڑوں آدمی ہو سکتے ہیں کے خلاف توڑ پھوڑ، آگ لگانے قتل اور دیگر قسم کے مقدمات درج کر لیے جاتے ہیں جن میں چند لوگ جن کے نام پولیس کو یاد ہوتے ہیں لکھ لیے جاتے ہیں اور پکڑ کر مقدمہ قائم کر کے ان کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور بعد میں کسی سیاسی دباؤ یا کسی سیاسی جماعت کی اپیل پر ان لوگوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس طرح اصل مجرم سزا سے بچ جاتے ہیں اور پولیس کا ایسا کرنا ان کی مجبوری بھی ہے۔ کیونکہ پولیس کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے وہ اپنی جانیں بچانے کی خاطر جس وقت جرم ہو رہا ہوتا ہے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور بعد میں جو ممکن ہوتا ہے کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر آنے والی حکومت کے خلاف کوئی نہ کوئی تحریک اٹھتی رہتی ہے جو جلسے جلوسوں اور بعض اوقات بموں کے دھماکوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور بعض دفعہ سینکڑوں اور ہزاروں انسانوں کا قتلِ عام ہو جاتا ہے۔ بے شمار گاڑیاں، دوکانیں اور مکانات تباہ ہو جاتے ہیں اور نجی و سرکاری املاک کو ناقابلِ تلافی

Marfat.com

نقصان پہنچتا ہے۔ اس سے نہ صرف بے گناہ شہریوں کی جان و مال کا بلاوجہ نقصان ہو جاتا ہے بلکہ ہر امن پسند شہری کے دل میں موجودہ حکومت کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے کیونکہ ہر حکومت خواہ وہ دنیا کے کسی خطے میں ہو اس کا اوّلین فرض عوام کی جان و مال کا تحفظ کرنا ہے اور ایسا کرنا نہ صرف اس کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے بلکہ قانونی فرض ہوتا ہے۔ اسی طرح سرحدوں کی صورتحال ہے۔ ملٹری اور بارڈر پولیس کے متعلق یہی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ نہ صرف باہر سے آنے والوں کے حملوں کا یا خطرات کا مقابلہ کریں گیں بلکہ یہ بھی فرض سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہر طرح کی اندرونی و بیرونی سمگلنگ روکنے میں ملکی انتظامیہ سے تعاون کرے گی اور اس کا سختی سے قلع قمع کریں گی یہ فرض نہ صرف بری کا ہے بلکہ یہ کام فضائیہ اور بحریہ کے فرائض میں بھی شامل ہیں۔ اب موجودہ صورت یہ ہے کہ اس سلسلے میں بارڈر پولیس، بری، فضائیہ اور بحری افواج کے سربراہوں کا کبھی کوئی بیان نہیں آتا خواہ سرحدوں پر کتنی ہی سمگلنگ ہو، بیرونی حملوں سے ملک و قوم کے افراد اور ان کی جائیدادوں کا نقصان ہو اور صرف وزارتِ داخلہ یا وزیروں کے چند بیانات اخبارات میں چھپ جاتے ہیں مگر سرحدوں کی صورتحال اور عوام کی جان و مال کا نقصان اسی طرح جاری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہری امنِ عامہ کا تحفظ، جان و مال کا عدم تحفظ اور سرحدی صورتحال کے پیشِ نظر عوام کے دلوں میں پولیس کے لئے اور ہر سہ مسلح افواجِ پاکستان کے لئے وہ جذبات و محبت نہیں رہے جن کا ہونا بہت ضروری ہے پولیس اور افواج پاکستان کے عناصر بھی عوام میں سے ہیں اور اُن پر سالانہ بجٹ کا ایک بہت بڑا حصّہ خرچ ہوتا ہے۔ اسی ملک کی پیداوار میں سے وہ کھاتے پیتے اور پہنتے ہیں اور اپنے بال بچوں کو پالتے ہیں اس لئے جب بھی ملک کی سرحدوں پر یا ملک کے اندر شہری کی جان و مال کو نقصان پہنچے تو پولیس اور مسلح افواجِ پاکستان کو بھی اتنا ہی درد، دکھ اور تکلیف محسوس ہونا چاہیئے جتنا نقصان اٹھانے والے شہری کو ہوتا ہے اور آئندہ ایسا ہونے سے روکنا چاہیئے اور ہر طرح کے نقصان کو روکنے کی تدابیر کرنی چاہیئے اور عوام کو یقین دلانا چاہیئے کہ آئندہ مسلح افواج اور پولیس ایسا نہیں ہونے دیں گے۔

اِن حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے پولیس اور ہر سہ مسلح افواج کو حسبِ ذیل تجاویز پر عمل کرنے سے امن و امان اور لوگوں کی جان و مال کا تحفظ ممکن ہو سکتا ہے اور ایک دفعہ پھر عوام کے جذبات اور محبت پولیس اور مسلح افواج کے لئے اسی طرح بحال ہو سکتی ہے جس طرح کچھ

Marfat.com

عرصہ قبل لوگ بری افواج کے کسی ٹرک یا گاڑی اور فضائیہ یا بحریہ کے جنگی جہاز کو دیکھ کر پاک فوج زندہ باد کے نعرے لگاتے تھے۔

تجاویز

(۱) جس جگہ اور جس شہر میں کسی بڑے جلسے یا جلوس کے ہونے کا پتہ چلے تو مقامی پولیس کو اُس جلسے جلوس میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیئے بلکہ پورا پورا انتظام کرنا چاہیئے کہ وہ جلسہ یا جلوس اپنی کارروائی امن و امان کے ساتھ کرے اور اگر پولیس یہ سمجھے کہ ان کی نفری کم ہے تو بری فوج کو حسبِ ضرورت فوری طور پر شہر میں بذریعہ متعلقہ حکام طلب کیا جائے اور متعلقہ فوج بھی بغیر کسی توقف کے فوری طور پر مقامی پولیس کی امداد کے لئے مطلوبہ جگہ پہنچ جاوے۔ جلسہ گاہ کے آس پاس یا جلوس کے راستوں پر کافی تعداد میں فوج کھڑی ہو جائے یا ساتھ ساتھ چلے اور ہر شخص پر جو جلوس میں شامل ہو کڑی نظر رکھی جاوے اور جو شخص یا گروہ پولیس پر فوج پر یا سرکاری یا نجی جائیداد کو آگ لگانے لگے یا لگائے، گولی چلائے یا دیگر طریقے سے جانی و مالی نقصان کرنے کی کوششیں کرے تو فوری طور پر اُن آدمیوں یا غنڈہ عناصر کو جو شر پسندی پر اترے ہوں کو گرفتار کیا جاوے اور خواہ وہ چند آدمی ہوں یا بہت بڑا گروہ ہو سب پر انفرادی طور پر مقدمات متعلقہ جرم میں جیسے قتل، ارادۂ قتل، آگ لگانا اور دیگر جرائم شامل ہیں کے تحت علیحدہ علیحدہ مقدمات درج کئے جاویں اور پھر علیحدہ علیحدہ چالان بعد از تفتیش فوری طور عدالتوں میں بھجوائے جائیں اور عام عدالتوں میں مقدمات چلائے جاویں اور جن لوگوں نے جرم کیا ہو ان کو اس کی سزا ضرور ملنی چاہیئے کسی جماعت یا سیاسی حلقے کی اپیل پر ان کو نہ چھوڑنا چاہیئے بلکہ ان کو ان کے جرم کی متعلقہ عدالت خود سزا دے گی۔ جو فوجی اس سلسلے میں بلائے گئے ہوں وہ ایسے مجرموں کو پکڑنے اور گرفتار کروانے میں مدد گار رہیں اور خود بھی عام عدالتوں میں بطورِ گواہ پیش ہوں، جیسے پولیس بطورِ گواہ پیش ہوتی ہے۔ اسی طرح جب بھی کسی جگہ کوئی بم پھینکا جاوے یا بم پھینکنے کا خطرہ ہو تو فوج کو بھاری تعداد میں بُلا کر مقامی پولیس کی مدد کرنی چاہیئے اور یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اُن کی ذمہ داری صرف سرحدوں کی حفاظت ہی نہیں بلکہ اندرونی امن کا قائم رکھنا بھی ان کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ اس علاقے

Marfat.com

میں آکر جہاں خطرہ ہو خطرناک لوگوں کی نگرانی کرنی چاہیئے۔ تفتیش میں شامل ہو کر مقامی پولیس کی مدد کرنا چاہیئے تاکہ مجرم و تخریب کار پکڑے جائیں اور ان کا اسی جرم میں چالان کر کے ان کو سزا دلوائی جاسکے۔

اصل مقصد یہ ہے کہ فوج ہر مصیبت میں مقامی پولیس کی بھاری تعداد کے ساتھ مدد کرے اور صرف بارکوں میں نہ بیٹھی رہے۔ اس طرح کرنے سے قوم پر نیا بوجھ بھی نہیں پڑے گا کیونکہ فوج پہلے ہی تنخواہ لیتی ہے اور دیگر مراعات بھی اسی قومی خزانے سے حاصل کرتی ہے جس میں عوام ٹیکس جمع کراتے ہیں اس سے اندرونِ ملک ہر طرح کا امن و امان بحال ہوگا، نجی و سرکاری املاک کا تحفظ ہوگا اور عوام کے دل میں پھر ایک دفعہ پولیس اور فوج کے لئے اچھے جذبات پیدا ہوں گے اور وہ ان کے ساتھ محبت اور تعاون کرنے لگیں گے۔

(۲) یہ بات واضح رہے کہ فوج کا فرض صرف مارشل لاء کی صورت میں ہی عوام کی خدمت کرنا نہیں بلکہ سول حکومت کے دوران بھی ہر مصیبت میں عوام کی خدمت کرنا ہے اور ان کو خدمت کرنی بھی چاہیئے اور یہ ایسی صورت میں ہو سکتی ہے جب بھاری تعداد میں مقامی پولیس کی مدد کی جاوے۔ جہاں تک سرحدوں کے اندر سمگلنگ کی روک تھام کا تعلق ہے یہ صرف کسٹم کے محکمے کا ہی فرض نہیں کہ وہ سمگلنگ کی روک تھام کرے بلکہ بارڈر پولیس اور افواجِ پاکستان کا ہر مقام پر فرض ہے کہ وہ ممنوعہ اشیاء کی سمگلنگ روکنے میں مددگار ہوں۔

(۳) جہاں تک سرحدوں پر بیرونی حملوں کا تعلق ہے اور آئے دن یہ خبر آتی ہے کہ فلاں سرحد پر دشمن کے جہازوں نے اتنے بم گرائے، اتنے انسان مرے، اتنا مالی نقصان ہوا اور یہ خبر صرف حکومت کی جانب سے جاری ہوتی ہے اور حملہ آوروں پر لعن طعن کے سوا کچھ نہیں کیا جاتا اس سلسلے میں افواجِ پاکستان کو اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیئے۔ خاص طور پر جب کوئی بڑی جنگ نہیں لگی ہوتی تو اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنی چاہیے اور جہاں بھی خطرہ ہو وہاں اپنی چوکیاں قائم کر کے حملہ آوروں کو ایسا سبق سکھانا چاہیئے کہ وہ دوبارہ ایسا کرنے کی جرأت نہ کر سکیں اور وہ پاکستان کی سرحدوں کے اندر بم گرا کر واپس نہ جا سکیں۔ اور جب کوئی بھی ایسا واقع ہو تو متعلقہ فوجی افسر اس سلسلے میں اپنا وضاحتی بیان جاری کرے نہ کہ وزارتِ داخلہ یا وزارتِ دفاع۔ کیونکہ اصل صورتحال کو کنٹرول کرنا متعلقہ فوجی افسر کا کام ہے۔ اس

Marfat.com

سے متعلقہ فوجی افسران کی کارکردگی کا بھی پتہ چلتا رہے گا اور حسبِ ضرورت تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں گی۔

(۴) جہاں تک جلسوں اور جلوسوں میں سیاسی جماعتوں اور سیاسی تنظیموں کا تقریریں کرنے کا تعلق ہے جمہوری ملک میں ہر شخص کو تحریر و تقریر کی آزادی ہونی چاہیئے مگر حکومت کی اچھائیاں یا برائیاں اچھے الفاظ میں بیان کرنی چاہئیں۔ حکومت کے خلاف گالی گلوچ یا دھمکیوں سے کام نہیں لینا چاہیئے اس کے برعکس اگر کوئی سیاسی لیڈر یا مقرر اپنی تقریر میں گالیاں استعمال کرتا ہے یا ایسی بات کرتا ہے جس سے فوری طور پر لوگ امنِ عامہ کو تباہ کرنے پر اتر آئیں تو حکومت کو اس سلسلے میں تقریریں ٹیپ کرنی چاہئیں اور جس شخص نے یا مقرر نے ایسی تقریر کی ہو جس کا اوپر بیان کیا گیا ہے تو صرف اس شخص کے خلاف مقدمہ درج کیا جاوے اور عام عدالتوں میں چالان پیش کیا جاوے اور متعلقہ عدالت پر چھوڑ دینا چاہیئے کہ وہ اسے بری کرے یا سزا دے۔ مگر حکومت کو اسے سیاسی قیدی سمجھ کر ایک خاص اعلان کے ذریعے نہیں چھوڑنا چاہیئے اس طرح جو لوگ اپنی مرضی سے کسی سیاسی تحریک میں اپنی گرفتاری پیش کرنا چاہیں تو ان کو ضرور گرفتار کر کے جیل میں ڈالنا چاہیئے اور جب وہ جیل سے واپس باہر آنا چاہیں تو ان سے معافی نامہ لے کر چھوڑ دینا چاہیئے۔

(۵) متعلقہ پولیس کے پاس جب کوئی شخص تھانہ میں کوئی شکائیت لے کر جائے تو چاہیے وہ زبانی ہو یا تحریری اس کی ضرور رپورٹ درج کرنی چاہیئے۔ اور پھر بعد از تفتیش جیسے حالات ہوں مقدمہ چالان ہو یا ملزمان بے گناہ قرار دیئے جائیں مگر پولیس کو رپورٹ درج کرنے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر متعلقہ پولیس بعد از تفتیش ملزمان کو بے گناہ قرار دیدے تو شکائت کنندہ کی اگر پھر بھی تسلی نہ ہو تو وہ متعلقہ عدالت میں استغاثہ دائر کر کے اپنی دادرسی حاصل کرے متعلقہ عدالتی افسر کو بھی چاہیئے کہ وہ پولیس چالان اور استغاثہ میں آمدہ شہادت کو دیکھے اور اس وجہ سے استغاثہ خارج نہ کرے کہ پولیس نے چالان نہیں کیا کیونکہ ایسا قانون میں پہلے ہی مواد موجود ہے۔ مندرجہ بالا امور و تجاویز پر عمل کرنے سے پولیس اور افواج پاکستان کا وقار بلند ہوگا اور عوام اسی جذبہ و احترام سے اُن کی عزت کریں گے اور ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے جس طرح پہلے عزت و احترام کرتے تھے اور ملک میں مستقل امن و امان ہوگا۔

Marfat.com

باب نمبر ۳

بجلی، پانی اور سوئی گیس کی فراہمی اور لوڈشیڈنگ کا خاتمہ

موجودہ صورتحال

اس وقت پانی اور بجلی کا نظام محکمہ "واپڈا" کے ذمہ ہے اور اس میں سے پانی کی فراہمی اور نکاس کا انتظام واپڈا کے ذیلی ادارہ واسا کے ذمہ ہے۔ جبکہ سوئی گیس کی سپلائی سوئی ناردرن گیس کمپنی لمیٹڈ کے ذمے ہے۔ ہر سہ ادارے حکومتِ پاکستان کے تحت کام کرتے ہیں اور خودمختار اداروں کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ جہاں تک بجلی کی فراہمی کا تعلق ہے وہ صرف شہروں تک ہی محدود نہیں بلکہ چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں تک بھی فراہم کی جاتی ہے۔ جبکہ سوئی گیس پاکستان کے بڑے بڑے شہروں اور بڑے قصبوں تک اور فیکٹری علاقہ جات تک سپلائی کی جاتی ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ اس میں حکومت کی حیثیت مالک کی ہے جبکہ ہر سہ مذکورہ بالا اداروں کا تعلق پٹہ داروں کا ہے اور عوام کا تعلق گاہکوں جیسا ہے اس لئے ٹھیکے داروں کا حکومت سے معاہدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے گاہکوں سے زیادہ قیمت وصول نہیں کریں گے اور نہ ہی ان کی سپلائی میں کوتاہی کریں گے کہ عوام کی ڈیمانڈ کے مطابق گیس بجلی اور پانی کی سپلائی پوری کریں گے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ محکمہ واپڈا جب چاہے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر بجلی کی سپلائی بند کرنے کے لئے لوڈشیڈنگ کا اعلان کر دیتا ہے۔ یہ بڑی حیرانی کی بات ہے کہ لوڈشیڈنگ ایک ماہ کے لئے اعلان ہوتا ہے مگر جب اگلے ہی روز عوامی دباؤ کے تحت حکومت کا حکم آجاتا ہے کہ لوڈشیڈنگ نہیں کرنی تو فوری طور پر ایک ماہ کی بجائے ایک دن کے بعد لوڈشیڈنگ بالکل ختم کر دی جاتی ہے اور پوری کی پوری سپلائی بحال رہتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیچھے سے بجلی کی سپلائی کم نہ ہوئی ہے بلکہ جان بوجھ کر عوام کو تنگ کرنے کے لئے اور ملکی صنعت کو تباہ کرنے کے لئے واپڈا نے ایک پروگرام بنایا تھا جس کو حکومت نے روک دیا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر لوڈشیڈنگ جس کا اعلان کیا گیا تھا واپڈا کی مجبوری تھی تو پھر

Marfat.com

اسے کیسے ختم کر دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ واپڈا نے لوگوں کو ذہنی و جسمانی تکلیف پہنچانے کے لئے لوڈ شیڈنگ کا ڈرامہ رچایا تھا جو نہ چل سکا۔ دوسرا یہ بھی خبر عام ہے کہ بڑے بڑے کاروباری لوگوں نے بڑے افسران سے معقول رقم کے عوض لوڈ شیڈنگ کا پروگرام بنایا تھا تاکہ کاروباری ادارے اور مصیبت زدہ لوگ جن کا بجلی کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا پٹرول اور ڈیزل وغیرہ سے چلنے والے جنریٹر خریدنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور واپڈا کے افسران سے ساز باز کر رکھی ہے تاکہ ان کے منہ مانگے دام وصول کر کے لاکھوں کروڑوں روپیہ کمائیں واپڈا کو علم ہونا چاہیئے کہ لوڈ شیڈنگ سے جب کارخانے بند ہوتے ہیں تو کتنے لوگ بیکار ہو جاتے ہیں اور ملکی صنعت اور معیشت جو ایک دوسرے سے منسلک ہے کس طرح تباہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ملکی زراعت کا کافی انحصار ٹیوب ویلوں کے پانی پر ہے اور وہ ٹیوب ویل زیادہ تر بجلی سے ہی چلتے ہیں اور بجلی نہ ملنے کی وجہ سے فصل کی بوائی وقت پر نہیں ہو سکتی اور اگر بوائی ہو چکی ہو تو فصل صحیح طور پر پروان نہیں چڑھتی اس طرح زرعی پیداوار کی کمی واقع ہو جاتی ہے اور بازار میں مہنگائی بڑھ جاتی ہے اور بعض اوقات اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کھانے پینے کی اشیاء باہر سے درآمد کرنی پڑتی ہیں۔

اس کے علاوہ بجلی کے بلوں پر دو قسم کا سرچارج لگایا جاتا ہے۔ ایک سرچارج ایندھن کہلاتا ہے جو تقریباً ہر بل کا ۱۶٪ ہوتا ہے اور دوسرا سرچارج جو تقریباً بل کا ۱۰٪ ہوتا ہے اور یہ سرچارج مقررہ تاریخ تک بجلی کا بل ادا نہ کرنے پر وصول کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سرچارج تو قابل فہم ہے اور گاہک کی وقت پر عدم ادائیگی بل کی وجہ سے لگتا ہے۔ مگر پہلا سرچارج قابل فہم نہ ہے کہ کس جرم کی سزا ہے۔

کئی دفعہ متعلقہ دفتروں سے معلوم کرنے پر بتایا گیا کہ ایندھن سرچارج سے مراد وہ بل ہے جو لوگ بجلی چوری کرتے ہیں اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے سرچارج ایندھن لگایا گیا ہے۔

یہ بات کتنی احمقانہ ہے کہ بجلی کی چوری چند افراد خود یا واپڈا کے عملے سے ساز باز کر کے کرتے ہوں گے مگر ان کا جرمانہ ہر گاہک سے وصول کیا جاتا ہے اگر واپڈا کا عملہ یا انسپکٹر واپڈا جو اس کام پر تعینات ہیں چوروں کو پکڑ کر سزا نہیں دلوا سکتے جبکہ قانون بھی موجود ہے تو واپڈا کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ بجلی کا نظام چلائے۔ اس کے برعکس اگر حقیقتاً بجلی کی سپلائی پیچھے سے پانی کم ہو جانیکی وجہ سے یا کسی دیگر وجہ سے کم ہو تو بڑے بڑے جنریٹرز چلا کر یا ٹربائن وغیرہ چلا کر بجلی کی سپلائی

87146

Marfat.com

بحال رکھنی پڑے اور اس پر زیادہ خرچ آئے تو واپڈا اس دوران کے زائد اخراجات بصورت سرچارج ایندھن وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔ اور واپڈا کو ایسا کرنا بھی چاہیئے اور لوڈشیڈنگ کا لفظ اپنے دفتری ریکارڈ سے نکال دیں اور بجلی کی سپلائی بذریعہ بڑے بڑے جنریٹرز اور ٹربائن چلا کر پوری کرنی چاہیئے اور جتنے دنوں یا مہینوں میں یہ عمل جاری رہے ان دنوں کا بحساب لاگت سرچارج ایندھن صارفین سے وصول کرے۔ اس طرح لوڈشیڈنگ کا خاتمہ ممکن ہے اس طرح نئے نئے بجلی گھر لگانے اور بجلی پیدا کرنے والے ڈیم بنانے کی ذمہ داری بھی واپڈا پر ہے، اور اس سلسلے میں جو منافع ہوتا ہے اس سے اور بیرونی امداد سے کام جاری رکھا جاسکتا ہے۔

جہاں تک پانی کی سپلائی کا اور نکاس کا تعلق ہے۔ اس سلسلے میں واسا نے قابل تعریف کام کیا ہے اور یہ کام فی الحال بڑے بڑے شہروں تک محدود ہے۔ اس کا دائرہ چھوٹے قصبات اور دیہات تک بھی پہنچانا چاہیئے جہاں پانی نہیں ملتا یا اسکی کمی ہے اور یہ بات واسا کے فرائض میں شامل ہے کہ مقامی طور پر اخراجات کے مطابق پانی کے ریٹ میں کمی بیشی کرکے اپنے اخراجات پورے کرے مگر پانی کی سپلائی اور گندے پانی کا نکاس ہر صورت میں جہاں جہاں ضرورت ہو واسا کو کرنا چاہیئے۔

اسی طرح سوئی گیس کی سپلائی جس سے بہت سی فیکٹریاں چلتی ہیں اور گھریلو صارفین اور تجارتی اداروں کے استعمال میں آتا ہے کی سپلائی کسی صورت میں کم نہیں ہونی چاہیئے اور نہ ہی اس کی لوڈشیڈنگ کرنی چاہیئے۔ ایسا کرنے سے صنعتی ترقی رک جاتی ہے اور لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہوتا ہے۔ پاکستان میں ایسی بہت سی جگہیں دریافت ہوئی ہیں جہاں سے گیس نکلنا شروع ہوچکا ہے اس لئے یہ کمپنی کی ذمہ داری ہے کہ وہ جلد از جلد گیس کے یونٹوں کو ترقی دے کر قدرتی گیس کی سپلائی مسلسل بحال رکھے اور نئے لوگوں کی طلب و تقاضا کے مطابق نئے کنکشن بھی دیئے جائیں تاکہ گیس کی مانگ ملک میں پوری ہوسکے۔ اسی طرح ملک میں سلنڈر گیس کے مختلف جگہوں پر بڑے بڑے پلانٹ لگا کر چھوٹے صارفین کی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے مگر معلوم ایسا ہوتا کہ سوئی ناردرن گیس کمپنی نے اس سلسلے میں کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہیں دیا جس سے ملکی ضروریات پوری ہوسکیں۔

ان ہر سہ اداروں میں بظاہر اخراجات کے مقابلے میں آمدن بہت زیادہ ہوتی ہے جس کو استعمال کرکے سپلائی و مانگ کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ اور ان میں موجود خامیوں کو دور کرنے

Marfat.com

کے لئے حسبِ ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

تجاویز

(۱) حکومتِ پاکستان اگر دیکھے کہ ہر سہ ٹھیکیداران بجلی، پانی و سوئی گیس کی کارکردگی ٹھیک نہیں ہے اور عوام کو مانگ کے مطابق سپلائی نہیں ملتی یا بلاوجہ لوڈشیڈنگ ہوتی ہے تو پھر پرائیویٹ کمپنیوں کو بجلی، پانی اور سوئی گیس کی سپلائی کے ٹھیکے دے دینا چاہیئے جو بیشمار کمپنیاں ایسا کرنے کو تیار ہیں اور گارنٹی کے ساتھ صارفین کی طرف سے کوئی شکائیت نہ آنے دیں گی۔ یہ تجربہ چند شہروں اور قصبوں میں آزمایا جا سکتا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ لاہور الیکٹرک کمپنی اور کراچی الیکٹرک کمپنی جیسے پرائیویٹ ادارے باحسن طریقے سے اپنا کام سرانجام دیتے ہیں۔ اور صارفین کو بہت کم شکائتیں ہوتی تھیں اور اگر شکائیت ہوتی تھی تو اسے پرائیویٹ کمپنیاں اپنی عزت و وقار کی خاطر فوری طور پر رفع کر دیتی تھیں۔ اس معاملے میں حکومت کو مفصل تحقیقات کر کے عوام کی شکایات دور کرنی چاہیئے۔ اس طرح نہ صرف عوامی شکایات دور ہوں گی۔ بلکہ بجلی پانی اور سوئی گیس کی فراہمی میں تسلسل پیدا ہوگا اور لوڈشیڈنگ کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

(۲) اگر واپڈا کی یہ شکائیت ہو کہ چند صارفین بجلی چوری کرتے ہیں تو یہ ذمہ داری ان کی ہے کہ وہ چوروں کو پکڑیں جبکہ پہلے ہی واپڈا ایکٹ میں ایسا قانون موجود ہے جس کے مطابق بجلی چور کے لئے سزا کے علاوہ بجلی کی سپلائی سے محرومی بھی ہے۔ اس سلسلے میں ہر علاقہ کے ایس ڈی او کو بجلی کی چوری کو روکنے کا ذمہ دار ٹھہرایا جاوے اور جتنی رقم کی بجلی کی چوری ہوئی ہو نہ صرف وہ وصول کی جاوے بلکہ اسے نوکری سے بھی علیحدہ کر دیا جائے۔

(۳) حکومت بلکہ سپلائی قدرتی گیس و بجلی کو بڑھانے کے لئے بڑے بڑے مزید ڈیم تعمیر کرے اور قدرتی گیس کے دریافت شدہ ذخائر سے پورا فائدہ اٹھائے۔ ٹھیکہ کی آمدنی اور دیگر ذرائع سے اخراجات پورے کیے جا سکتے ہیں۔ کسی صوبائی حکومت یا پاکستانی شہری کو نئے نئے ڈیم اور پلانٹ لگانے میں رکاوٹ نہیں پیدا کرنی چاہیئے۔

Marfat.com

(۴) دیہاتی علاقوں اور دور دراز علاقوں میں بائیوگیس کو رواج دینا چاہیئے اور لوگوں کو ٹیکنیکل اور مالی امداد حکومت کی طرف سے فراخدلی سے فراہم کرنی چاہیئے۔

(۵) سرچارج ایندھن کو فوری طور پر ختم کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کی شکایات کا ازالہ ہو اور ناانصافی نہ ہو۔ اسی طرح گھریلو اور کاروباری صارفین بجلی کے نرخوں میں جو فرق ہے اسے ختم کر کے یکساں نرخ لگا کر اس فرق اور طبقاتی ناانصافی کو ختم کر دینا چاہیئے تاکہ تمام شہری مطمئن ہو کر واپڈا سے تعاون کریں۔

Marfat.com

باب نمبر۴

تعلیم کا عام کرنا

موجودہ حالات

اس وقت پرائمری سکولوں سے لے کر یونیورسٹی تک کسی کلاس میں بوجہ کمی سکول، کالج اور دیگر تعلیمی ادارے کسی طالبعلم کو آسانی کے ساتھ داخلہ نہیں ملتا اور بیشتر طالبعلم پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں داخلہ لے کر اپنی تعلیم جاری رکھتے ہیں۔ یہ سلسلہ پیشہ وارانہ کالجوں میں داخلہ سے قبل چلتا رہتا ہے اور جب پیشہ وارانہ کالجوں میں داخلہ کا مسئلہ آتا ہے جیسے میڈیکل کالجوں، انجینئرنگ کالجوں، یونیورسٹیوں۔ لاء کالجوں اور اسی طرح کے دیگر کئی ٹیکنیکل ادارے ہیں تو وہاں میرٹس اور ڈیمرٹس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ نمبروں کے حساب سے لسٹیں تیار ہوتی ہیں اور چند مخصوص نشستوں کے لئے اوپر سے چند طالبعلم داخل کر لئے جاتے ہیں اور بے شمار طلباء و طالبات اگرچہ انہوں نے سیکنڈ و فرسٹ ڈویژن حاصل کی ہوتی ہے اپنی مرضی کے اداروں میں داخلہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح یونیورسٹیوں میں مختلف شعبہ جات تعلیم قائم ہیں جن میں گریجویٹس اپنے اپنے شعبہ میں پوسٹ گریجویشن کے لئے داخلہ لینے کے لئے فارم داخل کر دیتے ہیں مگر سوائے چند لوگوں کے فہرست میں جنکا اوپر نام ہوتا ہے باقی تمام طلباء و طالبات داخلہ سے محروم رہ جاتے ہیں اور نتیجتاً اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ دیتے ہیں یا پھر پرائیویٹ طور پر اگر انکا مضمون اجازت دے تو وہ اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کی کوششیں کرتے ہیں۔

یہ بڑے افسوس کی اور تکلیف دہ بات ہے کہ جب کوئی لڑکا یا لڑکی ماں باپ کے ہاں پیدا ہوتی ہے تو وہ شروع سے اپنے دل میں ایک خواہش رکھتے ہیں۔ کوئی سوچتا ہے کہ اس کا بیٹا یا بیٹی ڈاکٹر بنے گا یا بنے گی اور کوئی سوچتا ہے کہ اس کا بیٹا یا بیٹی بڑا ہو کر انجینئر بنے گا۔ اسی طرح کچھ ماں باپ سوچتے ہیں کہ ان کے بچے فلاں فلاں مضمون میں پروفیسر بنیں گے اسی طرح مختلف خواہشیں ماں باپ کے دل میں پروان چڑھتی ہیں۔ اور

Marfat.com

جب بچے بڑے ہوتے ہیں تو ان سے بھی اسی خواہش کے متعلق باتیں ہوتی ہیں اور بچے بھی اپنی تعلیم کو جاری رکھتے ہوئے کوششیں کرتے ہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کی اُمیدوں پر پورے اتریں مگر یہ تمام اُمیدیں اس وقت خاک میں مل جاتی ہیں جب ان طلباؤ طالبات کو پیشہ وارانہ کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ نہیں ملتا۔ اب اس میں کس کی غلطی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جو طالبعلم داخلہ سے محروم رہ گئے ہیں ان کی اپنی کوئی غلطی نہ ہے کیونکہ اگر وہ اس سے بھی زیادہ نمبر لے لیتے ہیں جو انہوں نے لئے ہیں تو کچھ لوگ اس سے بھی زیادہ نمبر حاصل کر لیتے ہیں اور وہ فرسٹ یا سیکنڈ ڈویژن لینے کے باوجود بھی داخلہ سے محروم رہ جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم اور پیشہ وارانہ تعلیم سے لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ یہی حال ٹیکنیکل اداروں کا ہے کیونکہ ان کی تعداد بھی نہ ہونے کے برابر ہے اور وہاں بھی داخلہ نمبروں کے حساب سے ملتا ہے اور بے شمار طلباؤ طالبات اسی لئے داخلہ نہیں لے سکتے کہ ان کے نمبر داخلہ ملنے والے طالبعلموں سے کم تھے۔ یہی حالت پرائمری سکولوں سے لے کر ہائی سکولوں تک داخلہ کی ہے۔ جس آبادی میں گورنمنٹ کا ایک ہائی سکول ۲۰ سال قبل موجود تھا وہاں اب بھی وہی ایک ہائی سکول ہے اگرچہ وہاں کی آبادی چار گنا بڑھ چکی ہے۔ اسی طرح نئی آبادیاں جو دور دور تک شہروں کے آس پاس پھیل گئی ہیں ان میں بھی پرائمری و ہائی سکول نہ ہونے کے برابر ہیں۔ البتہ کچھ لوگوں نے فلاحی ادارے قائم کر کے کچھ سکول بنائے ہیں یا کچھ پرائیویٹ سکول قائم ہیں جہاں منہ مانگی فیس وصول کی جاتی ہے اور ان اداروں میں عام آدمی بچوں کو نہیں پڑھا سکتا اور نہ ہی اُن اداروں کے اخراجات برداشت کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اُن پرائیویٹ اداروں میں غیر متعلقہ سلیبس اور غیر ملکی کتابیں پڑھانے کے لئے لگا رکھی ہیں جو ننھے منے بچوں کی سمجھ سے بالا ہیں۔ اور آئندہ چل کر وہ غیر متعلقہ کتابیں اُنکی تعلیمی بنیاد بھی نہیں بن سکتیں۔

حالانکہ یہ سکول محکمہ تعلیم سے منظور شدہ ہوتے ہیں مگر پھر بھی کوئی ان کے سلیبس، اخراجات اور فیس چیک کرنے والا نہیں ہے اس طرح ایک دوڑ لگ جاتی ہے جس میں کھاتے پیتے گھروں کے بچے ان سکولوں میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور غریب والدین کے بچے سرکاری سکول نہ ہونے کی وجہ سے اپنی تعلیم یا تو شروع ہی نہیں کر سکتے یا جاری نہیں رکھ سکتے۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے جس سے پرائمری، مڈل اور ہائی سکول کی تعلیم تک بے شمار بچے تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس کے بعد کالجوں کا مسئلہ آتا ہے۔ گورنمنٹ

Marfat.com

کے کالج اتنے کم ہیں کہ تقسیم ملک کے بعد نئے کالج یا تو بنائے ہی نہیں گئے اور اگر کچھ بنائے گئے ہیں تو وہ بہت کم ہیں۔ البتہ کچھ رفاہی اداروں نے کالج قائم کئے جن کو گورنمنٹ نے اپنے قبضہ میں لے کر تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ آبادی میں اضافہ کے مطابق نئے گورنمنٹ کالج بنائے ہی نہیں گئے۔ اس وجہ سے موجودہ کالجوں میں داخلہ لینا ایک مسئلہ بن گیا ہے اسی طرح نہ ہی زیادہ ٹیکنیکل ادارے بنائے گئے ہیں۔ یہی سلسلہ یونیورسٹیوں میں تمام شعبہ جات میں داخلہ کا ہے۔ اگر قیام پاکستان کے وقت کسی شعبہ میں ۵۰ طلباء داخل کئے جاتے تھے تو آج بھی اُس تعداد کو ضرورت کے مطابق نہ بڑھایا گیا ہے اور صرف چند لوگوں کو داخلہ ملتا ہے اس طرح بہت سے طلباء اعلیٰ تعلیم سے محروم ہو جاتے ہیں۔ لڑکیاں شادی کی فکر میں گھروں میں بیٹھ جاتی ہیں اور لڑکے اپنی روزی کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں یہ سب کچھ اعلیٰ تعلیم پر پابندیوں اور سکولوں کالجوں کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے تعلیم عام نہیں ہو رہی۔ اب یہ بات عام ہو رہی ہے کہ نئی روشنی سکول کھولنے سے کم از کم پرائمری تعلیم عام ہو جائے گی۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ پرائمری تعلیم سوائے الفاظ کی شناخت یا مشکل سے اخبار پڑھ لینے اور اپنے دستخط کر لینے کے سوا کچھ نہیں اور جب پرائمری پڑھا لڑکا یا لڑکی اپنے دنیاوی کاموں میں لگ جائے گا تو چند سالوں میں صرف اپنے دستخط کرنے کے علاوہ سب کچھ بھول چکا ہو گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری آبادی کا بیشتر حصہ دیہاتوں میں آباد ہے اور وہی لوگ زیادہ تر ناخواندہ ہیں اور اگر ان میں سے کوئی شخص اعلیٰ تعلیم حاصل کر لیتا ہے تو وہ شہر آ کر آباد ہو جاتا ہے اور وہ لوگ اپنی اسی حالت میں اَن پڑھ رہ جاتے ہیں اور اُن کو تعلیمی ماحول نہیں ملتا جو شرح تعلیم میں اضافہ کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس لئے چند تجاویز جن سے تعلیم عام ہو سکتی ہے حسب ذیل ہیں۔

تجاویز

(۱) میرے نزدیک پرائمری تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہے مگر اعلیٰ تعلیم کو اس حد تک پھیلایا جاوے کہ ہر شخص جو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کو ہائی سکولوں میں، کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں اور دیگر پروفیشنل (پیشہ وارانہ) کالجوں اور پولی ٹیکنیکل اداروں میں باآسانی داخلہ مل سکے اور وہ اپنی تعلیم جاری رکھ کر جو کچھ وہ بننا چاہتا ہے بنے۔ جیسے ڈاکٹر، وکیل، پروفیسر، انجینئر

Marfat.com

یا دیگر جس شعبہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہے وہ حاصل کرے۔ طلباً اپنی تعلیمی خوابشات کو پورا کریں اور اپنے ماں باپ اور اپنی اُمیدیں بر لاویں۔ اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ ہائی سکول کالج، پولی ٹیکنیکل ادارے اور یونیورسٹیاں بنائی جائیں اور ہر یونیورسٹی کے شعبہ جات میں داخلہ لینے والوں کے مطابق پھیلاؤ پیدا کیا جاوے۔ اگر فوری طور پر بلڈنگوں کا انتظام نہ ہو سکے تو موجودہ ہائی سکولوں کالجوں، یونیورسٹیوں اور ٹیکنیکل اداروں میں تین تین شفٹیں شروع کر کے سب داخلہ لینے والوں کو داخلہ دیا جاوے تاکہ وہ اپنا تعلیمی پروگرام جاری رکھ سکیں۔ اگر اس طرح بھی طالبعلموں کی تعداد زیادہ ہو تو کرایہ کی بلڈنگیں حاصل کی جاویں اور اخراجات پورے کرنے کے لئے بلا جھجک بامطابق اخراجات و کرایہ اور سٹاف کی تنخواہیں پوری کرنے کے لئے طالبعلموں سے معقول فیسیں لی جاویں اور جو طالبعلم فیس ادا نہ کر سکتے ہوں ان کی باقاعدہ انکوائری کر کے فیس کی معافی کا مستحق قرار دیا جاوے اور اس کی فیس یا ان طالبعلموں کی فیس زکواۃ فنڈ سے ادا کی جاوے مگر تعلیم حاصل کرنے کیلئے مواخلہ سے کسی صورت بھی انکار نہیں ہونا چاہیئے۔ جہاں تک خاص پیشہ وارانہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلہ کا تعلق ہے جیسے میڈیکل کالج، انجینئرنگ یونیورسٹیاں و کالج اور دیگر اہم ٹیکنیکل ادارے شامل ہیں کے داخلے کا تعلق ہے ان طلباً و طالبات کو داخلہ ضرور ملنا چاہیئے جو سیکنڈ ڈویژن ایف ایس سی پری میڈیکل و پری انجینئرنگ حاصل کر لیتے ہیں اور جن اداروں میں میٹرک سائنس کے ساتھ داخلہ ملتا ہے میں سیکنڈ ڈویژن پر ضرور داخلہ ملنا چاہیئے اور اس میں نمبروں کی فہرست بنانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جس شخص نے سیکنڈ ڈویژن کی ہو اس کو داخلہ ضرور ملنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ جو شخص پری میڈیکل یا پری انجینئرنگ میں گریجویشن کر لے تو اس کو بھی ضرور ترجیحاً داخلہ ملنا چاہیئے اگر ایف ایس سی میں تھرڈ ڈویژن لینے والے پری انجینئرنگ یا پری میڈیکل میں اپنی ڈویژن امپروو کر کے سیکنڈ ڈویژن حاصل کرے خواہ اس نے اس سلسلے میں کتنے ہی چانس لئے ہوں اس کو بھی داخلہ ملنا چاہیئے یہی فارمولا میٹرک تھرڈ ڈویژن والوں کے لئے ہونا چاہیئے۔ جب وہ بھی امپروڈ ویژن کر لیں تو متعلقہ ٹیکنیکل ادارے میں اس کو داخلہ ملنا چاہیئے اور کسی تعلیمی ادارے میں عمر کی حد نہیں ہونی چاہیئے۔

(۲) جہاں تک یونیورسٹی میں تعلیم کا تعلق ہے۔ اس کے جتنے بھی شعبہ جات ہیں ان میں وسعت پیدا کر کے اتنی گنجائش پیدا کی جائے کہ تمام طلباً و طالبات کو جس شعبہ میں وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا

Marfat.com

چاہے یعنی ایم اے کرنا چاہے تو خواہ کوئی ڈویژن ہو گریجویشن کے بعد ان کو مطلوبہ شعبہ میں داخلہ ملنا چاہیئے۔ اس میں اگر شفٹیں مقرر کی گئی ہوں تو فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ ڈویژن والوں کو شفٹوں کے مطابق داخلہ دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح یونیورسٹی لاء کالج میں جہاں تک داخلہ کا تعلق ہے اس میں بی اے میں ہر سیکنڈ یا فرسٹ ڈویژن لینے والے کو داخلہ ملنا چاہیئے۔ اور ایم اے کرنے والے کو ترجیح دینی چاہیئے۔ اسی طرح ایم۔ اے کرنے کے بعد اگر کوئی طالبعلم یا طالبہ پی ایچ ڈی کرنا چاہے تو اس کے لیے کسی قسم کی پابندی نہیں ہونی چاہیئے خواہ اس کے لئے نیا سلیبس برائے پی ایچ ڈی کیوں نہ تیار کرنا پڑے اسی طرح جو لاء گریجویٹ ایل ایل۔ ایم کرنا چاہے اس کو بھی تمام سہولتیں دینی چاہئیں تاکہ وہ مطلوبہ ڈگری حاصل کر سکے۔ اسی طرح دیگر اعلیٰ تعلیم کے دروازے کسی صورت بند نہیں ہونے چاہئیں اور پرائیویٹ تعلیم جس میں سائنس کے مضامین یا عملی تجربات ہونے شامل نہ ہوں جاری رکھنے کی اجازت ہونی چاہیئے اور یونیورسٹی ریگولر طالبعلموں اور پرائیویٹ طالبعلموں کا امتحان ایک ہی معیار پر لے اور پاس کرنے پر اسناد یا ڈگری جاری کرے۔

یہ بات پروسپیکٹس میں ضرور لکھ دینی چاہیئے کہ متعلقہ یونیورسٹی یا تعلیمی ادارہ ملازمت یا روزگار دلانے کا ذمہ دار نہ ہے۔ یہ گریجویٹ یا پوسٹ گریجویٹ کی اپنی کوشش پر ہے کہ اپنا روزگار خود حاصل کرے۔ اخراجات پورے کرنے کے لئے ہر یونیورسٹی کے طالبعلم سے فیس بمطابق اخراجات وصول کی جائے اور اگر کوئی فیس ادا کرنے کا اہل نہیں تو اس کی فیس، زکوٰۃ فنڈ سے وصول کی جائے۔ اس طرح اعلیٰ تعلیم عام ہوگی۔ جب اعلیٰ تعلیم عام ہوگی تو اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص شہروں میں روزگار کم ہونے کی صورت میں دیہی آبادی کی طرف رجوع کریں گے اور اسی طرح اپنے پرائیویٹ کلینک، ٹیکنیکل ادارے، سکول اور کالج قائم کر کے نہ صرف اپنا روزگار حاصل کریں گے بلکہ دیہی آبادی کو بھی تعلیم سے بہرہ ور کریں گے۔ دیہی آبادی شہروں میں منتقل ہونے کی بجائے دیہاتوں ہی میں ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہونے پر وہاں رہنا پسند کرے گی۔ اس طرح جب تعلیمی ماحول ہر گاؤں و قصبے میں پھیلے گا تو بچے اور بڑے سب تعلیم حاصل کریں گے اور چند سالوں میں خواندگی کا تناسب ۸۰٪ ہو جائے گا۔ اور تقریباً ۳۰ سالوں میں پاکستان میں خواندگی کی شرح کسی ملک سے کم نہ ہوگی اور گنتی کے لحاظ سے ۹۵٪ فیصد ہو جائے گی۔ گورنمنٹ نے اس وقت بھی ڈاکٹروں کے

Marfat.com

لئے اگر وہ دیہاتوں میں کلنیک قائم کرنا چاہیں تو قرضہ وغیرہ کی سہولت دے رکھی ہے۔ یہ سہولت تمام ان لوگوں تک پھیلائی جا سکتی ہے جو کوئی اپنا ٹیکنیکل ادارہ، ورکشاپ، اسکول یا دیگر تعلیمی ادارہ تعلیم کی خاطر قائم کرے۔ اور محکمہ تعلیم یا متعلقہ ادارہ، محکمہ کو ان پرائیویٹ اداروں کو منظور کرنے میں لیت ولعل سے کام نہیں لینا چاہیئے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ اب یہ یونیورسٹیوں کا کام ہے کہ وہ اپنا تعلیمی معیار قائم رکھیں۔

(۳) اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ حکومت نے مسجد مکتب سکول اور روشنی سکول سکیمیں شروع کر رکھی ہیں اور یہ بھی سکیم شروع کی ہوئی ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص دو ان پڑھ لوگوں کو پڑھائے گا مگر تعلیم حاصل کرنا ایسی چیز نہیں جو زبردستی ٹھونسی جا سکے کیونکہ اس کے لئے والدین اور بچوں کی مرضی کا شامل ہونا بہت ضروری اس لئے ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ جس میں سب لوگ تعلیم حاصل کرنے میں دلچسپی لیں۔ اب جہاں تک پڑھا لکھا ہونے سے مراد ہے میرے نزدیک کوئی آدمی ۴/۵ جماعت تک پڑھ لینے سے پڑھا لکھا نہیں کہلوا سکتا کیونکہ نہ تو وہ صحیح طور پر اخبار پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اچھی کتاب پڑھ سکتا ہے اور نہ پیچیدہ حساب کتاب کر سکتا ہے۔ کیونکہ اخبارات و رسائل اور کتابیں اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص نے سوائے بچوں کی کتابوں کے لکھی ہوتی ہیں۔ اس لئے کم از کم تعلیم مڈل یا میٹرک حاصل کرنے کے بعد ایک شخص پڑھا لکھا کہلانے کا حقدار ہوتا ہے اسی وجہ سے صرف پرائمری تعلیم دینے سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی خواندگی کی شرح بڑھ سکتی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ ہمارے ملک میں جو کہ ایک اسلامی ملک ہے میں مخلوط تعلیم اچھی نہیں سمجھی جاتی اور علیحدہ علیحدہ تعلیمی ادارے یا شعبہ جات ہونے چاہئیں اور اگر کسی یونیورسٹی شعبہ تعلیم یا کالج میں مخلوط تعلیم ہو تو مرد یا عورت ہونا داخلے میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیئے۔ اس لئے ہر شخص کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس کے معیار کے مطابق داخلہ ملنا چاہیئے اور مرد یا عورت ہونے کی بنا پر اس کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

باب نمبر ۵

ملاوٹ وجعلسازی کا خاتمہ

موجودہ حالات

ملاوٹ یا جعلسازی میں دو قسم کی اشیاء آتی ہیں ایک وہ چیزیں جن کا انسانی صحت کے ساتھ تعلق ہے جیسے اشیائے خوردونوش اور ادویات دوسری قسم کی وہ چیزیں جن کا انسانی استعمال سے تعلق ہے جیسے ناپ تول کے پیمانے، کپڑے، مار دوائیں، پیٹرول وغیرہ اور دیگر بہت سی اشیاء شامل ہیں۔ اس وقت کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کو روکنے کے لئے فوڈ انسپکٹرز تعینات ہیں اور ادویات میں ملاوٹ کو روکنے کے لئے ڈرگ انسپکٹر تعینات ہیں اور اسی طرح دوسری چیزوں میں ملاوٹ کو روکنے کیلئے خاص خاص افسران مختلف محکمہ جات سے مقرر ہیں اور مختلف قسم کی لیبارٹریز بھی قائم ہیں جن میں مخصوص انسپکٹران یا افسران نمونے حاصل کر کے متعلقہ لیبارٹری میں بھیجتے ہیں اور نتائج آتے ہیں متعلقہ افراد کے خلاف کارروائی یا چالان وغیرہ کرتے ہیں۔ اس طریقہ کار میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ انسپکٹر صاحبان جو نمونے لیتے ہیں کی تعداد اتنی کم ہے کہ ان کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں اس لئے لوگ ان سے رابطہ قائم کر کے اپنے جرم کی سزا پانے سے بچ جاتے ہیں۔ اسی طرح ملک میں متعلقہ لیبارٹریز کی کمی ہے جو ہر ضلع اور تحصیل میں نایاب ہیں۔ اگر کوئی نمونہ کسی لیبارٹری میں بھیج دیا جاتا ہے تو لوگ کافی عرصہ تک نتائج سے آگاہ نہیں ہوتے اور تھوڑی تجزیہ گاہیں ہونے کی وجہ سے کافی عرصہ تک نمونہ جات بغیر معائنہ کئے پڑے رہتے ہیں اور بعض اوقات بااثر لوگ میل ملاپ کر کے سزا سے بچ جاتے ہیں اس طرح نہ صرف ملاوٹ کا کام جاری رہتا ہے بلکہ بعض جعلساز بڑی بڑی کمپنیوں کے ناموں سے فائدہ اٹھا کر جعلی ادویات اور کھانے پینے کی اشیاء تیار کر کے فروخت کرتے رہتے ہیں علاوہ ازیں انسپکٹر حضرات کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ وہ جعل سازی کرنے والوں تک پہنچ نہیں سکتے اس طرح ملاوٹ اور جعل سازی کا خاتمہ ممکن نہ ہے۔ اب تو ملاوٹ اور جعل سازی ہر شہری کے لئے ایک مسئلہ بن گیا ہے۔ خالص اور ناخالص اصلی اور نقلی کی پہچان مشکل ہو گئی ہے۔ لہذا ملاوٹ اور جعل سازی کی لعنت

Marfat.com

کو ختم کرنے کے لیے حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

تجاویز برائے خاتمہ ملاوٹ وجعلسازی

(۱) کھانے پینے کی اشیاء اور ادویات خواہ وہ انسانی صحت کے لئے ہوں یا کیڑے مارنے کیلئے ہوں ان کے نمونہ جات لینے کے اختیارات صرف فوڈ انسپکٹروں، ڈرگ انسپکٹروں یا دیگر مخصوص افسران کو ہی حاصل ہونے چاہیئے اور نہ ہی یہ بات لازمی ہونی چاہیئے کہ نمونہ لیتے وقت انکا ساتھ ہونا ضروری ہے بلکہ ہر طرح کے نمونے حاصل کرنے کیلئے پولیس کو مکمل اختیارات ہونے چاہیئے کہ وہ جہاں سے بھی ملاوٹ یا جعلسازی کی شکائیت آئے یا وہ خود کسی طریقے سے ملاوٹ یا جعلسازی کا پتہ چلائیں تو بغیر کسی متعلقہ انسپکٹر کے خود نمونہ جات حاصل کریں اور ہر نمونہ تین حصوں میں لیا جائے۔ ایک حصہ یعنی سربمہر نمونہ اس شخص کے پاس رہے جس سے لیا گیا ہے جس شخص سے نمونہ حاصل کیا جاوے اس کے دستخط یا انگوٹھا کا نشان لیا جاوے اور فوری طور پر نمونہ کو سربمہر کر کے گواہان کے بھی دستخط یا نشان انگوٹھے حاصل کر کے متعلقہ لیبارٹری میں بھجوایا جائے متعلقہ لیبارٹری میں عام لوگوں کا داخلہ بند ہو اور مطلوبہ نتائج کی رپورٹ فوری طور پر متعلقہ پولیس کو بھجوائی جائے اگر نمونہ کے نتیجے کی رپورٹ میں لیبارٹری کے تجزیہ کے مطابق ملاوٹ ثابت ہو تو متعلقہ پولیس آفیسر اس کیس کو باقاعدہ ایک مقدمہ کی صورت دے کر اس کی تفتیش کرے اور بمطابق شہادت و رپورٹ چالان متعلقہ عدالت میں پیش کرے اور عدالت موصوف باقاعدہ سماعت کر کے ملزم کو قانون کے مطابق سزا دے یہ بات یاد رہے کہ تفتیش میں اس بات کا بھی پتہ چلانا ہے کہ یہ ملاوٹ جس شخص سے مال خریدا گیا ہے اس نے کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں جتنے لوگ ملوث ہوں ان کو شامل کیا جائے اور سزا کی صورت میں متعلقہ دوکاندار یا کمپنی کا لائسنس کاروبار ختم کر دینا چاہیئے اور اصل ملزم یا ملزمان کو بھی سزا ملنی چاہیئے۔

(۲) ملاوٹ خورد و نوش کی اشیاء میں ہو یا ادویات میں جو کہ انسانی صحت کے لئے ہیں یا دیگر اشیاء جو کہ مقررہ معیار کے مطابق نہ ہوں تو ہر متعلقہ قانون میں لائسنس کی ضبطگی کے علاوہ مجرم کی کڑی سزا رکھی جائے۔ اور جرمانے کے علاوہ ۱۰ سال تک قید کی سزا ہونی چاہیئے۔

(۳) ملک میں ہر طرح کی اشیاء کا معیار جانچنے کے لئے اور تجزیہ کرنے کے لئے ہر طرح کی

Marfat.com

لیبارٹریز (تجزیہ گاہیں) کافی تعداد میں ہر ضلع اور اگر ہو سکے تو ہر تحصیل میں قائم کی جانی چاہئیں تاکہ نمونہ جات کی رپورٹیں متعلقہ پولیس کو جلد بھیجی جاویں۔ جب کوئی نمونہ لیبارٹری میں جمع کروایا جائے تو اس میں مقررہ تاریخ لیبارٹری کے رجسٹرار صاحب کی طرف سے دینی چاہیئے تاکہ اس روز متعلقہ پولیس مطلوبہ نتیجہ کی رپورٹ حاصل کر سکے۔ اگر نمونہ فیل ہو جائے تو لیبارٹری کے اخراجات جو بھی مقرر ہوں رپورٹ میں درج ہونے چاہئیں اور ذمہ دار شخص سے وصول کئے جائیں۔

(۴) ملاوٹ اور جعلسازی کے مقدمات بھی عام عدالتوں میں سماعت ہوں۔ استغاثہ کی شہادتوں کے بعد صفائی کا موقع دیا جائے اور پھر باقاعدہ فیصلہ لکھا جائے تاکہ کسی کو کوئی شکایت نہ ہو اور انصاف کا بول بالا ہو۔

(۵) کھانے پینے کی اشیاء، ادویات اور دیگر ایسی اشیاء جن میں آسانی کے ساتھ ملاوٹ یا جعلسازی ہو سکتی ہو یا وہ جعلی اور نقلی تیار ہو سکتی ہوں کے معیار، پہچان، فارمولاجات اور ان چیزوں کے اجزاء کی تشہیر اخبارات وغیرہ میں کرتے رہنا چاہیئے تاکہ عام شہریوں کو بھی ان اشیاء سے متعلق معلومات اور پہچان ہو سکے اور وہ اصل اور نقل میں فرق معلوم کر سکیں۔ ایسا کرنے سے برائی کا خاتمہ ہوگا۔

Marfat.com

باب نمبر ۶

رشوت کا خاتمہ

موجودہ حالات

اس وقت یہ حالت ہے کہ رشوت کے لئے سپیشل جج صاحبان انٹی کرپشن مقرر ہیں جو سیشن جج صاحب کے عہدے کے افسران ہوتے ہیں اور ان کے پاس رشوت کے مقدمات جو سرکاری ملازمان اور ان کے ساتھیوں کے خلاف درج ہوتے ہیں سماعت کے لئے پیش ہوتے ہیں رشوت کی سزا دفعہ ۱۶۱ تا ۱۷۰ تعزیرات پاکستان کے مطابق دی جاتی ہے جو کسی صورت میں بھی تین سال سے زیادہ نہ ہے اور عام طور پر سزا کا نصف یا چوتھائی حصہ دیا جاتا ہے اور سرکاری ملازم کو اگر محکمہ چاہے تو ملازمت سے بھی برطرف کر سکتا ہے۔ ان مقدمات کو عدالت میں پیش کرنے سے قبل متعلقہ محکمہ جس کے ملازم کے خلاف مقدمہ بنا ہو کی منظوری لینا ضروری ہے۔ اور اب انٹی کرپشن کمیٹی بھی منظوری دے سکتی ہے یا ایک مقررہ مدت تک کوئی جواب نہ آنے کی صورت میں عدالت منظوری تصور کر لیتی ہے۔ ان پیچیدگیوں اور سزا کے کم ہونے کی وجہ سے رشوت عام ہو گئی ہے اور بعض محکموں میں اُن کے افسرانِ بالا سے منظوری لے کر ہی ان کے ملازمان کے خلاف ریڈ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی قانون ہے کہ اگر چھ ماہ تک مقدمہ کا فیصلہ نہ ہو تو متعلقہ ملازم اگر اُس کی ملازمت ختم نہ کی گئی ہو تو وہ ملازمت پر بحال ہو جائے گا۔ انٹی کرپشن جج صاحبان کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے کئی کئی سال تک مقدمات کا فیصلہ نہیں ہوتا اور وقت کی دیری کی وجہ سے سرکاری ملازمین کے خلاف شہادت بھی نایاب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کچھ گواہان ریٹائرڈ ہو جاتے ہیں اور کچھ مر جاتے ہیں اس طرح ملزمان رشوت کے مقدمات بننے کے باوجود سزا سے بچ جاتے ہیں اور اگر سزا مل بھی جائے تو وہ سزا جسے اُوپر بیان کیا گیا ہے معمولی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ گریڈ نمبر ۱ سے لے کر گریڈ ۱۶ تک کے ملازمین سے کسی شرائط کے فارم پر دستخط نہ کروائے جاتے ہیں اور نہ ہی ملازمت پر تعینات کرنے سے قبل کوئی حلف لیا جاتا ہے۔ صرف رولز و ریگولیشن سرکاری ملازمین کے لئے کافی سمجھے جاتے

Marfat.com

ہیں جن کا ملازمین کو نہ تو علم ہوتا ہے اور نہ ہی ان کو پڑھائے جاتے ہیں اور نہ ہی ان سے حلف نامہ پابندی مذکورہ بالا قواعد لیا جاتا ہے ملازمین کو ملازمت دینے سے قبل صرف ایک چٹھی تعیناتی جاری ہوتی ہے جس پر تنخواہ لکھی ہوتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ملازمت پر حاضر ہو کر رپورٹ کرے۔ ان حالات میں رشوت کا خاتمہ مشکل ہے۔ سرکاری ملازمین کھلم کھلا رشوت لیتے ہیں اور اب تو انہوں نے رشوت کو اپنی فیس کا نام دے دیا ہے یا انعام واکرام سے پکارتے ہیں ـــــ ہر محکمہ نے اپنی اپنی اصطلاحات بنا رکھی ہیں اور رشوت کو ان مخصوص ناموں سے پکارتے ہیں۔ جیسے، پہیہ لگانا، گرم کرنا، پٹرول ڈالنا چائے پانی وغیرہ وغیرہ۔

تجاویز برائے خاتمہ رشوت

(۱) رشوت کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رشوت کا ہر مقدمہ قتل کے مقدمہ کی طرح سمجھا جائے اور موجودہ قانون میں ترمیم کر کے رشوت کی سزا موت یا عمر قید مع جرمانہ مقرر کی جاوے۔ کیونکہ جب تک سخت سزا نہیں ہو گی ختم نہیں ہو گی۔

(۲) رشوت کے مقدمات بھی عام سیشن عدالتوں میں سماعت ہونے چاہئیں کیونکہ سپیشل عدالتوں میں مقدمہ چلانے سے مراد یہ ہے کہ یا تو جسکے خلاف مقدمہ چلایا جا رہا ہے اسکو عام شہری سے کم درجہ کا سمجھنا ہے یا اونچے درجے کا سمجھنا مطلوب ہوتا ہے یہ بات رول آف لاء کے خلاف ہے۔ مزید برآں رشوت کے مقدمات میں لگاتار سماعت کر کے فیصلہ کرنا چاہیئے۔

(۳) ہر سرکاری ملازم سے ملازمت دیتے وقت شرائط ملازمت کو اُردو میں چھپوا کر اس پر دستخط لئے جائیں اور حلف لیا جائے کہ وہ رشوت نہیں لے گا اور جو اپنے جائز واجبات ہیں ان پر گذر کرے گا۔ حکومت کو بھی مہنگائی کے مطابق سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور دیگر سہولتوں کا وقت کی ضرورت کے مطابق خیال رکھنا چاہیئے مگر رشوت لینا مہنگائی کا جواز نہیں بن سکتا۔

(۴) رشوت کے مقدمات میں جس محکمہ کا ملازم ملوث ہو اُس کی منظوری مقدمہ چلانے کے لئے ضروری نہیں ہونی چاہیئے اور مقدمہ بننے کے ۶ ماہ بعد ملزم کو ملازمت پر بحال بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ مقدمہ کے جلد تصفیہ کے قانون میں ترمیم کی جا سکتی ہے کہ رشوت کے مقدمات کے چالان فوری عدالت میں پیش کئے جائیں اور ان کی لگاتار سماعت کر کے مقدمات کا جلد فیصلہ کیا جائے۔ اس طرح بری ہونے کی صورت میں ملازم کو ساری

Marfat.com

سابقہ تنخواہ ملنی چاہیئے اور سزا کی صورت میں ملازمت سے برطرفی لازمی ہونی چاہیئے۔

(۵) اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے رشوت کے خلاف اعلانات اور پروگرام پیش کرتے رہنا چاہیئے اور رشوت لینے اور دینے کے نتائج سے آگاہ کرتے رہنا چاہیئے۔ رشوت کے مقدمات بھی عام مقدمات کی طرح درج ہونے چاہئیں تاکہ کسی سپیشل ریڈ کی ضرورت نہ رہے

مذکورہ بالا تجاویز پر عمل کرنے سے رشوت کا خاتمہ ہو جائے گا اور معاشرہ رشوت جیسی لعنت سے چھٹکارا حاصل کرے گا۔ اور رشوت کی پیدا کردہ ناانصافیاں اور ناہمواریاں ختم ہوں گی۔

Marfat.com

باب نمبر ۲

جمہوریت کی صحیح طور پر بحالی

موجودہ حالات

جمہوری حکومت وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ دنیا میں تین قسم کی حکومتیں مروج رہی ہیں۔ جن میں بادشاہت، مارشل لاء اور جمہوری حکومتیں شامل ہیں۔ بادشاہت ایک واحد شخص کی حکومت ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ حکومت بھی امیروں، وزیروں اور رفقاء کار کے ذریعے ہوتی ہے مگر حاکم اعلیٰ بادشاہ ہی ہوتا ہے۔ جس کی کسی بات کو چاہے وہ عوام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو کوئی شخص نہیں ٹال سکتا۔ وہ اگر خدا کا ماننے والا ہے تو اپنے آپ کو خدا کا نائب سمجھتا ہے اور اپنے عوام پر حکومت کرنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ یہ حکومت مضبوط ترین حکومت ہوتی ہے کیونکہ اس میں ہر مخالفت کو خواہ وہ حق پر ہو یا نہ ہو سختی سے دبا دیا جاتا ہے۔ دوسری قسم کی حکومت مارشل لاء کی حکومت ہوتی ہے۔ مارشل لاء لگانے والا شخص اپنے عسکری زور سے حکومت پر قبضہ کر لیتا ہے اور اپنے ملٹری افسران کے ذریعے عوام پر حکومت مسلط کر دیتا ہے اور طاقت کے زور سے ملک میں اٹھنے والی ہر جائز و ناجائز آواز کو سختی سے دبا دیتا ہے اس حکومت میں بھی مارشل لاء لگانے والا اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لئے اور عوام کو دھوکا دینے کے لئے عوام میں سے کچھ لوگوں کو جو اس کی مرضی کے ہوں چن لیتا ہے اور ان کو اماراتیں، وزارتیں اور دیگر اہم عہدے دے کر اپنی مرضی کے مطابق حکومت کرتا ہے عوامی خواہشات اور عوامی ضروریات اس کے نزدیک صرف وہی مقبول ہوتی ہیں جو اس کے اپنے دل و دماغ کو قبول ہوں اور اس کی حکومت میں رکاوٹ نہ بنیں یہ حکومت قوم پر ایک لعنت سمجھی جاتی ہے اور لوگ اپنی آواز اور اپنے جذبات جو کہ ایسی حکومت کے خلاف نفرت سے بھرے ہوتے ہیں کا اظہار نہیں کر سکتے۔ خواہ ملک کی حالت اور عوام کی حالت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حکومت بھی اگرچہ طاقت کے لحاظ سے مضبوط ہوتی ہے۔ مگر اس کی جڑیں عوام میں نہیں ہوتیں بلکہ مارشل لاء لگانے والے کے ہاتھوں اور اس کے عسکری ساتھیوں میں ہوتی ہیں۔ کوئی وقت ایسا بھی آتا ہے کہ عوام کے جذبات لاوے کی طرح بھڑک اٹھتے ہیں اور پھر یہ عوامی طوفان سنبھالنا

Marfat.com

مشکل ہوجاتا ہے خفیہ تخریب کاریاں، بموں کے دھماکے، شب خون مارنا، چوریاں اور ڈاکے عام ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ حکومت کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاتا مگر عوام کا جان و مال محفوظ نہیں رہتا اور عوام اپنے جذبات کا اظہار ان تخریب کاریوں کے ذریعے کرتے رہتے ہیں۔

تیسری قسم جمہوری حکومت کی ہے جس کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ یہ عوام کی حکومت عوام میں سے ہوتی ہے اور عوام کے فائدے کے لئے بنائی جاتی ہے۔ جمہوری حکومت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک صدارتی اور دوسری وزارتی حکومت ہوتی ہے۔

صدارتی حکومت میں طاقت کا سرچشمہ ملک کا صدر ہوتا ہے جو عوام کا چنا ہوا ہوتا ہے۔ وزرائیں بھی ہوتی ہیں مگر صدر کا حکم بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور بعض اوقات صدر اور وزارتوں میں اختلافات پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور ان پیچیدگیوں کو سنبھالنا بڑا مشکل ہوجاتا ہے کیونکہ دونوں ادارے عوام کے منتخب شدہ ہوتے ہیں اور اپنا اپنا حکم چلانا چاہتے ہیں۔ اس نظام میں اگر صدر صاحب کسی قانون کے بنانے میں رکاوٹ بننا چاہیں تو قانون کا بنانا بہت مشکل ہوجاتا ہے یہ نظام بہت پیچیدہ ہوتا ہے۔ اکثر قومی مسائل فوری حل ہونے کی بجائے طوالت اختیار کر لیتے ہیں اور عوام کو اس حکومت کا اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا وزارتی حکومت میں ہوتا ہے۔ وزارتی نظام میں بھی اکثر دو ایوان ہوتے ہیں۔ ایوانِ بالا اور ایوانِ زیریں۔ جیسے قومی اسمبلی اور سینیٹ، مگر خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب بجائے منتخب نمائندوں کے کچھ لوگ ایوانِ بالا میں بذریعہ نامزدگی داخل ہوجاتے ہیں۔ اس لئے دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء جس کا پورا نام دستورِ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان ۱۹۷۳ء ہے بہترین دستور ہے اور یہ حسنِ اتفاق کی بات ہے کہ یہ دستور جو پاکستان کو ۲۶ سال کی عمر میں ملا اس میں تمام سیاسی جماعتوں اور عوامی نمائندوں نے اتفاق کیا اگر اس دستور کو جو اس میں غیر ضروری ترامیم کی گئی ہیں ان کو نکال کر مکمل طور پر نافذ کیا جائے تو یہ بہترین دستور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض وقتی تقاضے اور ضرورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ دستور میں ترامیم ہوسکتی ہیں مگر وہ بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہونی چاہئیں۔ اس لئے میرے نزدیک دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء جمہوری عمل کے لئے نافذ العمل رہنا ضروری ہے۔

جمہوری عمل میں یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ لوگوں کو تحریر و تقریر کی آزادی ہو اور اصلاح کے لئے تنقید کا سننا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں ہونی چاہیئے کہ الیکشن میں جن لوگوں نے مخالفت کی ہو یا وہ کامیاب پارٹی کے مخالف رہے ہوں ان سے بدلے لئے جائیں اور بار بار یہ اعلان

Marfat.com

کیا جائے صرف کامیاب پارٹی کارکنوں کو اور ساتھیوں کو حکومت کی مراعات اور سہولتوں سے نوازا جائے گا جب کوئی شخص یا جماعت ووٹ حاصل کر کے عوامی نمائندہ یا جماعت منتخب ہوتی ہے تو اس کو اپنے ساتھیوں اور مخالفوں سب کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے اور ہار جیت کو بھول کر یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ پوری قوم کے عوامی نمائندے ہیں اور ان کے نزدیک اپنا پرایا ایک جیسا ہے اور سب لوگوں کی خدمت اور معاشرے کی بھلائی کرنا ان کی اخلاقی اور قانونی ذمہ داری ہے۔ نیک نیتی، ایمانداری اور قومی لگن سے سرشار ہو کر عوام کی اصلاح و بہبود، ملکی ترقی اور جمہوری تقاضے پورے کرنے کے لئے کمربستہ رہنا چاہیئے۔

اگر کامیاب نمائندے اور کامیاب جماعت یا جماعتیں جمہوریت کو اور پاکستان کو دوام دینا چاہتے ہیں تو پھر انہیں سیاسی رنجشیں کامیابی کے بعد بالکل بھول جانی چاہئیں اور ناکام رہنے والے سیاسی اشخاص یا جماعتوں کو بھی کامیاب جماعت یا شخص کو اپنا نمائندہ قبول کر لینا چاہیئے اور اس کے ساتھ ہر طرح سے تعاون کرنا چاہیئے۔ انہیں عوام کی فلاح و بہبود کے لئے مل جل کر کام کرنا چاہیئے اس طرح اگر کامیاب نمائندہ یا جماعت اچھی کارکردگی نہیں دکھائے گی اور اس کے برعکس ناکام شخص یا جماعت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرے گی تو یہ بات عین ممکن ہے کہ آئندہ الیکشن میں وہ ہارنے والا شخص یا جماعت کامیاب ہو جائے اور ان کو بھی عوام کی خدمت کرنے کا پورا پورا موقع ملے۔ تنقید اور تائید کا حق ہر شخص کو ہونا چاہیئے تاکہ جمہوری عمل جاری و ساری رہے اور لوگوں کو تخریب کاری کی طرف مائل ہونے کی بجائے تعمیری کام کر کے اپنا کردار ثابت کرنا چاہیئے۔

یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ ہمارا ملک پاکستان ہماری آزادی کا ضامن ہے اور آج کل کے دور میں جمہوریت ہی ایسا عمل ہے جس کے ذریعے سب کو عوام کی خدمت کرنے کا موقع ملتا ہے اور عوام کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا ازالہ صرف جمہوریت سے ممکن ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی کہ ہمارے ملک پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور عوام اسلامی جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔ مذہب اسلام کسی کی جان و مال کا ناحق نقصان کی اجازت نہیں دیتا اور مزید راہبری کے لئے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب قرآن مجید اور احادیث نبوی ہیں جو زندگی کے تمام مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ اگر ہم کچھ عرصہ تک ایمانداری اور لگن جمہوری نظریہ کے مطابق دستور پاکستان ۱۹۷۳ء اور قرآن مجید کے اصولوں کے مطابق پورے کرتے رہیں تو کچھ عرصے بعد ہم ایک اچھی جمہوریت کے عادی ہو جائیں گے اور اس طرح ایک صاف ستھری جمہوریت کو دوام ملے گا۔ جمہوریت کی کامیابی کے لئے حسب ذیل تجاویز

Marfat.com

درج ہیں۔

(۱) دستورِ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان سنہ ۱۹۷۳ء اصل صورت میں فوری طور پر بحال کر دینا چاہیئے اور بغیر کسی تعیت و تعل کے تمام غیر ضروری ترامیم جو اب تک اس میں کی گئی ہیں ان کو حذف کر دینا چاہیئے۔

(۲) دستورِ پاکستان سنہ ۱۹۷۳ء کے مطابق عام انتخابات کرانے چاہئیں اور یہ کام منتخب حکومت پر چھوڑ دینا چاہیئے کہ اصولوں کے مطابق اگر کوئی ترمیم دستور میں ضروری ہے تو کروائے۔

(۳) مارشل لاء کے تینوں ادوار کو بھول جانا چاہیئے جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا اسے دوبارہ نہیں ہونے دینا چاہیئے۔ قوم کو سابقہ مارشل لاء کے کرداروں اور ان کے حامیوں کو فراخدلی سے معاف کر دینا چاہیئے اور کوئی انتقامی جذبہ اپنے دل میں نہیں رکھنا چاہیئے۔

(۴) اسی طرح مارشل لاء لگانے والوں یا مارشل لاء لگانے کا سوچنے والوں کو اپنا ذاتی مفاد ترک کر کے پاکستانی قوم اور معاشرہ کی خاطر مارشل لاء کے اثرات کو ختم کرنا چاہیئے اور آئندہ کے لئے قوم کے ساتھ شانہ بشانہ ہو کر جمہوریت اور جمہوری قدروں کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا چاہیئے تاکہ پاکستان جمہوریت کے سائے میں پروان چڑھ سکے اور دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرے۔ امین

Marfat.com

باب نمبر ۸

اسلامی مساوات

موجودہ حالات

مساوات سے مراد تمام معنوں میں برابری کے ہیں اور لوگ یہی بات سوچ کر اپنے ذہنوں میں یہ تصور کرتے ہیں کہ فلاں شخص ہم سے کم پڑھا لکھا ہے اور اس کو دُنیا کی زیادہ آسائشیں میسر ہیں جو نہیں ہونی چاہئیں یا فلاں شخص کم محنت کرتا ہے اور پھر بھی اتنا امیر ہے جبکہ اسکے مقابلے میں دوسرا آدمی زیادہ محنت کرتا ہے اور اپنے کام میں لگا رہتا ہے مگر اسکے پاس خورد و نوش رہائش اور سواری کی وہ سہولتیں نہ ہیں جو کم محنت کرنے والے کے پاس ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تمام جھگڑے عدم مساوات کی وجہ سے ہیں۔ ان کے مطابق ڈاکے۔ لوٹ مار۔ ملاوٹ۔ چوری۔ رشوت۔ دھوکہ بازی اور جبر و ظلم وغیرہ عدم مساوات کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ہر غریب آدمی کو شکوہ ہے کہ امیر آدمی اس کی پرواہ نہیں کرتا اور ماتحت کو افسر سے شکایت ہے کہ وہ اسے اپنے برابر کیوں نہیں سمجھتا۔ یہی صورت سیاسی اختیارات کی ہے جو محروم رہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس عہدہ کے لئے وہ صحیح اور درست آدمی تھے اور قوم کے بہتر خیر خواہ تھے مگر عدم مساوات کی وجہ سے وہ کامیاب نہیں ہو سکے غرضیکہ اکثریت کی رائے میں سوسائٹی میں دولت و جائیداد کی عدم برابری عہدوں کی تقسیم اور جاہ و جلال کے لئے کامیابیاں اور ناکامیاں ہی عدم مساوات کی علامتیں ہیں۔ حالانکہ یہ تمام خیالات اور تصورات مساوات کی بابت غلط ہیں۔ اس لئے ہمیں سب سے پہلے اسلام کی رو سے دیکھنا ہے کہ مساوات کیا ہے۔

اسلامی مساوات

جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور پھر اسے مردوں اور عورتوں کی صورت میں پھیلایا اور قبیلوں میں تقسیم کیا گیا اور کہدیا گیا کہ تم میں

Marfat.com

خدا کے نزدیک وہ شخص ہی زیادہ مقبول ہے جو تقویٰ کے لحاظ سے تم میں سے افضل ہے اور یہ قبیلے اور برادریاں تمہاری شناخت کے لئے ہیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اسی طرح دوزخ اور بہشت میں بھی جانے کے لئے انسانوں کے اعمال کے مطابق فیصلے ہوں گے۔ بہشت میں بھی مختلف درجات ہیں جو انسانوں کے اعمال، عبادات اور سخاوت کے لحاظ سے اسے ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم جسے چاہتے ہیں بغیر حساب کے دُنیا کی آسائشیں اور دولتیں دیتے ہیں تاکہ اس کو آزمایا جا سکے۔ اسی طرح دنیاوی مصیبتیں اور غربتیں اور تنگ دستیاں بھی اس لئے ہوتی ہیں کہ انسان کا صبر، تقویٰ اور پرہیزگاری آزمائی جا سکے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ ماں باپ کی تمام تر خواہشوں اور کوششوں کے باوجود کسی کو اولاد دیتا ہی نہیں اور کسی کو صرف لڑکیاں دیتا ہے اور وہ ہمیشہ لڑکے کے لئے ممتنی رہتے ہیں اور کسی کو بہت نیک اور صالح لڑکے اور لڑکیاں دیتا ہے اور کسی کو صرف لڑکے۔ انہی انسانوں میں سے بعض بہت ہی جلیل القدر پیغمبر چن لئے گئے۔ بعض نبی علیہ السلام بنائے گئے اور بعض کو ولی و قطب بنایا گیا اور بعض انسان اللہ کی فرمانبرداری اور اللہ کی تعلیمات پر عمل کر کے اور اپنی مسلسل محنت سے اتنے مقبول ہوئے کہ ان کے نام اب تک باقی ہیں جب کہ بیشمار ایسے واقعات ہیں کہ بہت سے لوگ بہت دولت اور جاہ وجلال رکھنے کے باوجود اس دنیا سے مٹ گئے اور ان کا نام بھی باقی نہ رہا۔

ان سب باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں امیری و غریبی۔ جاہ و جلال۔ اولاد صحت و تندرستی اور دنیاوی دولت علی سب اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور وہ جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے آنے والوں کے لئے اس کا نام زندہ رکھتا ہے۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ ہر انسان برابر ہے اور اسے دُنیا کی آسائشیں برابر برابر ملنی چاہئیں اور جس کے پاس زیادہ آسائشیں یا دولت ہے اس سے چھین کر جس کے پاس وہ چیزیں نہیں ہیں ان کو دینے سے مساوات پیدا کی جا سکتی ہے تو یہ بات سراسر نہ صرف غلط ہے بلکہ ناممکن بھی ہے۔

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اگر کوئی گروہ یا طبقہ اَن پڑھ ہے اور وہ اپنے حالات

Marfat.com

کو بدلنے کی کوششیں نہیں کرتا تو بے شک اس کو ایک ایسے طبقے سے جو پڑھا لکھا ہے اور اپنے کام لگن سے کرتا ہے اس سے بہت زیادہ دولت لے کر اس ان پڑھ اور بیکار طبقے کو دے دی جائے تو پھر بھی کچھ عرصہ بعد وہ لوگ غریب ہی رہیں گے اور ان کی حالت نہیں بدلے گی جبکہ وہ پڑھا لکھا اور محنتی طبقہ پھر اسی طرح دنیا کی آسائشیں حاصل کرے گا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں جو شخص جو کچھ کرتا ہے اس کا اسے پھل ملتا ہے وہ کسی کام میں جتنی محنت کرتا ہے اتنا ہی اسے انعام واکرام اور صلہ ملتا ہے دیکھا گیا ہے کہ خواہ کوئی شخص غریب ہو یا امیر اگر وہ مطلوبہ تعلیم حاصل کرے تو اس کے مطابق اس کو صلہ ملتا ہے اور اس کے حالات دیکھتے ہی دیکھتے بدل جاتے ہیں اور اپنے خاندان میں وہ مقام حاصل کر لیتا ہے جو اسکے خاندان میں کسی کو حاصل نہ ہوا ہے اسی طرح کاروبار میں جو لوگ دل لگا کر کام کرتے ہیں۔ وہ چند ہی سالوں میں بڑے بڑے کاروباری لوگوں کا مقابلہ کرنے لگتے ہیں اور جس کاروبار میں وہ ہوں اسی سوسائٹی میں مقبول ہو جاتے ہیں اور زندگی کی آسائشیں ان کو مل جاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی مساوات سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص جو جس سوسائٹی یا جس ملک کا شہری ہو اسے آگے بڑھنے کے لئے تمام مواقع ملنے چاہئیں۔ سب سے پہلے ہم پاکستان میں رہنے والے پاکستانی شہریوں کے متعلق ہی بات کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہر شہری کو اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے کے لئے سکول کالج اور اعلیٰ تعلیم کے لئے پورے مواقع میسر ہوں اور کسی صورت میں بھی ان کو تعلیم سے محروم نہ کیا جائے اگر وہ غریب ہے اور اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم نہیں دلوا سکتا تو حکومت کی طرف سے یا زکوٰۃ فنڈ سے اس کے اخراجات پورے کر دیئے جائیں — تاکہ اس کے بچے اپنی خواہش کے مطابق تعلیم حاصل کر سکیں طالب علم کو کسی سکول کالج یا یونیورسٹی میں اس لئے داخلے سے محروم نہ کیا جاوے کہ وہ کسی خاص طبقے قبیلے یا علاقے سے تعلق رکھتا ہے یا مرد یا عورت ہونے کی وجہ سے وہ داخلہ لینے کا اہل نہیں۔ اسی طرح تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی عمر کی پابندی نہیں ہونی چاہیے اگر یہ سب چیزیں میسر ہوں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تعلیمی میدان میں پاکستان میں اسلامی مساوات قائم ہے۔

اس کے علاوہ اسلامی مساوات سے مراد یہ ہے کہ پاکستان کا ہر شہری جو بھی کاروبار

Marfat.com

وہ کرنا چاہے اگر وہ اس کا اہل ہے تو اسے وہ کام کرنے سے منع نہیں کرنا چاہیئے، اسے پوری آزادی سے مطلوبہ کام کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے اور ملک کے جس حصّے میں وہ اپنا کام کرنا چاہتا ہے اسے بمطابق قانون کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے اس طرح کاروباری مساوات قائم ہوگی اور یہی اسلامی معاملاتی یا تجارتی مساوات ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی جائز کمائی سے جائیداد کا کاروبار کرتا ہے اور اس بہت ساری جائیداد زمین و مکان بنا لیتا ہے اور اس کی جائیداد میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ کسی کے ساتھ دھوکہ نہیں کرتا اور مطلوبہ جائیداد ٹیکس ادا کرتا ہے تو یہ اس کا حق ہے اس سے دوسروں کو دیکھ کر حسد نہیں کرنا چاہیئے کہ ان کے پاس جائیداد کیوں نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شہری کو اپنی جائیداد خواہ زرعی ہو یا سکنی بیچنے اور خریدنے کا حق حاصل ہے۔ اپنے اس حق کو جائیداد کے سلسلے میں استعمال کرنے کو جائیدادی مساوات کہا جا سکتا ہے۔

ان باتوں کا حاصل یہ ہے کہ ہر شہری جو وہ جائز کام کرنا چاہتا ہے اسے اس کے مواقع میسر ہوں اس کو ایک جیسے حقوق حاصل ہوں اور اگر وہ اپنی محنت، لیاقت اور علم کے لحاظ سے دوسروں سے کسی میدان میں آگے نکل جاتا ہے تو یہ اس کا حق ہے۔ پس اسلامی مساوات سے مراد تمام شہریوں کو ایک جیسے ہر معاملے میں مواقع ملنا ہی اسلامی مساوات ہے اور دوسرے جو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے چاہے تعلیم میں کاروبار میں جائیداد میں یا دیگر کسی معاملے میں تو ان کو آگے نکلنے والے شخص جس نے اپنے جائز طریقے سے مطلوبہ چیزیں حاصل کی ہیں اس پر افسوس نہیں کرنا چاہیئے بلکہ خود بھی جائز طریقے اختیار کر کے اور محنت سے اپنی مطلوبہ خواہشیں پوری کرنی چاہئیں۔ اور حکومت کو بھی اس سلسلے میں تمام جائز سہولتیں مہیا کرنی چاہئیں تاکہ ہر شہری ترقی کر سکے یہی اسلامی مساوات ہے

Marfat.com

باب نمبر۹

نجی جائیداد کا تحفظ

یہ ایک عام بات ہے کہ حکومتوں کے وجود میں آنے سے قبل جب دنیا میں آبادی بہت کم تھی تو ہر شخص اپنی جان و مال کی خود حفاظت کرتا تھا یا قبیلوں کی صورت میں اکٹھے رہ کر اپنی جائیداد۔ عزت اور جان کا تحفظ کرتے تھے۔ نہ حکومتیں تھیں نہ عدالتیں تھیں اور نہ ہی قانونی طور پر کسی پر حفاظت کرنے کی پابندی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جس کی لاٹھی اس کی بھینس سمجھی جاتی تھی۔ آگے چل کر بڑے بڑے قبیلوں نے اپنے رہنما (سردار) چن لیے جو کمزوروں کی دادرسی کرتے تھے اور جبر و ظلم کو روکنے کی کوششیں کرتے تھے مگر پھر بھی جو قبیلہ بڑا ہوتا وہ دوسرے کو لوٹ لیتا اور اس کی عزت و جان سے اپنی طاقت کے بل بوتے پہ کھیل جاتا۔ آہستہ آہستہ بادشاہت کی صورت میں جو حاکم اعلیٰ کہلاتا تھا۔ حکومتیں وجود میں آئیں اور انہوں نے اپنے قوانین بنائے اور حکومت کے اخراجات چلانے کے لئے اپنے عوام سے ٹیکس۔ نقد یا جنس کی صورت میں وصول کیا اور اپنے محافظ تیار رکھے جو مظلوم کی دادرسی اور ظالم سے کرواتے۔ یہ سلسلہ جب شروع ہوا تو حاکم نے اپنے آپ کو بادشاہ کہلوانا شروع کر دیا۔ اس بادشاہت میں بھی بنیادی چیز جس کا تحفظ فراہم کیا جاتا تھا۔ وہ رعایا کی جان و مال تھا۔ یہ قانون تحفظ آج تک حکومتوں میں خواہ جمہوری ہوں یا بادشاہت رائج ہے کہ حکومت کا اولین فرض لوگوں کی جان و مال کا تحفظ ہے۔ جان سے مراد لوگوں کی جان و عزت ہے اور مال سے مراد روپیہ پیسہ اور جائیداد ہر قسم ہے اس کے بعد بعض بادشاہوں نے اپنی رعایا پر ظلم و ستم کرنے شروع کر دیئے اور اپنی اپنی مرضی کے خدا بنا لیے بعض بادشاہوں نے تو اپنے آپ کو ہی خدا کہلوانا شروع کر دیا ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہبری کے لئے اپنے پیغمبروں کا سلسلہ شروع کیا اور ہر قوم پر اپنے نبی بھیجے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے سمجھاتے اور اسی کو ہر چیز کا حاکم اور قادر ماننے کی تلقین کرتے اور پھر بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبر دنیا میں انسانوں سے مبعوث کیے اور ان پر اپنی بڑی بڑی

Marfat.com

کرتا ہیں اور صحیفے اتارے اور اپنے فرشتوں کے ذریعے ان کی رہنمائی کی۔ اس طرح ان الہامی کتابوں کی روشنی میں ہر معاشرہ کے بعد قوانین اور ضوابط بنائے گئے ہیں جو معاشرہ کی اصلاح کرنے اور اس کی فلاح و بہبود کے لئے راسخ ہیں۔

آج کی سوسائٹی میں نہ صرف قواعد و ضوابط جو کہ انسانی فلاح و بہبود آزادیٔ تحریر و تقریر اور جان و مال کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں بلکہ ایک مؤثر عدالتی نظام بھی ہے۔ جس کے ذریعے کسی بھی قاعدے یا ضابطے کی خلاف ورزی خواہ کوئی شہری کرے یا خود حکومت کرے عدالتیں شہریوں کی جان و مال کی محافظ سمجھی جاتی ہیں اور جس کسی کے ساتھ زیادتی ہو عدالتیں اس کی دادرسی کرتی ہیں۔

سب سے مشکل معاملہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی محافظ یا منتظم جس گھر کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہو۔ خود ہی نقب لگائے یا چوری کرے اور یہ بڑا افسوس ناک معاملہ سمجھا جاتا ہے۔ حکومت پاکستان اس وقت اپنے شہریوں کی جان و مال کی محافظ ہے اور ہر طرح کا انتظامی اور عدالتی نظام قائم ہے مگر افسوس کا وہ مقام بھی آتا ہے جب کسی شہری کی جائیداد اس کی مرضی کے برعکس معمولی معاوضے کے بدلے زبردستی لے لی جاتی ہے۔ ایسے بیشمار واقعات ہر شہر میں ہوتے ہیں جن کا فرداً فرداً ذکر مشکل ہے البتہ یہ بات سب سے پہلے ۱۹۵۹ء میں زرعی اصلاحات کی صورت میں شروع ہوئی اور لوگوں سے زبردستی ایک محدود رقبہ کو چھوڑ کر باقی زمینیں چھین لی گئیں اور پھر مزارعین کو دے دی گئیں یا نیلامی کے ذریعے فروخت کر دی گئیں۔ اس کے بعد بھٹو حکومت نے اس سے بھی بڑھ کر کام دکھایا۔ بڑے بڑے کارخانے۔ فیکٹریاں۔ جائیدادیں۔ زبردستی قومی ملکیت میں لے لیں اور زرعی زمینوں کی تعداد اور کم کر کے بقایا لوگوں میں تقسیم کر دی گئیں اس سے بے شمار خاندان یا مالکان اسی غم کی وجہ سے مر گئے یا تباہ ہو گئے۔ پھر کچی آبادیاں زبردستی قائم کر لی گئیں جو اب تک جھگڑا کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ بعد میں انشورنس کمپنیاں اور بینک بھی قومی تحویل ملکیت میں لے لیئے گئے اس سے نجی جائیداد کا تحفظ جو حکومت کی طرف سے فراہم تھا۔ وہ ختم ہو گیا اور لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے کہ کوئی بھی کاروبار، صنعت۔ یا جائیداد۔ حکومت جب چاہے بلا معاوضہ یا معمولی معاوضہ کے عوض حاصل کر سکتی ہے بعد میں یہ بات دیکھنے میں آئی کہ وہی صنعتیں اور کارخانے جو منافع بخش تھے۔ قومی ملکیت میں

Marfat.com

آنے کے بعد نقصان کا باعث بنے۔ حکومت کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کسی کاروبار صنعت یا کارخانہ کو چلانے کے لئے صرف روپیہ پیسہ ہی کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ مالکان کی شب و روز کی محنت، دیانتداری اور خلوصِ نیت کا بڑا دخل ہوتا ہے جس کی وجہ سے کوئی صنعت مقبول عام ہوتی ہے اور یہ کام صرف ملازمین سرانجام نہیں دے سکتے کیونکہ ان کا کوئی سرمایہ نہیں لگا ہوتا۔ ان کو صرف اپنی تنخواہ سے اور مراعات سے غرض ہوتی ہے۔ شروع شروع میں لینڈ ایکویزیشن ایکٹ ۱۸۹۴ء کے ذریعے زمین کا حصول ہوتا تھا تاکہ کالونیوں اور چھاؤنیوں کے لیئے زمین حاصل کی جا سکے۔ مگر بعد ازاں اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کی روشنی میں اب دکانوں، مکانوں اور زمینوں پر بھی یہ قانون لاگو ہونے لگا ہے اس قانون کے ذریعے حاصل کردہ زمینوں اور مکانوں سے متعلق چند مثالیں درج ذیل ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کس قدر نجی جائیداد کا عدم تحفظ پایا جاتا ہے۔

پہلی مثال باغبانپورہ لاہور میں موجود انگوری باغ کوارٹرز سکیم کی ہے۔ یہ زمین شہری تھی اور جس وقت ایکوائر کی گئی اس وقت اس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ فی کنال تھی۔ جبکہ یہ زمین ۲۰ ہزار روپے فی ایکڑ کے حساب سے ایکوائر کی گئی اور مالکان کو ۲½ ہزار روپیہ کنال کے حساب سے معاوضہ دیا گیا۔ یہ سینکڑوں کنال زمین جن خاندانوں سے زبردستی لی گئی وہ بیچارے تباہ ہو گئے اور آج تک سنبھل نہیں سکے۔ نیشنل کنسٹرکشن کمپنی نے اسی زمین میں ۲،۲ مرلے کے کوارٹروں کی تین تین منزلیں بنا کر ۶، ۶۰ ہزار میں فروخت کی۔

دوسری مثال اندرون لوہاری گیٹ میں بازار واقع ہے جہاں ایک تین منزلہ عمارت کے نیچے تین دکانیں بھی ہیں اور جو لوہاری گیٹ میں واقع ہے۔ دو ڈھائی لاکھ روپیہ فی مرلہ زمین کی قیمت ہے جبکہ یہ جائیداد جو چار مرلہ زمین پر بنی ہوئی ہے صرف ایک لاکھ ۲۰ ہزار روپیہ میں زبردستی ایکوائر کرنے کے لئے لینڈ ایکویزیشن کے تحت نوٹیفکیشن جاری کر دیا گیا ہے۔

ان دونوں مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ حالات میں ایسے ہزاروں واقعات پاکستان میں ہوئے ہیں اور روزانہ ہو رہے ہیں اور حکومت جب چاہتی ہے زبردستی کسی کی نجی جائیداد کو معمولی معاوضہ کے عوض حاصل کر لیتی ہے جبکہ وہی منصوبہ کسی دور دراز زمین پر بھی پورا ہو سکتا ہے۔ جس کے لئے شہری نجی جائیداد لی جا رہی ہوتی ہے۔ اس طرح نجی جائیداد کو کوئی تحفظ حاصل نہ ہے اور یہ بات اسلامی روایات کے بالکل

Marfat.com

خلاف ہے اور پاکستان کے شہریوں میں بے چینی پھیلاتی ہے۔ اس لئے حکومت کو نجی جائیداد کے مالک سے گفت و شنید کر کے اس کو جائیداد کی بازاری قیمت ادا کر کے حاصل کرنا چاہیئے تاکہ مالک کا دِل نہ دکھے اور حکومت یا کوئی ادارہ جس کے لئے زمین یا مکان لیا جا رہا ہے کسی کی جائیداد سے ناجائز مفاد حاصل نہ کر سکے اور لینڈ ایکوزیشن ایکٹ میں ترمیم کر کے باہمی گفت و شنید کا طریقہ رائج کرنا چاہیئے اور فراخ دلی سے مالک نجی جائیداد کو معاوضہ ادا کر کے اس سے جائیداد لینی چاہیئے۔ زبردستی کسی پاکستانی کی شہری جائیداد لینا اور پھر بازاری قیمت بھی ادا نہ کرنا بڑا ظلم ہے۔ اس سلسلے میں اچھی مثالیں بھی موجود ہیں جیسے واپڈا کالونی ملتان روڈ لاہور کے لئے حاصل کردہ زمین ہے جو باہمی گفت و شنید سے خریدی گئی ہے اور کسی کو کوئی شکایت نہ ہے۔ سابقہ مالکان بھی خوش ہیں اور مقدمہ بازی بھی برائے نام ہے اس سلسلہ میں حسب ذیل تجاویز پیش ہیں۔

تجاویز

(۱) مالک یا مکانِ جائیداد سے جن کی جائیداد حاصل کرنا مطلوب ہو۔ ان سے مل کر باہمی گفت و شنید سے مطلوبہ جائیداد کی قیمت طے کر کے ادا کر کے جائیداد حاصل کرنی چاہیئے۔

(۲) اگر باہمی طور پر قیمت کا فیصلہ نہ ہو سکے تو صرف ڈسٹرکٹ جج صاحب متعلقہ ضلع کو کیس بھیج دینا چاہیئے۔ جو ایک ماہ کے اندر جائیداد کی قیمت کا فیصلہ کرے اور کوئی فارمولا جیسے ایک سال اوسط قیمت یا ۵ سال کی اوسط قیمت یا متعلقہ علاقے کو بنیاد نہیں بنانا چاہیئے بلکہ فریقین کی آمدہ شہادت کو بنیاد بنا کر قیمت کا تعین ڈسٹرکٹ جج صاحب کریں اور جب تک قیمت ادا نہ ہو جائے اس وقت تک متعلقہ محکمہ یا گورنمنٹ جائیداد کا قبضہ حاصل نہ کرے۔

(۳) نئی کالونیوں کے لئے پلاٹس کی ڈویلپمنٹ کرنے والے اداروں نے اب اچھے قاعدے اور قوانین بنا دیئے ہیں کہ وہ ½ حصہ ڈویلپڈ پلاٹس حاصل کردہ زمین میں سے مالک کو استثناء کر دیتے ہیں۔ جس سے مالکان مطمئن ہیں اسی طرح لینڈ ایکوزیشن ایکٹ میں ترمیم کر کے مندرجہ بالا تجاویز کو قانونی حیثیت دینی چاہیئے تاکہ نجی جائیداد کو تحفظ

Marfat.com

حاصل ہوا ور مالکان جائیداد اور حکومت میں اچھے تعلقات قائم رہیں اور باہمی اعتماد و یقین بحال رہے۔ حکومت کے بھی کام چلتے رہیں اور کسی شہری کا نقصان بھی نہ ہو اور نہ ہی اس کے دل میں بے اطمینانی پیدا ہو اور عدم تحفظ کی جائیداد نہ پایا جائے۔

(۴) بڑے یا چھوٹے کارخانے، صنعتیں یا مالیاتی ادارے حکومت کو کبھی بھی قومیانے نہیں چاہئیں بلکہ یہ بات دستور پاکستان میں شامل کرکے ایسا نہ کرنے کی ضمانت اور تحفظ فراہم کرنا چاہیئے۔

(۵) یہ بات درست ہے۔ حکومت کو بعض عوامی۔ فلاحی اور دفاعی مقاصد کے لئے سڑکوں پلوں۔ ہسپتالوں۔ ریلوے لائنوں۔ سرکاری دفاتروں۔ پارکوں۔ چھاؤنیوں اور دیگر پبلک اور عوامی مفاد کے لئے نجی جائیداد حاصل کرنا پڑتی ہے جس کے بغیر حکومت کے کام نہیں چل سکتے لگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں لینا چاہیئے کہ شہریوں کی نجی جائیدادیں بغیر معاوضہ یا معمولی معاوضہ کے عوض حاصل کرنی چاہئیں بلکہ فراخ دلی سے فوری طور پر معقول معاوضہ ادا کرنا چاہیئے۔ تاکہ نجی جائیداد کا تحفظ مثالی بن جائے۔

(۶) اس سلسلے میں ایک بات بڑی اہم ہے جو نجی جائیداد پر ناجائز قبضہ کی ہے اس وقت غیر منقولہ جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنے کی سزا تعزیرات پاکستان کی دفعات ۴۴۷، ۴۴۸ میں دی گئی ہے جو ایک سے زیادہ تہ ہے اور یہ جرم قابل ضمانت بھی ہے۔ اس وجہ سے بدکردار لوگ شریف شہریوں کی جائیدادوں پر ناجائز قابض ہو جاتے ہیں۔ اور پھر قبضہ مخالفانہ کا سہارا لے کر قبضہ نہیں چھوڑتے یا بھاری رقوم حاصل کرکے قبضہ چھوڑتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے تعزیرات کی متعلقہ دفعات میں ترمیم کرکے ناجائز قبضہ کی سزا دس سال سے کم نہیں ہونا چاہیئے اور مخالفانہ قبضہ کا تصور یا قانون ختم کر دینا چاہیئے اور یہ جرم ناقابل ضمانت قرار دیا جائے۔

مجھے یقین ہے کہ ان تجاویز پر عمل کرنے سے نجی جائیداد کا تحفظ قائم ہوگا اور پاکستان کے عوام اور شہری اطمینان کا سانس لیں گے اور حکومت کے ساتھ ہمیشہ تعاون کریں گے۔

Marfat.com

باب نمبر ۱۰

پاکستان کو صنعتی ملک بنانا

موجودہ حالات

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ملک کو صنعت و حرفت میں ترقی کرنی چاہیئے اور ہر میدان میں صنعتیں لگانا چاہیئے چھوٹی سے لے کر بڑی مشینری تک ملک میں تیار ہونی چاہیئے اور سائیکل سے لے کر ہوائی جہاز تک ملک میں بننے چاہئیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا موجودہ حالات میں ایسا ممکن ہے کیونکہ پچھلے دورِ حکومت میں بہت سے کارخانے اور فیکٹریاں بلکہ چاول چھڑنے کی مشینیں تک حکومت نے قومی ملکیت میں لیکر لوگوں کی ایسی حوصلہ شکنی کی ہے کہ کوئی شخص نئی صنعت لگانے کا تصور نہیں کر سکتا۔

اگرچہ موجودہ حکومت نے کچھ صنعتیں اور کارخانے واپس بھی کئے ہیں۔ مگر دستورِ پاکستان میں کوئی ایسی ترمیم کر کے یہ گارنٹی نہیں دی گئی کہ صنعتوں کو قومیائے جانے کا عمل دوبارہ نہیں دہرایا جائے گا۔ اس کے علاوہ ملک کی لیبر پالیسیوں میں کوئی نمایاں تبدیلیاں نہیں لائی گئیں جس سے مالک اور مزدور کے درمیان اچھا ماحول پیدا ہو اور وہ باہم مل جل کر کام کریں اور ملک کی صنعت میں ترقی کریں۔ اس کے علاوہ ملک میں بینکوں کو قومی ملکیت میں لے کر صنعتوں کے لئے قرضے دینے کا عمل کافی حد تک رک گیا ہے۔ سوائے ایک بینک کے دیگر بینک صنعتیں لگانے کے لئے قرضے نہیں دیتے اور چھوٹی چھوٹی صنعتیں جو دیہاتوں میں بھی لگ سکتی ہیں اُن کے لئے بھی کوئی ماحول پیدا نہ کیا جا رہا ہے اور نہ ہی وہاں بجلی کی سہولتیں موجود ہیں اور نہ ہی شہروں اور دیہاتوں کے درمیانی راستوں کو پختہ کیا گیا ہے تاکہ تیار شدہ مال منڈیوں تک آسانی سے پہنچ سکے۔ اس میں شک نہیں کہ سمال انڈسٹریز کا محکمہ قائم ہے جو بلا ہرگا ئیڈ بھی کرتا ہے اور قرضے کی سہولت بھی دلواتا ہے مگر اس محکمہ کا دائرہ اتنا محدود ہے کہ عام آدمی کو اس کے قواعد و ضوابط کا علم ہی نہ ہے اور اگر کوئی کوشش بھی کرتا ہے تو اس کو صحیح راہنمائی نہ ملتی ہے۔ ملک میں بڑی صنعتیں لگانے کے لئے انڈسٹریل ڈویلپمنٹ بورڈ قائم ہیں مگر وہ بھی آسانی کے ساتھ صنعتیں لگانے کی اجازت نہیں دیتے اور طرح طرح کی

Marfat.com

اس سلسلہ میں پیچیدگیاں اور رکاوٹیں حائل ہیں علاوہ ازیں عام شہری لمیٹڈ کمپنیوں میں سرمایہ لگاتے ہوئے ڈرتے ہیں کیونکہ اس طرح دو طرح کے خوف لاحق ہوتے ہیں پہلا خوف یہ ہوتا ہے کہ کمپنی کے ڈائریکٹرز اور افسران کمپنی سے سرمایہ نکال لیتے ہیں اور اس کو دیوالیہ قرار دلوانے کے لئے اس کا معاملہ عدالت کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جہاں سے ایک لیکویڈیٹر مقرر ہو جاتا ہے اور سالہا سال تک کمپنی کی جائیداد کا حساب کتاب مکمل نہیں ہوتا اور نہ ہی پتہ چلتا ہے کہ حصہ داران کو کیا ملنا ہے کب ملنا ہے۔ اس طرح کمپنی سے حصص خریدنے والوں کا تمام سرمایہ ضائع ہو جاتا ہے اور اگر ملتا بھی ہے تو اس قدر کم ہوتا ہے کہ کم از کم وہ شخص جس کا سرمایہ ضائع ہوا ہوتا ہے ساری زندگی کسی کمپنی کے حصص خریدنے کو تیار نہیں ہوتا۔

دوسرا خوف یہ ہوتا ہے کہ بظاہر کچھ کمپنیاں باقاعدہ لمیٹڈ ہوتی ہیں اور کمپنی ایکٹ کے مطابق ان کے پاس لمیٹڈ ہونے کا سرٹیفکیٹ ہوتا ہے مگر عملی طور پر وہ یہ کاروبار نہیں کرتے بلکہ اس لمیٹڈ کمپنی کے نام سے دھوکہ اور فراڈ کرتے ہیں۔ ملازمت کے بہانے بیشمار سیکورٹی کی رقوم حاصل کرتے ہیں۔ اور حصص فروخت کرنے کے بہانے لاکھوں روپیہ بٹورتے ہیں اور پھر بغیر کوئی صنعت لگائے یا کاروبار کیے اپنے کام کو بند کر کے لوگوں کا لاکھوں روپیہ ہضم کر جاتے ہیں اور اُسے دیوالیہ قرار دینے کے لئے عدالت عالیہ میں درخواست دے دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے کارخانے اور صنعتیں لگانے کے لئے منظوریاں بڑی مشکل سے ملتی ہیں اور اسی طرح حسب ضرورت قرضے بھی فراخدلی سے نہیں ملتے۔

ایک اور وجہ جو چھوٹی صنعتوں کیلئے رکاوٹ بنتی ہے وہ مال کی کھپت کے بارے میں ہوتی ہے کیونکہ جو مال ملک میں تیار ہوگا اور چھوٹی صنعتوں کے ذریعے تیار ہوگا وہ بڑے بڑے کارخانوں کے تیار کردہ مال کا مقابلہ قیمت اور معیار کے مطابق نہیں کر سکتا اور برآمد کرنے کے لئے حکومت کا اتنا تعاون حاصل نہیں ہوتا جتنا ہونا چاہیئے۔

اس سلسلے میں حکومت کی راہبری اور دوسرے ملکوں میں مال کی برآمد کے بارے میں تعاون کی ضرورت ہے۔ یہ ایسی وجوہات ہیں جن کے ہوتے ہوئے پاکستان ایک صنعتی ملک نہیں بن سکتا، حالانکہ پاکستان میں اللہ کے فضل سے ہر طرح کا خام مال و میٹریل موجود ہے اور ہر طرح کے انجینئرز، کاریگر، مکینک اور دستکار بھی موجود ہیں جو بڑی صفائی سے اور مہارت سے اچھے سے اچھا مال تیار کر سکتے ہیں اور دنیا کے دیگر ممالک کے تیار کردہ مال کا مقابلہ کر سکتے ہیں اس لئے اگر پاکستان میں صنعتی ماحول پیدا کر کے ملک کو صنعت کے میدان میں ترقی دینا ہے تو پھر چند اقدامات کرنے ضروری ہیں۔ اس لئے حسب ذیل تجاویز پر عمل کر کے پاکستان کو

Marfat.com

ایک صنعتی ملک بنایا جا سکتا ہے۔ اس سے نہ صرف بیروزگاری ختم ہوگی بلکہ وافر مال کی برآمد سے جو زرِمبادلہ حاصل ہوگا وہ پاکستان کی معیشت کو مضبوط سے مضبوط تر بنائے گا۔

تجاویز

(۱) سب سے پہلے دستورِ پاکستان میں ترمیم کر کے یہ بات وضاحت کے ساتھ لکھ دینی چاہیئے کہ آئندہ کوئی صنعت، کارخانہ، فیکٹری، یا دیگر کوئی تجارتی ادارہ قومی ملکیت میں نہیں لیا جائے گا البتہ اگر کسی ہنگامی حالات میں کسی کارخانہ یا فیکٹری کو قومی تحویل میں لینا مطلوب ہو تو اس کے لئے باہمی گفت و شنید سے معقول معاوضہ دیا جائے گا اور ہنگامی حالات ختم ہونے پر وہ ادارہ یا صنعت جس سے لی گئی ہے اس مالک کو واپس کر دی جائے گی۔ یہ مقصد ایکوزیشن کی بجائے ریکوزیشن سے بھی پورا کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کاروباری طبقہ کو اطمینان ملے گا اور وہ اپنا سرمایہ اپنی مرضی کی صنعت پر لگائے گا۔ حکومت کو بھی اس سلسلے میں نئی صنعتیں لگانے والوں کے ساتھ فراخدلی سے پیش آنا چاہیئے اور تعاون کرنا چاہیئے اور قواعد و ضوابط کے مطابق ہر طرح سے قرضہ کی سہولتیں اور ٹیکنیکل گائیڈ لینس مہیا کرنی چاہیئے کوئی صنعت، کارخانہ، فیکٹری خواہ چھوٹے پیمانے پر ہو یا بڑے پیمانے پر اس کے لگانے کو نہیں روکنا چاہیئے خواہ اس قسم کے کتنے ہی کارخانے پہلے کام کر رہے ہوں کیونکہ اگر مال وافر ہوگا تو دوسرے ملکوں کو بھی برآمد کیا جا سکتا ہے۔

(۲) اس کے علاوہ لیبر قوانین میں ترمیم کر کے مالکان اور ملازمین کے درمیان اچھی فضا پیدا کرنی چاہیئے جس سے وہ ادارے کے قواعد و ضوابط کے مطابق کام کریں اور بلاوجہ صنعتکار کو ہراساں نہ کریں اور مال کی تیاری میں رکاوٹ نہ بنیں اور مالکِ صنعت کو بھی وہ سہولتیں اور تنخواہ جس کے تحت ملازمین نے ملازمت حاصل کی ہو بغیر کسی رکاوٹ کے ان کو مہیا کرنے چاہئیں اور ان کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا چاہیئے۔

(۳) صنعتی ملازمین کے لئے لازم ہو کہ یہ دھمکی ہرگز نہ دیں گے کہ وہ صنعت پر قبضہ کر لیں گے یا حکومت صنعت کو قومی ملکیت میں لے لے گی بلکہ دونوں فریق باہمی طور پر شرائط ملازمت کی پابندی کریں گے۔

(۴) اس کے علاوہ بڑی بڑی صنعتوں کے لئے اگر غیر ملکی سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ

Marfat.com

لگانا چاہیں تو ان کو خوش آمدید کہنا چاہیئے اور ان کے لئے ہر طرح کی سہولتیں و ضمانتیں فراہم کرنی چاہیئے۔ اس سے دو طرح کے فائدے ہوں گے۔ ایک پاکستان میں ہر طرح کا روزگار مہیا ہوگا اور دوسرے جو مال وہ تیار کریں گے وہ باہر سے درآمد نہیں کرنا پڑے گا۔ چھوٹی صنعتیں جو دیہات میں لگیں ان کو بھی قرضے کی سہولتیں اور ٹیکنیکل گائیڈ بنس دینی چاہیئے کیونکہ دیہاتوں میں جہاں لیبر سستی ہوتی ہے مختلف صنعتیں لگانے کا بہت فائدہ ہوگا۔ ایک تو وہ لوگ دیہاتوں سے شہروں کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔ دوسری ان کی مالی حالت بدلے گی اور وہ ملکی خوشحالی میں برابر کے شریک ہوں گے۔

(۵) ہر نئی صنعت خواہ بڑی ہو یا چھوٹی اسے کچھ سالوں کے لئے انکم ٹیکس سے اور دیگر ٹیکسوں سے مستثنیٰ قرار دیا جاوے اور اگر کوئی مشینری جو ملک میں تیار نہ ہوتی ہو باہر سے درآمد کرنا پڑے تو فراخدلی سے درآمدی لائسنس دینے چاہئیں۔

(۶) اس کے علاوہ حکومت بڑے بڑے صنعتی ماہرین جن میں بیرونی ملکوں کے نمائندے بھی ہوں اور اندرون ملک کے نمائندے بھی شامل ہوں کا ایک بورڈ قائم کرے جو ملک میں نئی نئی صنعتوں اور منافع بخش کاروبار کا جائزہ لے کر ایک کتاب "صنعتی گائیڈ" شائع کرے جس میں ہر صنعت کے فائدے اور نقصان، سرمایہ کا تخمینہ اور دیگر ضروریات جو صنعت کے لئے درکار ہوں درج ہوں تاکہ عام آدمی بھی اسے پڑھ کر اپنے وسائل کے مطابق ملک کی صنعت و حرفت میں حصہ لے سکے۔ اس صنعتی گائیڈ میں تمام ممکنہ چھوٹی سے لے کر بڑی صنعتوں کی وضاحت، تخمینے، اخراجات، نقشے، عمارتوں اور رقبوں کی تفصیلات، خام مال اور مشینری وغیرہ کی تفصیلات درج ہوں۔

(۷) حکومت خود بڑی بڑی صنعتیں لگانے کی بجائے ملک کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کو ملک میں بڑے بڑے کارخانے ملیں اور فیکٹریاں جیسے موٹر سائیکل، کاریں، ٹرک و بسیں، ٹینک ہوائی جہاز اور دیگر فوجی سامان تیار کرنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرے اور تیار کردہ سامان کے معیار اور کوالٹی کی جانچ پڑتال تک اپنا کنٹرول رکھے۔ بڑے بڑے صنعتکاروں کی اس سلسلے میں پوری حوصلہ افزائی کی جائے اور اگر ان کو کوئی بھی مشکل پیش آئے تو حکومت ان کی راہبری کرے اور اس مشکل کو حل کرنے کے لئے پورا پورا تعاون کرے۔ دوسرے لفظوں میں پرائیویٹ سیکٹر میں ہر طرح کے چھوٹے بڑے کارخانے لگنے چاہئیں اور حکومت

Marfat.com

ان پر صرف کنٹرول کرے تاکہ کسی قسم کے تیار شدہ مال میں بد دیانتی نہ ہو سکے اور مقررہ معیاد چھوٹ ٹیکس گذرنے کے بعد مروجہ ٹیکس وصول کرے۔

(۸) جہاں تک صنعتی اداروں کو قرضے دینے کا تعلق ہے سرکاری بینک ہوں یا نجی بینک صنعتکاروں کو فراخدلی سے قرضے دیں مگر ساتھ ہی ساتھ قرضوں کی واپسی کے لئے مکمل ضمانتیں حاصل کریں تاکہ قرضوں کی واپسی یقینی ہو سکے۔

(۹) جہاں تک لمیٹڈ کمپنیوں کے دیوالیہ ہونے کا تعلق ہے یہ ایک بہت ہی اہم مسئلہ ہے اس سے لوگوں کا سرمایہ ضائع ہو جاتا ہے اور بینکوں کے قرضے بھی مارے جاتے ہیں اور کئی سال دیوالیہ کمپنیوں کے حساب کتاب میں گذر جاتے ہیں اور بہت کم حصہ داروں اور قرض خواہوں کے قرضے واپس ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں تجویز یہ ہے کہ جس وقت کوئی اپنی کمپنی کو پبلک لمیٹڈ کروائے تو اس سے کل سرمایہ کا جس سے وہ کاروبار شروع کرنا چاہتا ہو کا ۱۵٪ فیکسڈ ڈیپازٹ ضمانت کے طور پر جمع کروایا جائے اور اصل رقم جمع شدہ اور منافع نکلوانے کا کمپنی کو کوئی اختیار نہ ہو اور پھر جتنا قرضہ کسی بینک سے لیا جائے یا بذریعہ فروخت حصص کمپنی سے وصول ہو اس کا ۱۰٪ اسی کھاتہ میں بطور فیکسڈ ڈیپازٹ جمع ہو اور یہ جمع شدہ رقم منافع بطور ضمانت جمع رہے کہ اگر کمپنی دیوالیہ ہو گی تو سب سے پہلے حصہ داروں کے حصص اور بینکوں کے قرضوں کی رقم ادا کیے جائیں گے جو رقم حصہ داران اور بینکوں کی رہ جائے وہ کمپنی کے تمام اثاثے فروخت کر کے ادا کیے جائیں یہ کام ایک خاص مخصوص مدت میں پورا کرنا چاہیئے۔

(۱۰) جس وقت کوئی کمپنی یا قرض خواہ درخواست برائے لیکویڈیشن عدالتِ عالیہ میں دے تو سب سے پہلے ایک ماہ کے اندر اندر وہ جمع شدہ سرمایہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے فوری طور پر حصہ داران اور بینک کے قرضوں کی ادائیگی اس جمع شدہ سرمایہ کے تناسب سے ادا کر دینا چاہیئے اور باقی تمام کمپنی کے اثاثے ایک سال کے اندر اندر فروخت کر کے تمام حساب کتاب چکا دینے چاہئیں اس سلسلے میں کمپنی کی انتظامیہ کے ڈائریکٹروں کی ذاتی جائیداد جو انہوں نے دیوالیہ ہونے کی درخواست دینے سے ایک سال کے اندر اندر بنائی ہو یا قریبی رشتہ داروں کے نام لگوائی ہو جن کی اپنی آمدن نہ ہو تو وہ جائیداد بھی کمپنی کے اثاثے تصور کر کے اور فروخت کر کے قرض خواہوں کے قرضے ادا کرنے چاہئیں۔ اس طرح کرنے سے سرمایہ کاروں کی حوصلہ افزائی ہو گی اور وہ بلا جھجک کمپنیوں

Marfat.com

میں اپنا سرمایہ لگا سکیں گے اور بینکوں کے قرضوں کا بھی تحفظ ہوگا۔

(۱۱) اس کے علاوہ جو فیکٹریاں یا صنعتیں کچھ مال لوگوں سے تیار کرواتے ہیں اور وہ گھروں میں چھوٹے چھوٹے یونٹ لگا کر ان کو ان کی پروڈکٹس کے حصے تیار کر کے دیتے ہیں اور کبھی اپنے نام سے پرزوں کو اسمبل کر کے اپنی اشیاء اپنے نام سے تیار کرتے ہیں۔ اس صورت میں سارا ٹیکس ان کارخانہ داروں اور فیکٹریوں سے وصول کیا جاوے جو اپنے نام کی اشیاء اسمبل کر کے فروخت کرتے ہیں۔ اس سے چھوٹے چھوٹے گھریلو صنعت کاروں اور کاریگروں کو تحفظ حاصل ہوگا۔ جو تیار شدہ مال پاکستان میں ضروریات کے لئے کافی ہوں ان کی درآمد پر پابندی ہونی چاہیئے۔

(۱۲) دیہاتوں میں صنعتیں لگانے کے لئے ایسا کرنا چاہیئے کہ جو لوگ یا دیہاتی دیہاتوں میں چھوٹے چھوٹے صنعتی کام جیسے قالین بافی، آٹا پیسنے والی چکیاں، چاول چھڑنے کی مشین اور دیگر صنعتیں اور زرعی پیداوار کے فارم، دستکاریاں اور دیگر اشیاء تیار کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ اور ان کو قرضے وغیرہ کی سہولیتیں اور ٹیکنیکل گائیڈینس مہیا کرنی چاہیئے۔ اس کے علاوہ بجلی خاص طور پر مہیا کرنی چاہیئے اور رابطہ سڑکیں بھی کرنی چاہیئیں اس طرح کرنے سے نہ صرف دیہاتوں کے رہنے والوں کی آمدنی بڑھنے گی بلکہ کچھ عرصے کے بعد حکومت کو بھی ٹیکس کی صورت میں خاصی آمدن شروع ہو جائے گی۔ اس طرح ملک میں صنعت و حرفت عام ہو جائے گی اور جس مال کی اندرون ملک کھپت نہ ہو یا کم ہو کو بیرون ملک منڈیاں تلاش کر کے برآمد کیا جا سکتا ہے جس سے ملک میں صنعتی خوشحالی پیدا ہوگی اور بیروزگاری بھی ختم ہو جائے گی۔ اس طرح پاکستان ایک صنعتی ملک بن جائیگا۔

(۱۳) آجروں اور ملازمین یا لیبر کے مابین جو مقدمات یا تنازعات پیدا ہوں وہ عام عدالتوں میں چلنے چاہیئے۔ تمام لیبر کورٹس ختم کر دینے چاہیئے البتہ ہر فیصلہ ایک ماہ کے اندر اندر کرنا چاہیئے تاکہ تنازعات کا جلد تصفیہ ہو سکے اور صنعتی کاروبار میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

(۱۴) کارخانوں اور صنعتوں میں تالہ بندیوں کا سلسلہ ختم ہونا چاہیئے اور اسی طرح ملازمین یا مزدوروں کو بھی بلا وجہ ہڑتال کا حق نہیں ہونا چاہیئے تاکہ کاروبار کا سلسلہ بند نہ ہو۔

(۱۵) عدالت ہی ہر تنازعہ کا فیصلہ کرے اگر بات اجرت کی ہے یا زیادہ تنخواہ کا معاملہ ہے تو جس روز سے عدالت میں مقدمہ دائر ہوا اسی دن سے ملازمین مطلوبہ تنخواہ لینے کے حقدار ہوں۔ ان مندرجہ بالا تجاویز پر عمل کرنے سے ملک و قوم کی بہتری ہوگی اور صنعتی خوشحالی ملک کا مقدر ہوگی۔ اس طرح پاکستان صنعتی لحاظ سے ایک مثالی ملک بن جائیگا۔

Marfat.com

باب نمبر ۱۱

حکومت کا صنعت اور کاروبار میں کردار

موجودہ حالات

اس وقت حکومت کا صنعت و تجارت میں کردار (عمل۔ دخل) اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ ہر معاملہ میں حکومت خود یا سیمی گورنمنٹ کمپنیوں اور کارپوریشنوں کی صورت میں ہر صنعت اور کاروبار میں پیش پیش ہے۔ جیسے ٹرانسپورٹ، ریلوے، ہوائی سفر، بجلی، پانی، سوئی گیس، ٹیلیفون۔ بڑے بڑے کارخانے۔ ٹریڈنگ کارپوریشنوں، ہوٹلنگ اور امپورٹ، ایکسپورٹ اور دیگر بڑے کاروبار جن میں بینکنگ، انشورنس وغیرہ شامل ہیں۔ حکومت کے اداروں کے ذریعے ہو رہے ہیں۔ مگر یہی کاروبار منافع بخش ہونے کے باوجود ہر سال نقصان کا باعث بنتے ہیں اور اربوں روپیہ کا نقصان ہوتا ہے اور اکثر خبریں آتی ہیں کہ فلاں محکمہ کو اتنا نقصان ہو گیا اور فلاں محکمہ میں اتنا غبن ہو گیا اور فلاں کاروبار میں حکومت کو اتنا نقصان ہو گیا۔ یہاں تک کہ پاکستان سٹیل مل جو ایک بہت بڑا ادارہ ہے جس پر ملکی اور غیر ملکی سرمایہ لگا ہوا ہے اور پاکستان ریلوے جیسے محکمے بھی نقصان اٹھاتے بتائے جاتے ہیں۔ اصل میں حکومت کا منشا بڑے بڑے کاروباروں میں سرمایہ لگا کر اور انہیں چلانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کاروبار سے جو منافع بخش کمپنیاں لے جاتی ہیں وہ منافع بچا کر اسی کاروبار یا صنعت پر دوبارہ لگا کر اسے مزید بڑھایا جائے اور مزید سہولتیں اور آسائشیں شہریوں کو میسر ہوں۔ مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ شروع شروع میں تو کچھ سہولتیں اور آسائشیں ملتی ہیں مگر بعد میں وہ محکمے اور صنعتیں جب نقصان اٹھانا شروع کرتی ہیں تو عوام کو الٹی تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ اور جن سہولتوں کا آغاز ہوا ہوتا ہے وہ نایاب ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس جو نجی کمپنیاں اور کارپوریشنیں بڑے بڑے صنعتی ادارے اور کارخانے یا کاروبار چلاتی ہیں۔ اس میں بے پناہ منافع ہوتا ہے اور عوام کی سہولتوں میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے جیسے نجی ٹرانسپورٹ اس وقت گورنمنٹ سے زیادہ منافع کما رہی اور زیادہ سہولتیں فراہم کر رہی ہے۔ اور گورنمنٹ ٹرانسپورٹ نقصان کا باعث بن رہی ہے۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ سرکاری ٹرانسپورٹ نے نجی ٹرانسپورٹ کو کرایہ پر حاصل کر کے اپنے روٹوں پر چلا رکھا ہے اور ان سے نفع حاصل کرتی ہے۔ شروع شروع میں پاکستان میں ۔۔۔ کا محکمہ بنایا گیا تو یہ خیال تھا کہ بڑے بڑے کارخانے لگا کر ملکی صنعت کو فروغ اور ترقی دے گا اور بہت سے کارخانے ملک میں پی آئی ڈی سی نے لگا بھی دیئے مگر چند ہی سالوں کے بعد ان کارخانوں میں بہت نقصان ہوا اور کچھ کارخانے نجی سرمایہ کاروں کے پاس فروخت کرنے پڑے اور وہی کارخانے اب منافع بخش بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح جو کارخانے اور فیکٹریاں قومی تحویل میں لئے گئے تھے اُن میں سے بیشتر نقصان کا باعث بنے اور بن رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ حکومت نے اپنی پالیسیوں میں نرمی پیدا کر کے کچھ کارخانے اور کاروباری ادارے نجی مالکان کو واپس کر دیئے ہیں جس سے مختلف مسائل اور پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

علاوہ ازیں جب دوسرے ملکوں کو دیکھا جائے تو وہاں پرائیویٹ انڈسٹری ہر فیلڈ میں نمایاں سے اور کامیابی سے چل رہی جس سے وہاں کے عوام کو روزگار کے علاوہ سہولتیں بھی زیادہ میسر ہیں اور حکومت کو بھی ٹیکس کی صورت میں بے پناہ آمدنی حاصل ہوتی ہے میری رائے میں حکومت کو تجارتی ادارہ بننے کی بجائے انتظامیہ کا کردار ادا کرنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں تجاویز حسب ذیل ہیں۔

تجاویز

(۱) حکومت کو ہر طرح کی تجارت نجی اداروں اور سرمایہ کاروں کے ہاتھ پر چھوڑ دینی چاہیئے اور خود کو الٹی کنٹرول اور دیگر انتظامی امور انجام دینے چاہئیں۔ اگر کوئی فیکٹری یا کارخانہ کوئی مال تیار کرتا ہے تو اس کے مال کی جانچ پڑتال کے لئے لیبارٹریز اور چیکنگ کا انتظام کرنا چاہیئے تاکہ وہ گھٹیا مال تیار نہ کرے اور انہوں نے جو اپنے مال کا فارمولا تیار رکھا ہے اس میں کمی نہ آنے پائے۔

(۲) اگر کوئی نجی ٹرانسپورٹ کے ادارے ہیں تو ان میں اس بات کی چیکنگ ہوتی رہے کہ مسافروں کو کوئی تکلیف یا عدم تحفظ تو نہیں ہے اور مسافروں کی ضرورتوں اور سہولتوں کے لئے حکومت کا پورا پورا کنٹرول ہونا چاہیئے۔

(۳) اگر کوئی کھانے پینے کی اشیاء تیار کرنے والی فیکٹری یا کارخانے ہیں تو ان سے حفظان صحت کے اصولوں پر پابندی کروائی جاوے اور ملاوٹ کا سدباب کیا جاوے تاکہ کوئی فیکٹری یا ادارہ ملاوٹ نہ کرے اور اپنے دیئے فارمولے کے مطابق اشیائے خوردونوش تیار کرے۔

Marfat.com

(۴) اسی طرح روزمرہ کی سہولتیں بہم پہنچانے والے اداروں جیسے بجلی، پانی، قدرتی گیس، ٹیلیفون تار اور ڈاک وغیرہ ہیں۔ ان سے صارفین کو شکایت نہیں ہونی چاہیئے اور ہر طرح کی تجارت، پرائیویٹ سیکٹر پر چھوڑ دینی چاہیئے اس طرح حکومت کو خسارے یا نقصان برداشت نہیں کرنے پڑیں گے اور صرف انتظامی امور سرانجام دینے چاہیئے جو حکومت کے بنیادی فرائض میں پہلے سے شامل ہیں۔

(۵) حکومت کو ہر طرح کا ٹیکس ان تمام نجی اداروں، فیکٹریوں اور صنعتوں سے وصول کرنا چاہیئے جو کہ حکومت کے لئے نفع ہی نفع ہوگا اور اس کی آمدنی میں بہت اضافہ ہوگا اور نقصان کا کوئی خطرہ بھی نہ ہوگا۔ ہر طرح کی اشیا کا معیار بہتر ہوگا درآمد و برآمد میں آسانیاں پیدا ہوں گی اور بیرونی ملکوں کو بھی برآمد شدہ مال کے معیار کے متعلق شکایت نہ ہوگی۔ کیونکہ حکومت کا کام صرف کوالٹی کنٹرول اور معیار کی چیکنگ ہی ہوگا جسے وہ احسن طریقے سے سرانجام دے سکتی ہے اور حکومت کے اخراجات چلانے کے لئے بخاطر خواہ سرمایہ بھی ٹیکسوں کی صورت میں فراہم ہوتا رہے گا اس طرح حکومت انتظامیہ کا کردار ادا کرے گی اور اپنا ٹیکس وصول کرے گی اور نجی تجارت کو فروغ حاصل ہوگا اور صنعت و حرفت میں اضافہ ہوگا اور عوامی شکایات کا ازالہ ہوگا اور عوام کو بے پناہ سہولتیں میسر ہوں گی، غبن، رشوت، ملاوٹ اور دیگر بددیانتوں کا سدباب ہوگا اور حکومت کو جو ہر سال اپنے تجارتی اداروں کے نقصانات اور خسارے پورے کرنے کے لئے نئے ٹیکس لگانے پڑتے ہیں اُن سے عوام کو نجات ملے گی اس طرح حکومت اچھی و فعال انتظامیہ ثابت ہوگی اور پاکستانی قوم اور کاروباری حضرات اچھے شہری، اچھے کاروباری اور اچھے صنعتکار ثابت ہوں گے جس سے حکومت اور کاروباری حضرات میں اچھے تعلقات پیدا ہوں گے۔

Marfat.com

باب نمبر ۱۲

ملک میں امن وامان کی بحالی

موجودہ حالات

اس وقت بظاہر تو ملک میں امن وامان قائم ہے اور یہ نظر آتا ہے کہ جمہوریت کی بحالی کے بعد کسی شخص کو موجودہ حکومت سے کوئی شکایت نہ ہے۔ اگر کوئی اکا دکا واردات ہوتی ہے تو وہ پاکستان کے شہریوں کی طرف سے نہیں بلکہ نامعلوم تخریب کاروں کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ بھی شک کیا جاتا ہے کہ شاید اس میں کسی بیرونی طاقت کا ہاتھ ہے۔ مگر جب ہم گہری نظر سے اس بات کا مطالعہ کرتے ہیں کہ آخر ان لوگوں کو جو تخریب کاری کا کام کرواتے ہیں یا کرتے ہیں پاکستانی شہریوں کی جان ومال سے کیا دشمنی ہے اور کیا وہ اس طرح کر کے حکومت کا تختہ الٹ سکتے ہیں یا پاکستان کی سرحدوں میں ردوبدل کر سکتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی حقیقت پر مبنی نہ ہے بلکہ یہ عوام کی بے چینی اور عدم اطمینان جو موجودہ ملکی حالات کی وجہ سے ہے پر عوامی ردعمل ہے اس سے ظاہر ہے کہ عوام موجودہ حالات سے متفق نہیں اور کسی تبدیلی کا رجحان ان کے دماغ میں ہے۔ جو عام حالات میں ان کو پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔

یہ بات بھی ناقابل فہم ہے کہ اگر کسی کی بھیڑ بکری چوری ہو جائے اور علاقہ پولیس چور کو پکڑنا چاہے تو وہ چور ضرور پکڑا جا سکتا ہے۔ مگر اتنے گھناؤنے جرم (تخریب کاری) ہونے کے بعد جس سے سینکڑوں لوگوں کی جانیں تلف ہو جائیں اور وہ اپنی زندگی سے معذور ہو جائیں اور کروڑوں روپے کی سرکاری اور نجی جائیدادیں تباہ ہو جائیں تو اصل مجرم نہ پکڑے جائیں اور پھر عوام کے نقصان کا ازالہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ مرنے والوں کے وارثان کو معاوضہ دیا جاتا ہے اور جائیدادوں کے نقصان پورے کیے جاتے ہیں مگر اصل بات کی طرف کوئی نہیں آتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ ان واقعات کو دہرانے کی ضرورت نہیں جو لاہور، کراچی کوئٹہ، پشاور اور ملک کے دوسرے چھوٹے بڑے شہروں کے اہم مراکز میں ہو چکے ہیں جیسے سندھ، حیدرآباد، کراچی اور دوسرے بڑے شہروں اور اسی طرح پنجاب، سرحد اور

Marfat.com

مختلف مقامات پر رونما ہوئے ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔ اور کوئی شہری خواہ وہ جس جگہ بھی ہو خواہ وہ گھر میں ہے، دفتر میں ہے یا سفر میں ہے اپنے آپ کو محفوظ تصور نہیں کرتا۔ اسی طرح جو لوگ سرحدی علاقوں میں بیٹھے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتے۔ کیونکہ دشمن کے جہاز آتے ہیں اور جانی اور مالی نقصان کر کے چلے جاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی دفاعی نظام نہ ہے صرف سفارتی سطح پر شکوہ کا اظہار کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اندرونی جرائم اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ گھروں میں ڈاکے، چوریاں، بسوں اور ویگنوں کو لوٹنا۔ ریلوے اور دیگر سفری نظام میں رکاوٹیں اور ڈاکے عام ہو گئے ہیں۔ کوئی پٹرول پمپ، یا بینک اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا اور کوئی مالی ادارہ بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا اور اسی خوف میں رہتے ہیں کہ وہ کسی وقت بھی لوٹ لئے جائیں گے اور مار دیئے جائیں گے۔ آخر یہ سب کچھ کیوں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر امن ہے اور انتظامیہ اور حکومت کی گرفت مضبوط ہے تو پھر یہ بموں کے دھماکے، نجی و سرکاری جائیدادوں کا جلاؤ، گھیراؤ اور لوٹ مار، ڈاکہ زنی اور تخریب کاری کیوں ہے؟ کیا حکومت کے پاس ایک منظم فوج نہیں ہے جو بڑے سے بڑے بیرونی حملہ کا مقابلہ کر سکتی ہے اور اندرونی امن قائم کرنے والی ایجنسیاں قائم نہیں ہیں جو ان جرائم کا سدباب کر سکیں اور اصل مجرموں کو سزا دلا سکیں کیا فوج۔ پولیس اور دیگر امن قائم رکھنے والی ایجنسیوں کو تنخواہیں، سہولتیں اور دیگر مراعات پاکستانی خزانے سے نہیں ملتیں جو وہ سستی اور کاہلی کا ثبوت دیتے ہیں اور کسی جرم پر قابو نہیں پا سکتے؟۔

ان باتوں کا جواب تو صاف ہے۔ پاکستانی فوج ماشاءاللہ ہر طرح سے مسلح اور اس قابل ہے کہ بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکے اور پاکستانی پولیس اور دیگر امن قائم کرنے والی ایجنسیاں ہر طرح سے ماہر اور مسلح ہیں اور رات دن چوکس رہنے اور امن قائم رکھنے کے قابل ہیں جب ان باتوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے اور کیا ان کا سدباب نہیں ہو سکتا۔ تاکہ صحیح معنوں میں ملک میں امن قائم ہو اور ہر شہری خواہ کسی صوبہ سے تعلق رکھتا ہو امن سے اپنا کاروبار چلا سکے اور پُرامن زندگی گزار سکے اور تمام اندرونی اور بیرونی خوف سے نجات حاصل کر سکے۔ میرے خیال میں تخریب کاری، بموں کے دھماکے، سرکاری و نجی جائیداد کا جلاؤ، گھیراؤ اور شہریوں کی جانوں کا ضیاع، چوری ڈاکے اور جبر و تشدد کے واقعات کو روکنا ممکن ہے

اس سلسلے میں اگر صرف مندرجہ ذیل تجاویز پر عمل کیا جاوے تو سب کچھ ممکن ہے اور ملک میں امن و امان نہ صرف بحال ہو سکتا ہے بلکہ قائم و دائم رہ سکتا ہے۔

Marfat.com

تجاویز

(۱) سب سے پہلے پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی درست کرتے ہوئے ہمسایہ ممالک سے تعلقات بہتر بنانے چاہئیں تاکہ نہ وہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کریں اور نہ ہی پاکستان ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے۔ اس سلسلہ میں اولیت افغانستان کے مسئلہ کو دینی چاہیئے اور جتنی جلدی ممکن ہو سکے خود آگے بڑھ کر افغانستان کے ساتھ تعلقات بہتر بنا کر افغان مہاجرین کو ان کے ملک میں بھیج دینا چاہیئے تاکہ وہ اپنے اختلافات اپنے ملک میں رہ کر دور کریں اس کے بعد اپنی سرحدیں جو افغانستان اور ایران کے ساتھ ملتی ہیں انہیں اپنی دفاعی لائن سے اس طرح سیل کرنا چاہیئے کہ کوئی بھی شخص بغیر اجازت بغیر جائز کام اور بغیر پاسپورٹ کے پاکستانی سرحد عبور نہ کر سکے اور اگر کوئی حملہ بری فوج کے ذریعے یا ہوائی فوج کے ذریعے کیا جائے یا کوئی اکا دکا واردات کرنے کی جرأت کرے یا سرحدوں کی خلاف ورزی کرے تو پاکستانی افواج ان کا منہ توڑ جواب دیں اور ایسا جواب دیں کہ وہ بچ کر نہ جا سکیں اور آئندہ کبھی پاکستان کی سرحدوں کو عبور کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ اس سلسلے میں پاکستانی افواج سرحدی چوکیاں قائم کرے تاکہ کسی وقت پاکستانی سرحدوں کی خلاف ورزی نہ ہو اور سفارتی سطح پر گلے شکوے کرنے کی بجائے حملہ آور کا منہ توڑ جواب دیا جائے مجھے اُمید ہے کہ پاکستانی افواج اگر ایسا کیا جائے تو وہ ہر طرح سے بیرونی حملے کا مقابلہ کر سکتی ہے اور دشمن کو ایسا سبق سکھا سکتی ہے کہ وہ دوبارہ پاکستانی سرحدوں کی خلاف ورزی نہ کرے جب ایسا ہو جائے گا تو بیرونی تخریب کاروں کی جانب سے جو اندرونِ ملک تخریب کاری اور بموں کے واقعات ہوتے ہیں ان سے مکمل نجات مل جائے گی۔ اسی طرح پنجاب اور سندھ کی جو سرحدیں ہندوستان کے ساتھ لگتی ہیں وہاں پر بھی بارڈر پولیس کو سختی کے ساتھ چوکس کر دینا چاہیئے کہ کوئی ناجائز اسلحہ اور مشتبہ آدمی اور کوئی تخریب کار پاکستان میں داخل نہ ہو سکے اور ہر چیز کی تلاشی لے کر سامان کو پاکستان میں داخل ہونے کی اجازت دینا چاہیئے۔ یہ چیکنگ اور سختی بہت کار آمد چیز ہے کیونکہ لاہور میں بموں کے دھماکوں کے بعد اور ملک کے دوسرے حصوں سے ایسے ہی واقعات کے رونما ہونے کے بعد جب سے سختی کے ساتھ چیکنگ اور انتظام کیا گیا ہے تخریب کاری کے واقعات کم ہو گئے ہیں۔ ان تجاویز پر عمل کرنے سے بیرونی مداخلت کا خدشہ دور ہو جائے گا اور ریفیوزا اور کسٹم چوکیوں پر کسٹم کے عملے اور پولیس کو سختی کے ساتھ چوکس رہنا چاہیئے۔

Marfat.com

اگر کوئی حقیقت میں بیرونی تخریب کار ایسا کرتا تھا تو وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ اس سے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت ہو گی اور امن قائم ہو گا۔

(۲) دوسری وجہ اندرون ملک سے تخریب کار اور حکومت کے مخالفین اور بدکردار عنڈو عناصر ہیں جو بڑھتے ہوئے جرائم میں پیش پیش ہیں اور انہوں نے ملک میں خوف و ہراس پھیلا رکھا ہے اور کوئی شہری اپنی جان و مال کو محفوظ نہیں سمجھتا اس کی وجہ سے شہریوں میں بے چینی اور عدم تعاون بڑھ رہا ہے اور وہ ڈرتے ہوئے یا کسی مصلحت کی خاطر ملزمان کی نشاندہی نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں عوام اور حکومت دونوں ایک دوسرے کو چور نظروں سے دیکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہیں کرتے۔ اس بات کا علاج یہ ہے کہ ملک میں خواہ ۱۹۹۰ء سے پہلے الیکشن ہوں یا ۱۹۹۰ء میں الیکشن ہوں ۱۹۷۳ء کے دستور کے مطابق ہونے چاہئیں جس میں شناختی کارڈ دکھانا لازمی ہو اور مارشل لاء کی نگرانی میں نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ملٹری اور پولیس کی نگرانی میں ہونے چاہئیں۔ الیکشن کے دوران بھاری تعداد میں ملٹری امن و امان بحال رکھنے کے لئے اور دھاندلی اور بددیانتی کو روکنے کے لئے ملک کے اندرونی حصوں میں لائی جائے اور جہاں جہاں پولنگ اسٹیشن بنے ہوئے ہوں ملٹری اور پولیس کی بھاری تعداد میں امن و امان قائم رکھے اور جو شخص ووٹوں میں دھاندلی کرتا ہوا پایا جائے تو اسے فوری طور پر گرفتار کیا جاوے اور اس پر مقدمہ قائم کیا جاوے اور ووٹوں کے ذریعے دھاندلی کرنے اور جعلی ووٹ بھگتانے کی سزا ۱۰ سال رکھی جائے۔ اور اگر کوئی اُمیدوار کسی دوسرے اُمیدوار کو اغوا کروائے یا اس کے ووٹنگ بکس اٹھوائے تو اس پر بھی مقدمہ قائم کر کے نہ صرف الیکشن میں دھاندلی کرنے کی سزا دی جائے بلکہ اسے الیکشن میں حصہ لینے سے روک دیا جائے۔ اگر وہ کامیاب ہو چکا ہو اس کی ممبرشپ جرم ثابت ہونے پر ختم کر دینی چاہیئے۔ اور قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ایسے الیکشن کرائے جائیں کہ کوئی بددیانتی یا دھاندلی کی شکایت نہ رہے اور ۱۹۷۰ء کے الیکشن کی یاد تازہ ہو جائے۔ یہ کام صرف ملٹری کی مدد سے جو وہ پولیس کے ساتھ مل کر کام کرے گی ہو سکتا ہے۔ اور ہر سیاسی پارٹی خواہ وہ رجسٹرڈ ہو یا نہ ہو اور ہر وہ شخص جو الیکشن میں حصہ لینے کا اہل ہو اسے الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی شہری کو الیکشن میں کامیابی یا ناکامی پر شک و شبہ نہ رہے۔ اور عوام کی تسلی ہو جائے کہ الیکشن دیانتدارانہ

Marfat.com

طریقے سے ہوئے ہیں اور جو لوگ نمائندہ بنے ہیں وہ عوام کے چنے ہوئے نمائندے ہیں۔ دوسری بات جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ایوانِ بالا یا ایوان زیریں میں کوئی ممبر شپ نامزدگی سے نہ دی جائے بلکہ ہر ممبر خواہ وہ اقلیت سے ہو یا اکثریت سے ہو، عورتوں سے ہو یا دور دراز علاقوں سے عوام کا چنا ہوا نمائندہ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح صوبائی گورنر بھی عوام کے چنے ہوئے نمائندوں میں سے ہوں اور ان کو صوبائی اسمبلیاں خود سلیکٹ کریں اور جو شخص گورنر بن جائے وہ اپنی ممبر شپ سے محروم ہو جائے اسی طرح جو ملک کا صدر ہو اسے بھی قومی اسمبلی کے چنے ہوئے نمائندوں میں سے قومی اسمبلی کے ارکان خود سیلکٹ کریں۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جو شخص گورنر کے عہدے کا امیدوار ہو وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور قانونی تقاضوں سے واقف ہو اور اسی طرح ملک کا صدر بھی علم و تبہ کے لحاظ سے اعلیٰ شخصیت کا حامل ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ملک کا صدر ملک کا اعلیٰ نمائندہ ہوتا ہے اور دوسرے ملکوں سے رابطے و بھائی چارے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسی طرح گورنر صاحبان بھی اپنے اپنے صوبوں کی یونیورسٹیوں کے چانسلر ہوتے ہیں اور صوبے کی انتظامیہ بھی ان کے ماتحت ہوتی ہے۔

اس طرح صحیح الیکشن و سیلکشن کے بعد پاکستانی شہری بالکل مطمئن ہو جائیں گے کہ اب حکومت ان کے اپنے چنے ہوئے نمائندوں کے ہاتھ میں ہے۔ پھر وہ حکومت کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کریں گے اور اگر کوئی تخریب کار، بدکردار یا غنڈہ شخص کسی کی جان یا مال سے کھیلنے کی کوشش کرے گا تو پاکستان کا ہر شہری نہ صرف اس کی نشاندہی کرے گا بلکہ اس کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دے گا۔ اس طرح حکومت اور عوام کے درمیان اچھے روابط قائم ہوں گے اور شہریوں کی جان و مال کی صحیح طور پر حفاظت ہو سکے گی۔

(۳) یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اچھے برے کاموں سے واقف ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے اور جو کوئی جس چیز کا خالق ہوتا وہ اس کی اچھائیاں اور برائیاں خوب سمجھتا ہے اور اس کو پتہ ہوتا ہے کہ اپنی تخلیق شدہ چیز کو کس طرح ٹھیک کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے جرائم جو انسانوں سے سرزد ہوتے ہیں کی نشاندہی کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان جرائم کی سزا بھی مقرر ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ جرائم کی جو سزا قرآن کریم میں بتائی

Marfat.com

گئی ہے اگر دی جائے تو جرائم اگر سو فیصدی ختم نہ ہوں تو پھر بھی اتنے کم ضرور ہو جائیں گے جن کی نشاندہی کرنا آسان ہو جائے گا اور ان پر قابو پانا مشکل نہ ہوگا۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ عام حالات میں بھی اور خطرے والے موقع پر بھی جب کوئی جلسے جلوس کا مسئلہ ہو تو اس وقت بھی پاکستانی افواج بھاری جمعیت کے ساتھ سول انتظامیہ اور پولیس کی مدد کے لئے چوکس رہے اور بڑے بڑے چوکوں اور شاہراہوں پر اپنا پہرہ رکھے اور جو شخص بھی جرم کرتا ہوا پایا جائے اسے فوری طور پر گرفتار کیا جائے اور جو جرم اس نے کیا ہو اس کے مطابق پولیس کے پاس مقدمہ درج کیا جائے۔ اگر آگ لگائی ہے تو آگ لگانے کا اگر قتل کیا ہے تو قتل کرنے کا اور لوٹ مار کی ہے لوٹ مار کرنے کا اور ڈاکہ زنی کی ہے تو ڈاکہ زنی کا اگر اغوا کیا ہے تو اغوا کا اور اگر زنا کیا ہے تو زنا کا غرضیکہ جو جرم کسی نے کیا ہے تعزیرات پاکستان کے تحت یا ملک میں مروجہ دوسرے قوانین کے تحت مقدمہ درج کیا جاوے۔ ملزم کو گرفتار کر کے جیل بھیجا جائے اور پھر عام عدالتوں میں ان کے مقدمات پیش ہوں اور جو جو جرم کیا ہو ان کے مطابق ان کو سزا دی جائے اور کسی کو سیاسی دباؤ میں یا سفارش پر نہ چھوڑا جائے اور اس طرح ہر ملزم کو اس کے کئے کی سزا ملیگی مظلوموں کی دادرسی ہوگی اور ظالموں کو ان کے کئے کی سزا ملیگی اور ملک میں امن وامان بحال ہو کر لیند ن اپذا حکومت ہوگی اس لئے وہ حکومت سے ہر طرح سے تعاون کریں گے عدالتی نظام میں پہلے بھی کچھ تجاویز اس کتاب میں پیش کی گئی ہیں کہ اگر حکومت مناسب سمجھے تو قانون میں ترمیم کرے ایسے مقدمات جن میں لوٹ مار، بموں کے دھماکے، قتل وغارت، آگ لگانا اور ڈاکے وغیرہ شامل ہیں کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک ماہ کا وقت مقرر کر سکتی ہے اور اس طرح کوئی بھی مجرم مقدمہ کے لمبا ہونے کا فائدہ نہیں اٹھا سکے گا اور اپنے جرم کی سزا جلد پائے گا اور اگر جلد عدالتوں سے لوگوں کی دادرسی ہو جائے تو یہ سب سے بڑی امن وامان کی بحالی کی ضمانت ہوتی ہے۔

مجھے پوری امید ہے کہ مندرجہ بالا تجاویز پر عمل کرنے سے ملک میں امن وامان بحال ہو جائے گا اور یہ امن وامان دائمی اور مثالی ہوگا۔

Marfat.com

باب نمبر ۱۳

عوام کی جان و مال کا تحفظ

کسی بھی حکومت کا وجود ہی اس بات کی ضمانت ہوتی ہے کہ وہ عوام کے جان و مال کے تحفظ کے لئے قائم ہوئی ہے۔ اس کام کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے کہ کس طرح سے حکومت اپنے عوام کی جان و مال کی حفاظت کرے گی۔ یہ سب کچھ سوچ کر سب سے پہلے حکومت کا اپنا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے جسے آج کل ہم دستور یا آئین کا نام دیتے ہیں۔ کسی ملک کا دستور اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اس ملک کی حکومت کیسی ہوگی۔ صدارتی یا وزارتی اور پھر حکومت کے بنیادی عنصر کس طرح وجود میں آئیں گے جو حکومت کہلائیں گے۔ اس لئے حکومت سے مراد ملک کا صدر، وزیراعظم اور وزراء۔ اسی طرح صوبائی حکومتوں میں وزراء اعلیٰ اور وزیر، گورنر، سیکرٹریز، ڈپٹی کمشنرز اور کمشنرز اور دیگر حکومت کے اداروں کے سربراہ گورنمنٹ کہلاتے ہیں۔ اسی طرح صوبائی اسمبلیاں اور قومی اسمبلی بھی گورنمنٹ کہلاتی ہے۔ عوام کی جان و مال کے تحفظ کا بنیادی فرض پورا کرنے کے لئے کسی ملک کی حکومت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ جن میں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ ہوتی ہے مقننہ کا کام قانون سازی کرنا ہے اور عدلیہ کا کام ملکی قوانین کے مطابق انصاف کرنا اور انتظامیہ کا کام ان دونوں اداروں کے احکامات، فیصلوں اور قانون پر عملدرآمد کروانا ہوتا ہے۔ یہ تینوں ادارے بڑے با اختیار ہوتے ہیں۔ مگر ان تینوں کا آپس میں تعاون بہت ضروری ہوتا ہے اور اگر ان تینوں میں سے ایک بھی ادارہ دوسرے دو اداروں کے ساتھ تعاون نہ کرے تو حکومت نہیں چل سکتی۔ اصل میں تینوں اداروں کا بنیادی کام عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی جان و مال کی حفاظت کرنا ہے اور اگر کسی کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو تو اسے دادرسی دلوانا ان کا کام ہوتا ہے۔ اس لئے کسی ملک کے یہ تینوں ادارے جتنے فعال، دیانتدار اور با اختیار ہوں گے اتنی ہی وہ حکومت اچھی سمجھی جائے گی۔ اور عوام کے جان و مال کی حفاظت اتنی ہی اچھے طریقے سے ہوگی۔

Marfat.com

تینوں اداروں کے فرائض

قانون ساز اداروں میں اتنا ہی اچھا قانون بنے گا جتنے اچھے ان کے ممبران ہوں گے اور عوامی نمائندے جن کو عوام نے اپنے ووٹوں سے چنا ہوتا ہے اور ان کا آپس میں کسی بات پر قانون بناتے وقت متفق ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے تاکہ جب ضرورت ہو قانون بنا سکیں۔ اس کے لیے سیاسی جماعتوں کے ذریعے جو نمائندے منتخب کئے جاتے ہیں اور اکثریت حاصل کرنے والی جماعت کے حوالے حکومت کی جاتی ہے تاکہ وہ اکثریت رائے سے قانون سازی کر سکے۔

انتظامیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ انتظامِ حکومت چلانے کے لیے طاقت کا استعمال کرے تاکہ ہر شخص کو قانون کا پابند بنایا جا سکے اس کے لئے انتظامیہ نے اندرونی اور بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے بھاری تعداد میں دفاعی انتظامات کر رکھے ہوتے ہیں۔ جس کے لیے آج کل تین قسم کی افواج ضروری سمجھی جاتی ہیں جن میں برّی، بحری اور فضائی افواج شامل ہیں اور ان کو ہر طرح کے سامانِ جنگ سے لیس رکھا جاتا ہے اندرونی انتظامات چلانے کے لئے مختلف محکمے قائم ہوتے ہیں اور ان کے سربراہ مقرر ہوتے ہیں جن کے احکامات پر فوری عملدرآمد کرنے کیلئے پولیس کی مختلف ایجنسیاں قائم ہوتی ہیں جو قانون کی حکمرانی قائم رکھنے پر عمل کرواتی ہیں۔

تیسرا ادارہ عدالتی نظام ہے جو عوام کے بیچ جھگڑوں، ان کے باہمی معاہدے، ان کے خاندانی جھگڑوں اور جائیداد کے متعلق قوانین پر عمل درآمد کروانے کے لئے قائم ہے۔ جس شہری کے حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا اسے اس کے کسی حق سے محروم کرنے کی کوششیں ہوتی ہیں تو اسے پورا پورا حق ہوتا ہے کہ وہ عدالتوں کی طرف رجوع کرے اور عدالت کے دائرہ اختیار کے مطابق عدالت سے دادرسی حاصل کرے۔ عدالتیں بھی فریقین کو سن کر مقدمات کا فیصلہ کرتی ہیں۔ اس لئے کسی ملک میں جتنا اچھا اور موثر عدالتی نظام ہوگا اتنے ہی عوام کو تحفظاتِ حقوق مہیا ہوں گے۔

جان کے تحفظ سے مراد یہ ہے کہ کسی شہری کو بغیر کسی قانونی جواز کے کوئی شخص چوٹ نہیں لگا سکتا اور اس کے جسم کی خواہ وہ بچہ ہو یا بوڑھا، عورت ہو یا مرد سب کے جسم کی حفاظت حکومت کے ذمے ہے یہاں تک کہ کوئی شخص اپنی اولاد کی جان بھی نہیں لے سکتا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کوئی شخص اپنی جان بھی نہیں لے سکتا۔ اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے تو

Marfat.com

وہ بھی قانون کی گرفت میں اسی طرح آتا ہے جیسے کوئی دوسرا شخص اس کو جسمانی نقصان پہنچاتا ہے۔ اسی لئے پولیس ہر وقت پولیس سٹیشنوں میں موجود ہوتی ہے جو سرکار کا خاص نمائندہ ہے اور ہر شخص کے خلاف جو دوسرے کو جسمانی نقصان پہنچائے سرکار اپنے نام سے ملزم کے خلاف مقدمہ درج کرتی ہے اور متعلقہ عدالت سے اسے جرم کی سزا دلواتی ہے۔

دوسری بنیادی ضمانت جو حکومت کی طرف سے عوام کو فراہم ہوتی ہے وہ مال کا تحفظ ہے۔ مال سے مراد روپیہ پیسہ، جائیداد ہر قسم، سونا چاندی اور ہر قسم کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد شامل ہے اور کسی شہری کا وقار یا عزت بھی اس کی جائیداد سمجھی جاتی ہے جسے عرف عام میں مال کہا جاتا ہے۔

مال کے تحفظ کے لئے حکومت نے مختلف سزائیں مقرر کر رکھی ہیں۔ مثال کے طور پر کسی کا مال اس کی غیر موجودگی میں یا سوتے ہوئے چوری کر لینا یا زبردستی چھین لینا جیسے ڈاکہ زنی یا لوٹ مار کر کے یا دھوکہ سے کسی کو مال سے محروم کر دینا اور کسی کی جائیداد کو دھوکہ دہی یا فریب سے اپنے نام لگوا لینا۔ کسی کے مال میں خیانت، غبن یا کسی دوسرے طریقے سے کسی کی مرضی کے بغیر اس کی جائیداد ہتھیا لینا شامل ہیں۔ اس سلسلے میں پولیس کو اختیار ہے کہ وہ پرچہ درج کرے اور ملزم کو تعزیرات پاکستان اور دیگر قوانین کے تحت گرفتار کرے، چالان کر کے عدالت متعلقہ سے سزا دلوائے۔ یہ بات بڑی اہم ہے کہ حکومت ملزم کو سزا تو ضرور دلوا سکتی ہے مگر جائیداد واپس نہیں دلوا سکتی سوائے منقولہ جائیداد کے جو برآمد شدہ ہو غیر منقولہ جائیداد کی واپسی کے لئے مدعی کو دیوانی عدالت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

اس بات میں شک نہیں کہ اس وقت بذریعہ لوکل گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۷۹ء چھوٹے چھوٹے فوجداری مقدمات اور دس ہزار روپیہ تک لین دین کے مقدمات کے سننے کے اختیارات چیئرمین صاحبان یونین کمیٹیاں اور یونین کونسلوں کو دے رکھے ہیں مگر چیئرمین صاحبان مقدمہ کی ڈگری کی اجراء نہیں کروا سکتے۔ جس کے لئے پھر عام عدالتوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

متذکرہ بالا طریقے (یا نظام) جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس وقت ملک میں برائے تحفظ جان و مال نافذ العمل ہیں۔ ان طریقوں کو مؤثر اور فعال بنانے کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں تاکہ عوام کے جان و مال کا صحیح تحفظ ہو سکے۔

(۱) سب سے پہلے قانون سازاروں یعنی قومی و صوبائی اسمبلیوں میں جب کوئی مسودہ قانون

Marfat.com

پیش ہو تو دیکھا جائے کہ اس سے پہلے کوئی ملتا جلتا قانون موجود تھا یا نہیں۔ اگر تھا تو اس کے تحت زیر سماعت مقدمات اور مسائل پر اس کا کیا اثر ہوگا اور اگر مسودہ برائے ترمیم سابقہ قانون بابت جرائم یا سول حقوق ہو تو یہ دو باتیں خاص طور پر دیکھنی چاہئیں کہ مجوزہ قانون کے مسودے میں کوئی بات مبہم یا وضاحت طلب تو نہیں اور پھر یہ قانون کب نافذ ہوگا اور جو فیصلے قبل ازیں ہو چکے ہیں یا جو مقدمات عدالتوں میں زیر سماعت ہیں اُن پر ان ترامیم کا یا مجوزہ قانون کا کیا اثر ہوگا۔ تمام باتیں وضاحت کے ساتھ زیر بحث لاکر زیر بحث قانون میں ضرور تحریر کرنی چاہئیں۔ دیکھا گیا ہے کہ ان باتوں کا وضاحت کے ساتھ ذکر نہ کرنے کی وجہ سے عدالتیں کئی کئی سالوں تک اس امر کا تصفیہ نہیں کر پاتیں کہ نئے قوانین کا سابقہ قوانین اور زیر سماعت یا فیصلہ شدہ مقدمات پر کیا اثر ہوگا اس طرح جن لوگوں کے مسائل نئے یا ترمیم شدہ قوانین کی وجہ سے الجھ جاتے ہیں اور وہ لوگ ذہنی و جسمانی بیماریوں کا شکار ہو جاتے اور انہیں مالی نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے اور بعض لوگ صدمہ برداشت نہ کرنے کی وجہ سے مر بھی جاتے ہیں۔ اس لئے ملک کے قانون ساز اداروں کو ہر بات کا خیال رکھنا چاہیئے اور مجوزہ قانون کو وضاحت کے ساتھ نافذ العمل کرنا چاہیئے اور ملک کے تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعے نئے یا ترمیم شدہ قانون کی جو کسی صوبائی یا قومی اسمبلی نے منظور کیا ہو تشہیر کرنی چاہیئے تاکہ عوام کو اس سے آگاہی ہو اور ان کو جو ان قوانین سے جانی و مالی تحفظ ملا ہے اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ علاوہ ازیں جب بھی کوئی نیا مسودہ قانون یا ترمیم شدہ قانون قومی یا صوبائی اسمبلیوں کے پاس متعلقہ محکموں سے کمیٹیوں کی رپورٹ پر پیش ہو تو اسے طول نہیں دینا چاہیئے کیونکہ اس سے وہ طبقے جو ایسے قوانین کے خلاف ہوتے ہیں وہ رکاوٹیں کھڑی کر دیتے ہیں اس لیئے متعلقہ اسمبلی یا قانون ساز ادارہ فوری طور پر لگاتار سماعت کر کے معاملات کو زیر بحث لاکر اکثریت رائے سے اس قانون کو منظور کرے یا نامنظور کرے اور جو بھی فیصلہ کرنا ہو فوری طور پر کر دینا چاہیئے اور قانون پاس ہونے کی صورت میں ہر شہری کو جیسے کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے آگاہ کر دینا چاہیئے۔

(۲) یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ انتظامیہ امن عامہ میں بھرپور کردار ادا کرتی ہے مگر کسی ملکی قانون کو براہ راست شہریوں پر نافذ نہیں کر سکتی اور نہ ہی ان کو اس پر عمل نہ کرنے

Marfat.com

کی وجہ سے خود سزا دے سکتی ہے اور انتظامیہ اس معاملے میں تصور کر لیتی ہے کہ ہر شہری کو رائج شدہ قانون کا علم ہے اور اس کو خود بخود اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس لئے جب بھی کوئی شہری کسی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے خواہ وہ فوجداری ہو یا دیوانی تو متعلقہ پولیس قانون شکنی کرنے والے کے خلاف مقدمہ درج کر لیتی ہے اور اپنی تفتیش کے بعد متعلقہ عدالتوں کے ذریعے لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔ اس کے لئے دو باتیں بہت ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ جب بھی پولیس کو کوئی شہری اپنی شکایت جو اس کے ساتھ ظلم ہوا ہے کی رپورٹ تحریری طور پر یا زبانی متعلقہ پولیس کو دیتا ہے تو متعلقہ تھانے کو فوری طور پر بلا لحاظ غریب و امیر اس سائل کی رپورٹ فوری طور پر درج کرنی چاہیئے اور اس معاملے میں کبھی بھی کسی صورت میں یہ شکایت نہیں آنی چاہیئے کہ پولیس نے مقدمہ درج کرنے سے انکار کیا کیونکہ یہ قانون پہلے سے موجود ہے کہ جھوٹی رپورٹ دینے والے کے خلاف خود بھی مقدمہ بن سکتا ہے اور سچی رپورٹ ہونے کی صورت میں ملزم یا ملزمان کے خلاف تفتیش کرنا، انکو گرفتار کرنا اور ان کا چالان عدالت میں پیش کرنا پہلے سے انتظامیہ اور پولیس کی بہت بھاری ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا نہ کرنے والے متعلقہ آفیسر کے خلاف کوئی سزا مقرر ہونی چاہیئے جو کہ نوکری سے علیحدگی کے علاوہ ۲ سال تک مقرر جانی چاہیئے یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اعلیٰ عدالتوں میں ۳۰٪ فوجداری ریلیف پولیس افسران کے خلاف ایسی ہی شکایات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ متعلق ہوتی ہیں۔ ایسا کرنے سے نہ صرف اعلیٰ عدالتوں کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ بلکہ عوام کو پریشانی کے علاوہ بھاری اخراجات بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

اسی طرح بعض پولیس افسران کو دیکھا گیا ہے کہ جب بھی ان کے پاس چوری یا ڈاکے کی اطلاع آتی ہے تو وہ بغیر پرچہ درج کئے فوری طور پر تفتیش کرنا پسند کرتے ہیں اور پھر مدعی کو سچا ثابت ہونے پر بھی پرچہ درج نہیں کرتے۔ ان کے دل میں یہ شک ہوتا ہے کہ ان کے اعلیٰ افسران ان سے ناراض ہوں گے کہ فلاں تھانہ میں کیوں اتنی چوریاں اور ڈاکے پڑتے ہیں یہ خیال حقیقت پر مبنی نہ ہے کیونکہ اگر کسی خاص علاقے میں چوریاں یا ڈاکے زیادہ وقوع پذیر ہوتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ متعلقہ تھانے کے افسران نے چوریاں یا ڈاکے خود کروائے ہیں بلکہ زیادہ مقدمات درج ہونے کی صورت میں متعلقہ ایس ایچ او صاحب کو اپنے بڑے افسران سے زیادہ نفری طلب کرنی چاہیئے اور افسران بھی مزید پولیس مہیا کرنے میں

Marfat.com

گریز نہ کریں کیونکہ یہ مسئلہ لوگوں کی جان و مال کے تحفظ کا ہے جس کو روکنا انتظامیہ کا اولین فرض ہے۔

اس کے علاوہ دیکھا گیا ہے کہ ہر تھانہ میں ایک شکایت یہ ہوتی ہے کہ ان کے پاس پولیس ملازمان کی نفری کم ہے اور علاقے بڑے بڑے ہیں جس کی وجہ سے وہ چند جگہوں کے سوا جیسے چوراہے اور پٹرول پمپ یا دیگر اہم جگہوں کے علاوہ گشت کے لئے پولیس کو تعینات نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر تھانہ کے علاقہ کے لحاظ سے پولیس کی تعداد بڑھائی جاوے اور ہر گلی کوچہ میں باوردی اور بغیر وردی میں پولیس کا گشت ہونا چاہیئے تاکہ لوگوں کے جان و مال کی حفاظت ہو سکے۔

اسی طرح بہت سے جرائم کا تعلق ماہرین کی رپورٹوں سے متعلق ہوتا ہے جس کے لئے حکومت کو فوری طور پر خاطر خواہ لیبارٹریوں کا انتظام کرنا چاہیئے اور ہسپتالوں میں بھی پولیس کے مقدمات کے لئے سپیشل ڈاکٹر صاحبان کو تعینات کرنے چاہیئے تاکہ میڈیکل رپورٹیں فوری طور پر متعلقہ پولیس کو مل جائیں۔ اسی طرح تجزیہ کرنے والی لیبارٹری اپنی رپورٹیں فوری طور پر متعلقہ پولیس کو بھیجیں اور اس سلسلے میں متعلقہ پولیس سے پورا پورا تعاون کریں تاکہ پولیس اپنی تفتیش جلد مکمل کر کے متعلقہ عدالتوں میں مقدمات پیش کر سکے۔ تاکہ مقدمات کی سماعت کر کے فوری طور پر لوگوں کی دادرسی کی جا سکے اور ظالم کو اس کے ظلم کا بدلہ ملے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اس وقت پولیس کے بیشمار محکمے بنائے گئے ہیں اور ان کے مختلف نام رکھے گئے ہیں جس کا عوام کو بہت کم علم ہے اس لئے اُن محکموں کو کم کر کے زیادہ سے زیادہ ۲ یا ۳ محکمے پولیس کے بنائیں جائیں اور ان کا ہر شہری کو علم ہونا چاہیئے اور ان کی وردیاں بھی مختلف ہونی چاہئیں۔ اسکے علاوہ جب کوئی بیرونی ملک کا صدر، وزیر اعظم یا دیگر بڑے بڑے لوگ پاکستان میں داخل ہونے ہیں اور اسی طرح پاکستان کا صدر، گورنر، وزیر اعظم یا وزراء اعلیٰ یا دیگر شخصیتوں کو اندرون ملک ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا پڑتا ہے یا ان کے دورے ہوتے ہیں یا انہیں بیرون ملک جانا پڑتا ہے تو متعلقہ تھانوں کی پولیس متعلقہ جگہ پر اور راستوں پر تعینات ہو جاتی ہے اور اکثر اوقات ان ڈیوٹیوں میں سارا سارا دن ضائع ہو جاتا ہے اور متعلقہ تھانوں کے تمام امور دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور چوروں اور ڈاکوؤں کو بھی اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ متعلقہ تھانوں کی پولیس کو چھوڑ کر ریزرو پولیس جو کہ ہیڈ کوارٹرز میں فارغ ہوتی ہے اور سیکورٹی کے عملے سے اور اگر اس سے بھی حفاظتی انتظامات زیادہ ہوں تو کچھ فوج

Marfat.com

بلاکر یہ کام سرانجام دینا چاہیئے اور تھانوں کی پولیس کو اپنے روزمرہ کے کام اپنی گشت، مقدمات کی تفتیش اور دیگر امور سرانجام دیتے رہنا چاہیئے تاکہ وہ لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کا فریضہ جو ان کو سونپا گیا ہے اس کو بجا لاتے رہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ان تجاویز پر عمل کرنے سے انتظامیہ شہریوں کی جان و مال کا تحفظ کرنے میں کامیاب ہوگی اور عوام بھی ملزموں کی نشاندہی کرنے میں پولیس کے ساتھ تعاون کریں گے۔

(۳) حکومت کا تیسرا عنصر جو امن و امان قائم رکھنے میں پیش پیش ہے وہ عدلیہ ہے جو نہ صرف لوگوں کے خاندانی جھگڑوں، پاگلوں، نابالغوں اور یتیموں کے حقوق کا تحفظ کراتی ہے بلکہ شہریوں کو آپس کے معاملات و معاہداتِ لین دین کے جھگڑوں اور ظلم و ستم، چوری، ڈاکے قتل اور دیگر جرائم کے ملزموں کو سزا دے کر لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کرتی ہے۔ یہی وہ محکمہ ہے جس کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ ہر شخص کو انصاف ملے گا یہ ہے بھی حقیقت کہ اگر ملکی عدالتوں سے پاکستان کے شہریوں کو جلد اور صحیح انصاف ملے تو آدھے سے زیادہ جرائم ختم ہو جائیں گے۔ مقدمات کے تصفیہ میں جو دیر لگتی ہے وہ کئی قباحتوں کا باعث بنتی ہے۔ اس کتاب میں ایک دوسری جگہ نظام عدل کے عنوان میں یہ تجویز پہلے ہی دی جا چکی ہے کہ تمام جج صاحبان اور مجسٹریٹ صاحبان اور دیگر عدالتی افسران کی تعداد از ابتدائی عدالتوں تا عدالت ہائے سپریم کورٹ آف پاکستان کی تعداد دُگنی کر دی جائے اور کسی مقدمہ میں ۱۵ دن سے زیادہ تاریخ نہ دی جائے اور پھر جس قسم کے مقدمات کا تصفیہ جلد کرنا مقصود ہو اس قانون میں ترمیم کر کے ایک یا دو مہینوں کا وقت مقرر کر دینا چاہیئے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ تمام عدالتوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ہر ضلع میں ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے۔ سول عدالتوں کے لئے سول کورٹس کمپلکس اور فوجداری عدالتوں کے لیے کریمنل کورٹس کمپلکس تعمیر کر کے شہریوں کے لئے آسانی پیدا کی جائے تاکہ وہ آسانی سے متعلقہ عدالتوں میں پہنچ سکیں اور ان کو اپنے وکلا کو دور دراز علاقوں میں لے جانے کے لئے زیادہ اخراجات بھی برداشت نہ کرنے پڑیں اس کے علاوہ عدالتی افسران کے دوروں کا سلسلہ تقریباً ختم کر دیا جائے اور جہاں جہاں عدالتیں مقرر ہیں وہاں اُنکو مستقل کیا جائے کیونکہ دوروں سے ایک بیچینی بڑھتی ہے اور پورا عملہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک

Marfat.com

مخصوص سفر کر کے جاتا ہے اور پھر واپس بھی آنا ہوتا ہے۔ اس لئے کچھ وقت آنے جانے میں صرف ہو جاتا ہے اور جو باقی بچتا ہے اس وقت میں بھی تھکاوٹ کی وجہ سے کسی مقدمے کا صحیح اور بروقت فیصلہ نہیں ہو سکتا کسی مقدمے کی خواہ کتنی ہی اہمیت ہو اور اس کا فیصلہ جلد ہی کیوں نہ کرنا ہو پھر بھی دوروں کے مطابق اس کی پیشیاں رکھنی پڑتی ہیں اور لوگوں کو بھی خاص انتظام کر کے دوروں کے مقام پر ہمراہ وکلا صاحبان پہنچنا پڑتا ہے۔ اس سے بھی عدالتی انصاف میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں حکومت کو چھوٹے اضلاع اور تحصیلوں میں عدالتی افسران اور عملے کے لئے تنخواہ میں یا الاؤنس میں کمی نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ بلکہ بڑے شہروں کی نسبت چھوٹے اضلاع میں عدالتی افسروں اور ان کے عملے کو زیادہ سہولتیں تنخواہ اور الاؤنس ملنے چاہیں۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ چھوٹے اضلاع میں روزمرہ استعمال کی اشیا زیادہ مہنگی ہیں اور رہائش کے لئے بھی خصوصی انتظامات کرنے پڑتے ہیں اور بعض افسران کے بیوی بچے کسی دوسری جگہ پر سیٹل ہوتے ہیں اور ان کو ہفتہ میں ایک یا دو بار گھر جانا پڑتا ہے جس سے سفر کی تکلیفوں کے علاوہ سفری اخراجات بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ ایسا کرنے سے سب افسران کی شکایت دور ہو گی اور وہ دلجمعی سے اپنے فرائض منصبی ادا کر سکیں گے۔ اس طرح لوگوں کو مقدمات کے صحیح اور جلد تصفیہ ہونے سے عدالتی تحفظ حاصل ہو گا اور ان کے جان و مال کی مکمل حفاظت ہو گی۔ مجھے امید ہے کہ مندرجہ بالا تجاویز پر عمل کر کے پاکستانی شہریوں کو مالی و جانی تحفظ فراہم کیا جا سکے گا اور اسطرح ملک میں نہ صرف امن قائم ہو گا بلکہ لوگ خوش و مطمئن ہونگے اور حکومت سے بھی پورا تعاون کریں گے۔

Marfat.com

باب نمبر ۱۴

اسلامی قوانین کا نفاذ

موجودہ حالات

اسلامی قوانین یا شریعت کا قانون پاکستان بننے کے بعد نافذ ہونا شروع ہو گیا تھا۔ سب سے پہلے جائیدادوں میں اسلامی قوانین کے مطابق لڑکیوں، لڑکوں، بہنوں، بھائیوں، ماں، باپ، ہوگان اور دیگر رشتے داروں کے حصے شریعت کے مطابق ملنے شروع ہو گئے اور پھر حکومت کی طرف سے ۱۹۶۲ء میں شریعت ایکٹ نافذ کیا گیا اور اس میں مزید وضاحت کر دی گئی اور اسی طرح ۱۹۷۱ء میں بھی شریعت ایکٹ نافذ کیا گیا اور حیین حیات جائیدادوں کو خواہ وہ کلیم کے عوض زمین ملی ہو یا پاکستان میں خاوند کے مرنے کے بعد بیوہ کے نام زمین لگی ہو۔ اس کی وضاحت کر دی گئی کہ بیوہ صرف ۱/۸ حصہ کی مالک رہے گی اور باقی جائیداد خاوند کے وارثوں کو یعنی بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کو مطابق قانون دی جائے گی یہ حیین حیات کا عمل اس وقت شروع ہوا تھا جب کسٹم لاز ۱۸۷۲ء کا نفاذ کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اگر کوئی مسلم شخص اپنی بیوہ کے سوا کوئی اولاد باقی نہیں چھوڑتا تو بیوہ تا عمر اپنے خاوند کی چھوڑی ہوئی جائیداد کا منافع حاصل کرتی رہے گی اور اس کی دوسری شادی یا وفات کے بعد اس کے خاوند کی جائیداد خاوند کے وارثوں میں تقسیم کر دی جائے گی ایک بات جو بڑی تکلیف دہ یہ تھی کہ سنی فقہ کے مطابق اگر کوئی ماں باپ اپنے باپ کی موجودگی میں اپنی اولاد چھوڑ کر مر جائے اور اس کے دیگر بہن بھائی بھی ہوں تو مرحوم کے باپ کی موت کے بعد یعنی دادا کی وراثت ان یتیم پوتوں اور پوتیوں کو جو اُن کے باپ کا حصہ بنتا ہے ہرگز نہ ملتا تھا بلکہ یتیموں کے باپ کے بہن بھائیوں کو اور دیگر حصہ داران کو مل جاتا تھا۔ اس قانون کو بڑا ظلم سمجھا جاتا تھا مگر سنی عقیدہ کے مطابق یہ درست ہے۔ اگرچہ شیعہ لاء میں ایسا نہیں کیونکہ وراثت کے متعلق ان کی شریعت سنی عقیدہ سے مختلف ہے۔ اس رواج کو ختم کرنے کیلئے جب ۱۹۶۱ء میں مسلم فیملی لاز آرڈی ننس ۱۹۶۱ء میں نافذ کیا گیا تو اس میں بذریعہ دفعہ ۴ یہ قرار دیا گیا کہ دادا یا دادی کی جائیداد اسی حساب سے تقسیم ہو گی جس حساب سے ان کی اولاد میں سے بچے زندہ ہوں۔ اسی طرح یتیم پوتوں اور پوتیوں کو بھی دادا کی جائیداد

Marfat.com

سے حق مل گیا۔ اب جہاں تک جائیداد کے وارثوں کا تعلق ہے وہ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق وراثت میں سے انہیں ملتی ہے۔ اسی طرح وقف، جائیدادیں، ہبہ، وصیت اور دیگر اسلامی قوانین نافذ ہیں اس لئے ان کے متعلق کوئی تجویز دینا مناسب نہ ہے۔ اس کے علاوہ جو خاندانی جھگڑے یعنی میاں بیوی کے اختلافات کا مسئلہ ہے اس کے متعلق اسی مسلم فیملی لاز آرڈی ننس ۱۹۶۱ء میں بعض ایسے قوانین بنا دیئے گئے ہیں جو اسلامی فقہ سے متصادم ہیں خاص طور پر دفعہ ۷ کے تحت بیوی کو طلاق دینے سے متعلق اور اس کے طلاق دینے کے بعد پھر دوسرا نکاح کرنے کے لئے ۹۰ دن سے پہلے دوبارہ اپنی زوجیت میں لینے کا مسئلہ ہے اور دفعہ ۸ کے مطابق طلاق تفویض کا حق جو عورت کو دیا گیا ہے وہ قابلِ غور ہے۔ اسی طرح خاوند کو اسلامی فقہ کے مطابق اور قرآن مجید کی رو سے ۴ بیویاں کرنے کا حق ہے اور اس کے لئے نہ تو پہلی بیوی سے اجازت کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی حاکم سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہے اس لئے یہ قانون بھی اسلامی فقہ سے متصادم ہے۔ حکومت نے دستورِ پاکستان کی دفعہ ۲۰۳ میں مختلف ترامیم کر کے یہ بات لکھ دی تھی کہ جو قانون بھی فقہ اسلامیہ سے مخالف یا متصادم ہوگا اعلیٰ عدالتیں اس کو غیر اسلامی قرار دے سکتی ہیں اور حکومت بھی فوری طور پر عدالت کے فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے متعلقہ قانون میں ترامیم کرے گی اور اگر حکومت ایسا نہ کر سکی تو عدالت نے جو تاریخ اپنے فیصلہ میں برائے ترمیم دی ہوگی۔ اس کے بعد وہ قانون جس کو اسلامی قرار دیا گیا ہے نافذ العمل ہو جائیگا۔ مگر یہ بڑے کمال کی بات ہے کہ بہت سے قوانین کے متعلق شرعی عدالتوں نے کئی فیصلے دیئے اور ان کو غیر اسلامی قرار دیا مگر حکومت نے فراخدلی کا ثبوت نہیں دیا اور نہ ہی اسمبلی میں مجوزہ قوانین میں ترمیم کا بل پاس کیا گیا اور یہ مسئلہ جب سے موجودہ حکومت آئی ہے سوائے بحث و مباحثہ کے ان قوانین جن کو شریعت بنچوں نے اسلامی یا غیر اسلامی قرار دیا ہے نافذ کرنے کا بل پاس نہیں کر سکی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی اکثریت والی جماعت اسمبلی میں نہ ہے اس لئے ممبران قومی یا صوبائی اسمبلی کے اختلافِ رائے کی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکا یا پھر موجودہ حکومت نہیں چاہتی کہ اسلامی قوانین نافذ العمل ہوں۔

اس کے علاوہ تعزیرات سے متعلق کئی قسم کے آرڈی ننس جاری کئے گئے اور ان کو حدود آرڈی ننس ۱۹۷۹ء کے نام دیئے گئے اور اس کے قواعد و ضوابط اور دفعات، عدالتوں کا طریقہ کار اور دیگر قوانین نافذ کئے گئے تاکہ کڑی سزاؤں سے چوری، ڈاکے، زنا، غیر فطری جرائم، نشہ آور

Marfat.com

چیزوں کا استعمال جیسے جرائم کا قلع قمع ہو سکے حالانکہ یہ قوانین نافذ العمل ہیں مگر ان کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا کیونکہ ان قوانین میں اتنی پیچیدگیاں پیدا کر دی گئی ہیں کہ ملزمان سزا پاتے پاتے بچ جاتے ہیں اور بہت سے بے گناہ ان جرائم میں سزا پا جاتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قوانین جو حدود سے متعلق ہیں اس وقت نافذ کئے گئے جب عوامی نمائندے اسمبلیوں میں نہ تھے اور چند ماہرین نے جو تجاویز پیش کیں اُن پر عمل کر کے قوانین نافذ کر دیئے گئے۔

ان قوانین میں سب سے پہلے قانون جرائم خلافِ جائیداد حدود آرڈیننس نمبر ۶ آف ۱۹۷۹ء ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ دو طرح کی سزائیں دی جائیں گی۔ ایک حد اور دوسری تعزیرات یہ چوروں کے لئے مقرر کی گئی ہیں اور ساتھ ہی دو الفاظ کا اضافہ کر دیا گیا۔ ایک حرز اور دوسرا نصاب۔ نصاب کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ حد کی سزا چور کو اس وقت ملیگی جب جائیداد مالک کے قبضہ سے چوری ہوا اور جائیداد کی مالیت تقریباً ۴½ گرام سونا یا اس کے برابر قیمت کی ہو۔ اس کے مطابق آج کل ہم ایک ہزار روپیہ مالیت لگا سکتے ہیں اور اسی طرح ۸ وجوہات بتا دی گئیں کہ ان میں سے کوئی بات ثابت ہونے یا کرنے سے ملزم حد کی سزا سے بچ سکتا ہے حد کی سزا ہاتھ کا کاٹنا قرار پایا گیا ہے اور تعزیر کی سزا جو تعزیرات پاکستان میں مقرر ہے وہ مقرر کی گئی ہے۔ اس میں بڑی عجیب بات یہ ہے کہ فصلات یا باغات اور دیگر اشیاء جو کھلے عام پڑی ہوں تو اُن کی چوری پر حد کی سزا نہیں دی جا سکتی ہے اور اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی تین لاکھ روپے کی کار باہر کھڑی کر کے، تالہ لگا کر کسی دوکان میں سودا لینے کے لئے جائے اور کار بعد میں چوری ہو جائے تو اس جرم پر بھی حد نہیں لگ سکتی یہی وہ باتیں ہیں جس وجہ سے آج تک ہر طرح کی چوریاں ہونے کے باوجود چوروں کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے اور نہ ہی ان پر حدود لگتی ہے کیونکہ ان کے بچ نکلنے کے بہت سے راستے چھوڑے گئے ہیں۔

دوسرا حدود آرڈیننس بابت زنا آرڈیننس نمبر ۷ آف ۱۹۷۹ء ہے جس کے متعلق دفعہ ۵ میں سزا حد مقرر ہے اور دفعہ ۱۰ میں اگر مطلوبہ شہادت جو حد کے لئے ضروری ہے نہ مل سکے تو پھر بھی سزا دی جاتی ہے جو ۱۰ سال قید اور ۳۰ کوڑے مقرر ہے۔ اور اگر زنا بالجبر ہو تو پھر سزا ۴ سال سے کم نہیں ہو سکتی اور ۲۵ سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور ۳۰ کوڑے لگنے ہوں گے اسی طرح دفعہ ۱۱ کے تحت اغواء کی سزا عمر قید اور تیس کوڑے اور دفعہ ۱۲ کی سزا جو کہ غیر فطری فعل ہے ۲۵ سال سزا مقرر ہے اور ۳۰ کوڑے۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جن ملزمان

Marfat.com

کا مقدمہ حدود کے دائرے میں آتا ہے ان کو توحد کی سزا دی جائے گی مگر جن ملزمان کا مقدمہ حدود کے دائرے میں نہیں آتا تو پھر ان کو بھی سزا دی جاتی ہے ان سب حدود آرڈی ننسوں میں کئی ایسے نقائص ہیں جو ناقابلِ فہم ہیں۔ کیونکہ جب ایک شخص کا مقدمہ حدود کے دائرے میں نہیں آتا تو پھر اس کو تعزیرات پاکستان کے تحت ہی درج کرنا چاہیئے اور اس کے مطابق ہی سزا دینی چاہیئے۔ اسی طرح جب سیشن عدالتیں عام عدالتیں ہونے کی صورت میں حدود کے مقدمات سنتی ہیں تو پھر فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ شریعت بنچ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ ان باتوں سے سوائے پیچیدگیوں کے کچھ نہیں ملتا۔ اس لئے میری رائے ہے کہ جو نقائص اسلامی قوانین اور حدود کے قوانین میں ہیں ان کو دور کر کے ان میں ترمیم کی جاوے اور عدالتِ عالیہ اور سپریم کورٹ میں ان مقدمات کی اپیلیں عام مقدمات کی طرح سماعت ہونی چاہئیں۔ اس کے لئے حسبِ ذیل تجاویز درج ہیں۔

(۱) حدود آرڈی ننس نمبر ۶ آف ۱۹۷۹ء (جرائم بخلاف جائیداد (مال) میں ترمیم کر کے اس بات کی شرط ختم کرنی چاہیئے کہ جو چوری ہوئی ہو وہ ضروری ہے کہ مکان کے اندر سے ہوئی ہو یا مسروقہ اشیاء پر نگران مقرر ہو۔ اسی طرح زرعی پیداوار کی چوری ہے کیونکہ اسی طرح سب ہی چور کسی نہ کسی طریقے سے حدود سے بچ جاتے ہیں اور وہ منشاِ قانون جو چوروں اور رہزنوں کو سزا دینے کا تھا پورا نہیں ہوتا صرف نصاب یعنی مالیتِ جائیداد اگر نصاب کے مطابق یا نصاب سے زیادہ ہو تو ملزموں کو ضرور سزا ملنی چاہیئے۔

(۲) جن جرائم کی سزا حدود میں نہیں آتی اور مطلوبہ گواہ نہیں ملتے جیسے دفعہ ۱۰ اور ۱۱ حدود زنا آرڈی ننس کا مسئلہ ہے۔ ان دفعات کے تحت اس وقت ایک گواہ کے بیان پر یا لغویہ کے بیان پر ہی عبرتناک سزا دی جاتی ہے جو کہ کسی صورت بھی مناسب نہ ہے۔ ایسے مقدمات جن میں پولیس کو مطلوبہ شہادت میسر نہ ہو تو وہ صرف تعزیرات پاکستان کے تحت مقدمات درج کر کے عام فوجداری عدالتوں کو بھیجے جائیں تاکہ وہاں سماعت کر کے ملزموں کو سزا یابی کیا جا سکے۔

(۳) کوڑے کی جو وضاحت کی گئی ہے وہ ایسی ہے کہ ۱۰ کوڑے لگنے سے بھی ملزم کا کچھ نہیں بگڑتا اور اب کوڑا ایک مذاق سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کے لگانے کا طریقہ بھی عجیب ہے۔ اس کے لئے حدود کیسوں میں اگر کوڑے لگنے ضروری ہیں تو پھر کوڑے کی وضاحت

Marfat.com

ایسی کی جائے کہ ملزم کے لئے اسے لگنے سے عبرت کا باعث ہو اور اس سلسلہ میں ضروری ترامیم کر لینی چاہیئے۔

(۴) جہاں تک حدود کے مقدمات کی سماعت کا تعلق ہے ان کے لئے وہی ضابطہ فوجداری اور کچہری اور رولز بنائے گئے ہیں اور وہی سیشن اور ایڈیشنل سیشن جج صاحبان سماعت کرتے ہیں جو دیگر مقدمات اور اپیلیں سنتے ہیں۔ اس لئے ان کیسوں کی اپیلیں بھی عدالت عالیہ میں آنی چاہیئے اور وہاں پر عام قانون کے تحت وہی جج صاحبان جو ہائی کورٹ میں کام کرتے ہیں ان کی سماعت کریں۔ اگر کسی فریق کو عدالتِ عالیہ کے فیصلہ سے اتفاق نہ ہو تو وہ سپریم کورٹ جو عام مقدمات کی سماعت کرتے ہیں ان کیسوں کی بھی سماعت کر سکیں۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ عدالت عالیہ اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے جج صاحبان پہلے بھی قتل جیسے جرائم کے مقدمات کی سماعت کرتے ہیں جن کی سزا حدود کے جرائم سے کسی صورت بھی کم نہیں۔ اس لئے فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ شریعت بنچ کے علیحدہ قیام کا کوئی فائدہ نہ ہے جبکہ مختلف جگہ دوروں کی وجہ سے کام کرنا پڑتا ہے اور عام عدالتوں سے مختلف طریقہ کار ہونے کی وجہ سے انصاف میں مشکلات آتی ہیں۔ سائیلان اور گورنمنٹ کے اخراجات بھی بڑھ جاتے ہیں۔ اس سے وقت کے علاوہ مالی نقصان بھی ہوتا ہے اور وکلاء صاحبان کے لئے بھی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

(۵) مسلم فیملی لاز آرڈیننس ۱۹۶۱ء کے مطابق جو غیر اسلامی دفعات شامل کی گئی ہیں ان کو فوری طور پر حذف کیا جاوے اور اسلامی روایات اور فقہ کے مطابق اس میں ترامیم کرنی چاہئیں تاکہ اسلام سے متصادم کوئی قانون خاندانی معاملات میں حائل نہ ہو۔

(۶) جہاں تک دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء میں اس بات کی ترمیم کی گئی ہے کہ وہ قوانین جو اسلامی فقہ کے خلاف ہوں ان کو عدالت غیر اسلامی قرار دے گی اور حکومت کو بھی فوری طور پر وہی قانون نافذ کرنا چاہیئے اس سلسلہ میں یہ دیکھا گیا ہے کہ حکومت کے اپنے مفادات سامنے آجاتے ہیں جو فیصلہ شدہ اسلامی قانون کے نفاذ میں حائل ہوتے ہیں اس لئے یہ بات اعلیٰ عدالتوں پر چھوڑ دینی چاہیئے کہ جو قانون اسلامی قرار دیا جاوے اس کے لئے حکومت کو سفارش کرنے کی ضرورت نہ ہے اور فیصلہ کے دن سے ہی اس فیصلہ کے مطابق فیصلہ شدہ اسلامی قانون نافذ العمل سمجھا جائے۔ اس سلسلہ

Marfat.com

میں اعلیٰ عدالتوں سے بھی استدعا ہے کہ فیصلہ پر عمل درآمد کی تاریخ کے علاوہ پہلے قانون کے تحت فیصلہ شدہ مقدمات اور زیر سماعت مقدمات کے بارے میں بھی ہر طرح کی وضاحت بھی اسی فیصلہ میں کر دینی چاہیے تاکہ بعد میں اس فیصلہ پر عمل درآمد میں رکاوٹیں اور پیچیدگیاں پیدا نہ ہوں۔

(۷) اسی طرح ملک میں جو سودی کاروبار زوروں پر ہے اسلام نے اس کو سختی سے منع فرمایا ہے۔ لیکن سود کی وضاحت غلط کر کے اور نفع و نقصان کا نام دیکر اسے حلال قرار دے دیا گیا ہے اور بینکوں کے تمام کھاتہ داروں کو ترغیب دی گئی ہے کہ نفع و نقصان کے اکاونٹ کھلے ہیں اس کام نے برائیوں کو تو ضرور جنم دیا ہے مگر سود کا مسئلہ جوں کا توں رہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی عیاں ہے کہ کھاتہ دار سے اگر یہ پوچھا جائے کہ اس کا نفع و نقصان اس کھاتہ میں جمع شدہ روپیہ کون سی فیکٹری کارخانے یا کاروباری ادارے پر لگایا گیا ہے جہاں سے اسے ہر سال نفع دیا جاتا ہے تو ایک بھی کھاتہ دار جواب دینے کے قابل نہیں یا اگر یہ پوچھا جائے کہ جب سے نفع و نقصان کے کھاتوں میں روپیہ جمع کرانا شروع کیا ہے کتنی بار کتنا نقصان ہوا۔ اس کا جواب بھی نفی میں ہوگا اور ہر کھاتہ دار کہے گا کہ اس کو ہر حال میں ہر سال آٹھ سے بارہ فی صد تک منافع ہی منافع ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اب وہ کاروبار جس میں نقصان کا کبھی خطرہ ہی نہ ہو بلکہ ایک مخصوص منافع آتا ہو اور وہ بھی جمع شدہ روپے کے حساب سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ منافع نہیں بلکہ سود ہے جس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ نفع و نقصان کے کھاتہ داروں کو ذاتی طور پر یا گروپوں کی صورت میں ہر سال اطلاع دینی چاہیئے کہ متعلقہ بینک نے ان کا سرمایہ کس فیکٹری۔ کارخانہ ملز، جائیداد یا دیگر ادارے میں لگایا ہے اور کھاتہ داروں کو جس طرح کہ لمیٹڈ کمپنی میں حصہ داران کو نفع نقصان کی اطلاع دی جاتی ہے۔ اسی طرح بینکرز بھی اپنے نفع نقصان کے کھاتہ داروں کو اپنے پاس سے نہیں بلکہ متعلقہ ادارے جہاں ان کا روپیہ لگا ہے وہاں سے حساب کتاب کی صورت میں باقاعدہ اطلاع دی جاوے کہ انہیں اتنا نفع یا نقصان ہوا ہے۔

(۸) اس کے علاوہ حکومت کی بہت سی قرضے کی سکیمیں ہیں جیسے ۳ سالہ قرضہ جس پر

Marfat.com

۱۴٪ تک سود دیا جاتا ہے اور اس وقت تک بھی چل رہی ہے۔ اس کے علاوہ نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ، نیشنل ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ، نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ اور اسی طرح دیگر کئی سکیمیں ہیں جن میں طے شدہ منافع یعنی سود دیا جاتا ہے اس کے علاوہ جو بھی بینکوں کی طرف سے دعویٰ جات دائر کئے جاتے ہیں ان میں اصل رقم کے علاوہ سود بھی شامل ہوتا ہے اور تا فیصلہ مقدمہ اور وصولی ڈگری تک کا سود مانگا جاتا ہے اور لیا جاتا ہے۔ ان حالات میں یہ کہنا مشکل ہے کہ اسلامی قانون نافذ کر دیا گیا ہے۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ اگر یہ سودی کاروبار ماہرین کی رائے میں ختم کرنا مشکل ہے تو پھر یہ تمام لوگوں کو بیوقوف بنانے کے طریقے ختم کر کے صاف صاف کہہ دیا جائے کہ بغیر سود کے نظامِ حکومت نہیں چل سکتا۔ اور بوجہ مجبوری سود کا سلسلہ چلتا رہے گا اور اقتصادی مسائل کی وجہ سے سود عوام کے لئے حلال ہے۔ مگر یہ بات ناممکن ہے کیونکہ اسلام میں سود کا کاروبار ختم کرنا ضروری ہے خواہ اس کے لئے جنگ ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اس لئے میری رائے میں بینکوں کے صرف کرنٹ اکاؤنٹ کے کھاتے ہونے چاہئیں جن پر بینک کھاتہ داروں کو سود دینے کی بجائے اپنے اخراجات وصول کریں اور اگر بینک نے کسی جائیداد یا صنعت لگانے کے لئے قرضہ دینا ہے تو اس میں مقررہ منافع وصول کرنے کی بجائے اس جائیداد یا صنعت میں بطور حصہ دار روپیہ لگائے۔ اس میں اگر کوئی کھاتہ دار بھی شامل ہونا چاہیئے تو وہ بھی اپنے روپیہ کی نوعیت کے مطابق حصہ دار بن سکتا ہے اور نفع نقصان میں برابر کا بینک کو اور کھاتہ داروں کو اور صنعت کاروں یا اداروں کو جہاں روپیہ لگایا گیا ہے بحساب نفع نقصان میں شریک ہونا چاہیئے اس طرح سے سود کی لعنت ختم ہو سکتی اور اسلامی قوانین کا نفاذ احسن طریقے سے ہو سکے گا۔

(۹) اسی طرح جو قوانین برائے وصولی زکوٰۃ نافذ کئے گئے ہیں۔ ان میں بے شمار نقائص پائے جاتے ہیں اور وہ مکمل طور پر اسلامی قوانین سے ہم آہنگ نہ ہیں۔ ان ناقص قوانین کے نافذ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بہت سے سُنی حضرات نے اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کر کے نفع و نقصان کے اپنے کھاتوں میں بیان حلفی داخل کر رکھے ہیں تاکہ ان سے زکوٰۃ نہ کاٹی جائے۔ اس سے بہت سے حنفی فقہ کے لوگ اہل تشیع میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس طرح ان کی موت کے بعد ایک دستاویزی ثبوت ان کی اولاد کے سامنے

Marfat.com

پیش کیا جاسکتا ہے کہ وہ شیعہ ہیں اور ان کے آباؤ اجداد بھی شیعہ تھے۔ تو اس سے نہ صرف سود خوری بڑھتی ہے بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی لوگ بچ جاتے ہیں اور غیر ارادی طور پر اپنا عقیدہ بھی تبدیل کر لیتے ہیں۔

آخر میں مجھے قوی اُمید ہے کہ مندرجہ بالا تجاویز کی روشنی میں اسلامی قوانین کا نفاذ فوری طور پر عمل میں لایا جائے گا تاکہ اسلامی معاشرہ اور پاکستانی عوام اسلامی قوانین کے نفاذ سے مطمئن اور مستفید ہوں گے۔

(۱۰) اب جناب صدر صاحب پاکستان نے تمام اسمبلیوں کو توڑ کر عوامی حکومت ختم کر دی ہے اور اسلامی آرڈیننس جاری کر دیا گیا ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی قانون اسلامی فقہ سے مختلف ہے تو عدالت عالیہ میں ایک مخصوص بنچ کے پاس جا سکتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ کوئی نئی بات نہیں تقریباً تقریباً یہ قانون پہلے سے ہی نافذ العمل ہے البتہ اس میں چند مشکلات کی وجہ سے عمل نہیں ہو رہا تھا۔ خدا کرے کہ اب ان مشکلات اور قانونی رکاوٹوں کو دور کر کے اسلامی قوانین کا نفاذ فوری طور پر عمل میں آئے مگر اسلامی قانون کا نفاذ معاشرہ کے ہر شعبہ میں ہونا چاہیئے

آمین

Marfat.com

باب نمبر ۱۵

سرکاری محکمے اور اُن کا کردار

موجودہ حالات

اس وقت حکومت کے تقریباً سو محکمے اور ذیلی ادارے، بورڈ اور کارپوریشنیں قائم ہیں ان محکموں میں کچھ ایسے محکمے ہیں جنکا تعلق ملکی دفاع اور انتظامیہ سے ہے۔ ان اداروں پر حکومت کے اخراجات تو ہوتے ہیں مگر اُن سے آمدنی کچھ نہیں ہوتی۔ جس طرح افواجِ پاکستان، ہر طرح کی پولیس ایجنسیاں اور اسی نوعیت کے انتظامی امور پر قائم محکمے اور ادارے شامل ہیں۔ دوسری قسم ان محکموں اور اداروں کی ہے جن کا تعلق براہ راست عوام سے ہے اور ان سے عوام فائدہ حاصل کرتے ہیں اور اپنی زندگی کے مسائل ان کے ذریعے حل کرواتے ہیں جیسے عدالتی نظام۔ محکمہ ڈاک و تار، ریلوے، ٹرانسپورٹ ایئر لائنز، ٹیلی ویژن و ریڈیو، محکمہ انہار، واپڈا، معدنیات اور دیگر اسی طرح کے ادارے شامل ہیں۔ جن کا تعلق عوام سے براہ راست ہے اور عوام ان سے مفاد حاصل کرتے ہیں اور ان کو اپنے مفاد کے عوض کچھ اخراجات بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ یہ ادارے بھی حکومت کی سرپرستی میں چلتے ہیں اور حکومت کے ہی ادارے ہوتے ہیں مگر ان کے اخراجات عوام کو ہی برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ تیسری قسم ان محکموں کی ہے جو عوام کی فلاح و بہبود اور ان کی ذہنی و جسمانی بقاء کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ جیسے محکمہ صحت، محکمہ تعلیم، محکمہ تعمیرات وغیرہ ہیں۔ ان محکموں کے ذمے مختلف ہسپتال اور عوامی صحت کے مراکز قائم کرنا اور چلانا، یونیورسٹیاں اور تعلیمی ادارے قائم کرنا اور چلانا، مختلف شاہراہیں، سڑکیں، پل اور راستے تعمیر کرنا شامل ہیں۔ تاکہ عوام کی صحت، تعلیم اور آمدورفت کی سہولتیں عوام کو میسر ہوں اور وہ فلاح و بہبود پائیں۔ ان محکموں پر بھی حکومت کے بیشمار اخراجات ہوتے ہیں۔ اور آمدنی برائے نام ہوتی ہے۔ چوتھی قسم کے وہ ادارے یا محکمے ہیں جو خود مختار اداروں کی صورت میں کام کرتے ہیں جن میں بہت سی کارپوریشنیں، بورڈ اور دیگر ادارے شامل ہیں جو عوام کو روزمرہ زندگی کی سہولتیں فراہم کرتے ہیں اور عوام سے ان کا معاوضہ وصول کرتے ہیں۔ ان اداروں سے

Marfat.com

حکومت کو انہیں چلانے کے لئے نہ صرف ان کے اخراجات وصول ہوتے ہیں بلکہ یہ ادارے نفع بخش بھی ہیں۔ پانچویں قسم کے وہ محکمے ہیں جن کا کام عوام سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ٹیکس وصول کرنا ہے تاکہ حکومت کے اخراجات پورے ہوتے رہیں جیسے محکمہ انکم ٹیکس، محکمہ ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن، محکمہ کسٹم، محکمہ خزانہ و محکمہ مال شامل ہیں۔

یہ ادارے عوام سے کسی نہ کسی طریقے سے اپنے اپنے قانون کے مطابق ٹیکس وصول کرتے ہیں جس سے حکومت کے دیگر ادارے چلتے ہیں جن سے آمدنی نہیں ہوتی اور دفاعی اخراجات پورے کرنے کے لئے رقوم اکٹھی ہوتی ہیں۔

چھٹی قسم کے وہ لوکل ادارے ہیں جن کی سرپرستی بھی کسی نہ کسی طریقے سے حکومت کرتی ہے اور ایک اعلیٰ افسر حکومت میں سے ہر ادارہ کا نگران مقرر ہوتا ہے جیسے میونسپل کارپوریشن، میونسپل کمیٹیاں، ٹاؤن کمیٹیاں، لوکل کونسلیں اور ڈسٹرکٹ بورڈ جیسے محکمے قائم ہیں۔ یہ محکمے اپنے اخراجات پورے کرنے کیلئے مقامی طور پر ٹیکس لگا کر اپنے اخراجات پورے کرتے ہیں اور اس بات کا وعدہ کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کو مقامی طور پر صحت و صفائی، بنیادی تعلیم، سٹریٹ لائٹس، مذبح خانے، مویشی منڈیاں، شہر و قصبوں کی سڑکوں سے گندگی اٹھانا پبلک لیٹرینیں قائم کرنا، مردہ جانوروں کو اٹھوا کر ٹھکانے لگانا، ڈسپنسریاں اور زچہ و بچہ کے مراکز قائم کرنا اور اسی طرح کی دوسری بنیادی سہولتیں شہروں اور قصبوں اور بڑے بڑے دیہات کو فراہم کرنا ان کے فرائض میں شامل ہے اس کے علاوہ کچھ ایسے محکمے ہیں جن کا کام ملکی تاریخ و ثقافت اور مذہبی امور کے مسائل کو حل کرنا ہے اور قائم رکھنا ہے جیسے محکمہ آثارِ قدیمہ، محکمہ اوقاف، محکمہ ثقافت وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ محکمہ اوقاف میں بھی اب دو قسم کے محکمے ہو گئے ہیں ایک مسلم اوقاف دوسرا ہندو اوقاف مسلم اوقاف کے ذمے وقف جائیدادوں، مذہبی تعلیم کے بڑے بڑے اداروں بڑی بڑی مسجدوں بڑی بڑی خانقاہوں کی دیکھ بھال کرنا اور مذہبی تعلیم اور دیگر امور کی انجام دہی شامل ہے۔ اس محکمے کے پاس بڑی بڑی خانقاہوں پر چڑھاوے کی صورت میں یا وقف جائیدادوں کے کرایہ کی صورت میں بڑی بڑی رقوم جمع ہو جاتی ہیں۔ دوسرا محکمہ ہندو اوقاف ہے جس کے ذمے ہندو وقف جائیدادوں اور عبادتی مراکز کی دیکھ بھال کرنا شامل ہے۔ کیونکہ ہندو تارکین وطن زیادہ تر پاکستان وجود میں آنے کے بعد ہندوستان چلے گئے اس محکمہ کو بھی وقف جائیدادوں جن میں مکانات، دوکانات اور زرعی زمینیں شامل ہیں سے کثیر آمدنی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ محکمہ سیر و سیاحت بھی قائم ہے جس کا مقصد پاکستانی شہریوں کو تفریحی سہولتیں مہیا کرنا اور اسی طرح غیر ملکی سیاحوں

Marfat.com

لوسفری سہولتیں مہیا کرنا تاکہ وہ تاریخی مقامات اور ملکی تفریح گاہوں سے لطف اندوز ہو سکیں اور ان کے لئے قیام وطعام کا انتظام کرنے کے لئے ہوٹلوں وغیرہ کا انتظام کرنا شامل ہے۔ اس محکمے کو بھی اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے کافی آمدنی ہو جاتی ہے۔ بلکہ غیر ملکی لوگوں سے زرمبادلہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح حکومت پاکستان نے ایسی ٹریڈ کارپوریشنیں اور محکمے بنا رکھے ہیں جو اندرونی اور بیرونی تجارت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جیسے پاکستان ٹریڈنگ کارپوریشن، پاکستان رائس اینڈ کاٹن ایکسپورٹ کارپوریشن جو پاکستان سے چاول، روئی وغیرہ برآمد کر کے خاطر خواہ زرمبادلہ کماتی ہیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ محکمے اپنے فرائض منصبی ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور عوام کو اپنے قاعدے اور قانون کے مطابق سہولتیں فراہم کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو سوائے چند محکموں کے باقی محکمے اپنے قواعد وضوابط کی پابندی بھی نہیں کرتے اور جو قاعدے قانون محکمہ قائم ہونے کے وقت بنا دیئے جاتے ہیں خواہ وہ غلط ہوں یا صحیح اور خواہ عوامی شکایات کتنی ہی کیوں نہ آتی ہوں اپنی جگہ قائم رہتے ہیں اور ان کا ازالہ نہیں کیا جاتا۔ ان محکموں کے سربراہ اور دیگر ذمہ دار افسران کے متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ان کا وجود ہی نہ ہے حالانکہ وہ بڑے ذہین اور سمجھ دار ہوتے ہیں اور اکثر پی۔ بی۔ ایس اور سی ایس ایس جیسے مقابلے کے امتحان پاس کر کے ملازمتوں پر فائز ہوتے ہیں اور اتنی خاموشی سے اپنی ملازمتیں پوری کر کے ریٹائرڈ ہو جاتے ہیں کہ سوائے ان کے محکمے کے عملہ اور سوائے ان لوگوں کے جن کا ان سے واسطہ پڑا ہو عوام ان کے نام تک نہیں جانتے یہ افسران اپنے دل میں بے شمار اپنے محکمے کی فلاح و بہبود کے لئے تجاویز برائے ترقی وتبدیلیاں لئے ریٹائرڈ ہو جاتے ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار بھی نہیں کرتے اور نہ ہی ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ صرف ماتحت عملہ کی رپورٹوں پر یقین کرتے ہیں اور اپنے دستخط کرنا یا دیگر محکموں کے ساتھ مل کر بڑی بڑی میٹنگیں اٹنڈ کرنے کو اپنے فرائض کا حصہ سمجھتے ہیں۔ بہت سے محکموں کے سربراہوں کو اپنی ریٹائرمنٹ تک سوائے لقمے دیکھنے کے حقیقتاً اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ ان کا علاقہ کہاں تک ہے اور ان کے ذیلی دفتر کہاں کہاں ہیں اور وہاں کے لوگوں کو کیا کیا تکالیف ہیں اور نہ ہی انہوں نے کبھی اپنے تمام علاقے کو رضاکارانہ یا خفیہ طور پر دورے کر کے دیکھا ہوتا ہے کہ ان کے محکمے یا ان کے عملے سے عوام کو کیا کیا تکالیف وشکایتیں ہیں اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شکایت ان کے پاس پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کے ازالہ کے لئے

Marfat.com

انکوائری بھی کرواتے ہیں مگر جب عوام کو ان کے نام یا کام کا ہی علم نہیں تو وہ اُن سے رابطہ کیسے قائم کریں۔ اس جمہوری دور میں جس کا عمل پاکستان میں موجودہ حکومت نے شروع کیا ہے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ عوام کی شکایت سُنی جاتی ہیں اور ان کا ازالہ کرنے کی کوششیں کی جاتیں ہیں۔ اس وقت اس امر کا تقاضا ہے کہ پاکستان کے چند اہم محکموں کی خامیوں کو دور کرنے کی نشان دہی کی جائے اور محکموں کو عوام کو مزید سہولتیں اور قانونی مراعات دینے کا ذریعہ بنایا جائے جس کے لیے چند تجاویز حسب ذیل ہیں۔

تجاویز

(۱) سب سے پہلی تجویز یہ ہے کہ تمام محکموں کے سربراہ اپنے اپنے محکموں میں اچھی طرح دلچسپی لیں اور اس طرح ان کی نگرانی کریں کہ جب بھی اس محکمے میں کوئی اچھا کام کیا گیا ہو یا نفع کمایا گیا ہو یا اس میں نقصان ہوا ہو یا اس محکمے کے خلاف عوام کی بے شمار شکایات ہوں یا اس محکمے میں کوئی غبن ہوا ہو یا جعل سازی یا دھوکہ دہی کا بڑا واقعہ ہوا ہو تو اس محکمے کا سربراہ خود عوام کے سامنے ٹیلیویژن کے ذریعے یا ریڈیو اور اخبار کے ذریعے ایسے موقعوں پر جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے خود وضاحت کریں کہ اس کے محکمے نے کیا کیا ہے اور وہ حالات کیا ہیں جن کی وجہ سے نقصان ہوا ہے یا غبن ہوا ہے یا کوئی اور بڑا واقعہ ہوا ہے اور اگر کوئی بہت بڑا فائدے کا کام اس محکمے نے کیا ہے یا اسے کافی نفع ہوا ہے تو وہ خود وضاحت کریں کہ ان کے اور ان کے عملے کی وہ کیا کیا کوششیں تھیں کہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا گیا ہے یا اتنا بڑا فائدہ ہوا ہے اور کون کون سے افسران یا عملہ اس کارنامے کا باعث بنے ہیں یا یہ کہ آئندہ اس برائی کو روکنے کے لئے جو وقوع پذیر ہوئی ہے کیا کیا تدابیر کی گئی ہیں اور اگر نفع ہوا ہے تو آئندہ عوام کو کیا سہولتیں مہیا کی جائیں گی اور آسائشیں فراہم کی جائیں گی۔

ایسا کرنے سے دو طرح کے فائدے حاصل ہونگے۔ ایک تو عوام کو اس محکمے کی کارکردگی کا پتہ چلے گا اور دوسرے اس اعلیٰ افسر کی ذہانت، کارکردگی اور اس کے نام سے واقفیت حاصل ہوگی اور عوام آئندہ بھی اپنے مسائل اس تک پہنچا سکیں گے۔ یہ تجویز اس لئے پیش کی گئی ہے کہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی اہم واقعہ رونما ہوتا ہے

Marfat.com

تو پولیس کی رپورٹ اخبارات کی زینت بنتی ہے یا کسی وزیر کا بیان اس بارے میں یا کسی عوامی نمائندے کا بیان کسی اسمبلی میں زیرِ بحث آتا ہے مگر اس محکمے کے سربراہ کا جس کو ذہین اور لائق سمجھتے ہوئے مقرر کیا گیا ہوتا ہے اس واقع کی بابت کوئی وضاحتی یا تعریفی بیان نہیں آتا حالانکہ تمام حالات کا وہ زیادہ واقف ہوتا ہے اور آئندہ بھی اُسی نے اصلاحات کرنی ہوتی ہیں۔

(۲) دوسری بات اہم جو دیکھنے میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ محکموں کے سربراہ اپنے کمروں میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور نچلے عملے کی رپورٹوں یا تجاویز کو زیرِ غور لاتے ہوئے فیصلے کرتے ہیں مگر خود نہ تو اپنے ادارے یا محکمے کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں اور نہ ہی ان کو اس کا علم ہوتا ہے کہ ان کے چھوٹے چھوٹے دفاتر اور ان کے محکمے کا دائرہ عمل کہاں تک ہے اور کیا حقیقتاً موقع پر وہ کام ہو بھی رہا ہے یا نہیں جس کا کاغذات میں ذکر ہے۔ اس کے لئے تجویز یہ ہے کہ وہ ہر ماہ کم از کم دو دن اس کام کے لئے وقف کریں اور خود جیسے بھی حالات ہوں بذریعہ سواری یا دیگر طریقے سے اپنے ادارے یا محکمے کے تمام چھوٹے چھوٹے یونٹوں یا دفاتر کا خود اپنی آنکھوں سے جا کر معائنہ کریں۔ اور اگر کوئی پڑتال درکار ہو تو وہ بھی اپنی نگرانی میں کرائیں۔ اس طرح سال میں تقریباً ایک مہینہ اپنے اصل دفتر کو چھوڑ کر اپنے محکمے کے دائرۂ اختیار تک خود پہنچیں اور جائزہ لے کر جیسے ضرورت ہو اصلاحات و ہدایات جاری کریں۔ اس سے ماتحت عملے کو خوف بھی رہے گا اور ان میں خود اعتمادی بھی پیدا ہو گی اور محکمانہ کام دیانتداری سے انجام پائیں گے اور عوامی شکایات بھی دور ہوں گی۔

(۳) تیسری بات جو بڑی اہم ہے وہ یہ ہے کہ سوائے چند محکموں کے جیسے کارپوریشنیں، ریلوے یا چند دوسرے محکمے جہاں عوامی شکایات کیلئے دفتر قائم ہیں دیگر تمام محکموں میں انکوائری آفس تو شاید قائم ہوں مگر عوامی شکایات سننے کے لئے بظاہر کوئی دفتر قائم نہیں کیا جاتا اس کے لئے ضروری ہے کہ محکمے کے ہر دفتر کے باہر ایک عوامی شکایات کے لئے دفتر قائم کیا جائے اور عوام کی شکایات کو تحریری طور پر وصول کر کے باقاعدہ رجسٹر میں درج کر کے نمبر شکائت کا جو بھی مناسب ہو فیصلہ کیا جاوے۔ اس سے عوام اور محکموں کا رابطہ قائم رہے گا اور افسرانِ بالا کو بھی پتہ چلتا رہے گا انکا سٹاف یا محکمہ کس حد تک

Marfat.com

اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے اور عوام کو کس حد تک سہولتیں حاصل ہیں اور عوام کو کیا کیا شکایتیں ہیں۔

(۴) چوتھی بات جو بڑی اہم ہے یہ ہے کہ بعض محکموں نے درخواستیں وصول کرنے کے لئے کچھ فارم مقرر کر رکھے ہیں جیسے یونیورسٹیوں کے لئے داخلہ فارم، شناختی کارڈوں اور پاسپورٹوں کے لئے فارم اور اسی طرح دیگر محکموں میں درخواستوں کی وصولی کے لئے فارم مقرر ہیں جن پر حکم ہوتا ہے کہ اس کی تصدیق فلاں فلاں افسر سے کروائی جائے۔ اس کے لئے تجویز دینے سے قبل ایک مثال دینا مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ کہ ایک پرائیویٹ امیدوار نے B.A کا داخلہ یونیورسٹی بھیجنا تھا اور داخلہ فارم کی تصدیق کسی گزٹڈ افسر سے کروانی لازمی تھی۔ وہ طالبعلم اتفاق کی بات ہے کہ پرائیویٹ طور پر تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ سب سے پہلے وہ عدالتوں میں مجسٹریٹوں کے پاس گیا جنہوں نے فارم تصدیق کرنے سے اس لئے انکار کر دیا کہ وہ عدالتی کام کرتے ہیں۔ پھر وہ طالبعلم گورنمنٹ کالج لاہور، اورینٹل کالج لاہور اور ہیلی کالج کے پرنسپلوں کے پاس گیا اور داخلہ فارم پر تصدیق کے لئے استدعا کی مگر سب نے کہا کہ وہ اپنے کالجوں کے ریگولر اور فیل شدہ طالبعلموں کے فارم تصدیق کرتے ہیں اور وہ انکا طالبعلم نہ رہا ہے۔ پھر وہ طالبعلم ہائی سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کے پاس گیا اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہ صرف اپنے سکولوں کے موجودہ یا سابق طالبعلموں کے فارم تصدیق کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس طالبعلم نے وائس چانسلر سے ملاقات کا وقت لے کر ملاقات کی اور اس سے اپنی تمام مشکلات بیان کیں اور استدعا کی کہ وہ خود یا کسی دیگر افسر سے اس کا فارم تصدیق کروا دے مگر وائس چانسلر نے یہ جواب دیا کہ یہ اُن کے اپنے قواعد و ضوابط ہیں اور وہ خود ہی اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد وہ طالبعلم تنگ آ کر ایک اُوتھ کمشنر کے پاس گیا اور اس سے اپنا فارم تصدیق کروا کر بھیج دیا تاکہ وقت پر فارم داخل ہو جائے اور اگر کوئی اعتراض ہوا تو بعد میں تصدیق کروا دے گا۔ مگر عملے کی کارکردگی کا یہ حال ہے کہ انہوں نے مہر تو لگی دیکھی مگر یہ نہ دیکھا کہ اُوتھ کمشنر کو یہ تصدیق کرنے کا اختیار ہے یا نہیں۔ اسی طرح آج کل شناختی کارڈوں یا پاسپورٹوں کی اجراء کا مسئلہ ہے جن کے لئے فارموں پر تصدیق ضروری ہے اور اسی طرح کے بیشمار دیگر محکمے اور تعلیمی ادارے ہیں۔

Marfat.com

اس کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ ایسے محکمے جن کے فارموں کی تصدیق کسی گزٹڈ افسر سے ہونا ضروری ہو وہ اپنے ہی محکمے کے ایک اعلیٰ افسر کو اس طرح کے اختیارات دے اور اس کی صرف یہی ڈیوٹی ہو کہ ہر درخواست یا فارم دہندہ کا فارم چیک کرے اور جس طرح کی تسلی مطلوب ہو تو دیکھے۔ اگر پولیس یا دیگر محکمے سے کوئی تصدیق کروانی ہو تو اپنے طور پر فارم بھیج کر کروائے اور سائل کے دستخطوں اور دیگر امور کی تصدیق جس کی اس فارم پر ضرورت ہو خود کرے۔ اس سے لوگوں کی پریشانی دور ہو گی اور تصدیق کا مسئلہ جو کہ پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ ایک بات یاد رہے کہ دیہاتی لوگ اسی لئے شناختی کارڈ نہیں بنواتے کہ ان کے فارموں کی تصدیق کرنے والا اُن کو نہیں ملتا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو محکمہ جس چیز کی تصدیق چاہتا ہے اُس تصدیق کا خود انتظام کرے اور اپنا ایک افسر اسی کام کے لئے مقرر کرے اس طرح کرنے سے لوگوں کی تصدیق کروانے کی مشکل حل ہو گی اور محکمہ کی تسلی کے مطابق بھی ہو جائیگی۔

(۵) پانچویں بات یہ ہے کہ مختلف محکمہ جات جب سے بنے ہیں ان کے قواعد وضوابط بھی اُسی وقت سے یا کچھ عرصہ بعد بن گئے تھے اور بعض محکمے تو تقریباً سو سو سال سے قائم ہیں اور کچھ پاکستان بننے کے فوری بعد قائم کئے گئے اور یہ سب انہی پرانے قواعد وضوابط کے تحت کام کر رہے ہیں اور لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ وقت کے تقاضے اور ضرورتیں بدلتی رہتی ہیں اُس کے ساتھ ساتھ انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں بھی تبدیلی آنی ضروری ہے کیونکہ قواعد وضوابط اور قانون انسانی فلاح اور انسانی ضرورتوں کے لئے بنائے جاتے ہیں اگر وہ ضرورتیں پوری نہ کر سکیں تو ان کو وقتی ضرورتوں کے مطابق ڈھالنا ضروری ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو عوام شکایات کرتے ہیں اور بعض اوقات باغیانہ روّیہ بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کے لئے تجویز یہ ہے کہ ہر محکمہ یا ادارہ اپنے بائی لاز اور قواعد وضوابط کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتا رہے اور اس میں وقتی ضرورتوں کے مطابق تبدیلی لاتا رہے اور جو تبدیلیاں لائی جائیں ان کی ابلاغ عامہ کے ذریعے بار بار تشہیر کر کے انہیں عوام تک پہنچایا جائے تاکہ وہ نئی تبدیلیوں سے واقف ہوتے رہیں۔ اگرچہ تمام محکموں کے لئے فرداً فرداً ان کی خامیوں اور اچھائیوں کی نشاندہی کرنا یا ان کی اِصلاح کے لئے تجاویز پیش کرنا بہت مشکل کام ہے مگر

Marfat.com

پھر بھی چند اہم محکموں کے لئے کچھ تجاویز حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ تعلیمی ادارے تعلیمی اداروں میں یونیورسٹیاں وہ ادارے ہیں جو مختلف مضمونوں اور پیشہ وارانہ امتحانات لیتی ہیں۔ ان کا مقصد تعلیمی معیار کو برقرار رکھنا ہوتا ہے جس کے لئے وہ اپنے ماہرین تعلیم سے پرچے سیٹ کرواتی ہیں اور پھر امتحانات لینے کے بعد متعلقہ ماہرین کے پاس نمبر مارکنگ کے لئے بھیجے جاتے ہیں اور پرچے چیک ہو کر واپس آنے پر نتیجہ تیار کر کے شائع کیا جاتا ہے اس کام کے لئے بعجب امتحان ختم ہو جائیں تو ایک مہینہ ہی کافی ہوتا ہے کیونکہ عام طور پر ۱۵ دنوں میں پیپر مارکنگ کے بعد یونیورسٹی میں آجاتے ہیں مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض اوقات ۴ سے ۶ ماہ تک نتیجہ نکالنے میں لگ جاتے ہیں۔ اس طرح طالب علموں کا بہت زیادہ وقت ضائع ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں میری تجویز یہ ہے کہ ہر یونیورسٹی کو بے شک اپنے عملے کو بڑھانا پڑے ہر امتحان کی تاریخ خاتمہ سے ۲ ماہ کے اندر اندر نتیجہ تیار کر کے نکالنا چاہیئے اور اگر کوئی خاص وجہ بن جائے تو متعلقہ برانچ کی انکوائری کر کے ان کے خلاف کارروائی کی جاوے اور متعلقہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر اس بارے میں اپنا وضاحتی بیان جاری کرے اور ۱۵ دن کا مزید وقت دیکر ۲½ ماہ کے اندر نتیجہ خواہ کسی قسم کا امتحان ہو نکالا جائے۔ اس سے طالبعلموں کا قیمتی وقت بھی بچے گا اور بدخوانیوں، میل ملاپ اور دیگر ناجائز حربوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۲۔ سپلائی بجلی بجلی کی سپلائی محکمہ واپڈا کے ذمے ہے جو کہ ایک آزاد ادارہ ہے جس کا سربراہ ایک چیئرمین ہوتا ہے اس ادارے کا کام بجلی کی پیداوار بڑھانا اور آگے قیمت کے عوض اپنے گاہکوں کو سپلائی کرنا ہے۔ یہ کام باقاعدہ ایک معاہدے کے تحت ہوتا ہے سب سے پہلے حکومت اور واپڈا میں مالک اور پٹہ دار کا معاہدہ ہوتا ہے جس میں گورنمنٹ بجلی کی کچھ قیمت مقرر کرتی ہے بلک سپلائی کی صورت میں واپڈا کو دیتی ہے اور واپڈا نے آگے عوام میں تقسیم کرنے کے لئے اپنے بے شمار گاہک بنا رکھے ہیں۔ واپڈا اور گاہکوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے اور ایک خاص مقررہ قیمت جو فی یونٹ کے حساب سے ہوتی ہے گاہکوں سے وصول کی جاتی ہے۔ اب واپڈا نے اسی بجلی کو قیمت کے لحاظ سے ۴ حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے جس میں کمرشل، ڈومیسٹک (گھریلو) انڈسٹریل اور زرعی ٹیوب ویلوں کے لئے اور یہ طریقہ اپنایا ہے کہ جتنی کوئی زیادہ بجلی صرف کرنے والا ہے اتنی ہی اس سے

Marfat.com

زیادہ قیمت وصول کی جاتی ہے۔ مگر زرعی ٹیوب ویلوں کے لئے خاص رعایت رکھی گئی ہے۔ اب سب سے اہم بات یہ ہے کہ جو لوگ دوکان کے لئے یا اپنے دفتر کے لئے خواہ اس کی چھوٹی سی دوکان ہو یا ایک کمرے کا دفتر ہو اس کے لئے کمرشل ریٹس لگائے جاتے ہیں اور کمرشل ریٹس تقریباً گھریلو ریٹس سے دوگنا ہوتے ہیں اور اس پر تقریباً ۱۰ فیصد ایندھن سرچارج لگایا جاتا ہے دنیا میں ہر کاروبار کا یہ اصول رہا ہے کہ جو گاہک جتنا کسی چیز کا بڑا خریدار ہوتا ہے اس کے ساتھ اتنی ہی زیادہ رعایت کی جاتی ہے لیکن اس محکمے کا یہ اصول نرالا ہے کہ جتنا کوئی ان کا بڑا گاہک ہوگا اتنا ہی اس پر قیمت کے لحاظ سے ظلم کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تمام شہری بنیادی حقوق کے لحاظ سے ایک ہی قوم کے فرد ہیں اور پاکستانی شہری ہیں اور ایک جیسے سلوک کا حق دار ہیں۔ دوسرا ایک اور طریقہ جو واپڈا نے اپنایا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے تو وہ کوئی بل بروقت ادا نہ ہونے پر اگلے بل میں معہ جرمانہ جمع کرواتے تھے اور اس پر نوٹس لکھ دیتے تھے اور اگر صارفین وقت پر بل پر درج شدہ نوٹس کا بل جمع نہ کرواتے تو کنکشن کاٹنے کے احکامات صادر کر دیئے جاتے تھے مگر اب کسی ایک ماہ کا بل وقت پر جمع نہ کروانے پر بغیر کسی اطلاع کے میٹر کنکشن کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں عین ممکن ہے کہ پہلا بل تقسیم کنندگان کے ہاتھوں بھجوائے جاتے ہیں جو کہ کوئی ذمہ دار افسر نہیں ہوتے اور کسی ڈائری پر کسی گاہک کے دستخط نہیں لئے جاتے اور بلا اطلاع سپلائی کنکشن کاٹ دیا جاتا ہے اور پھر دوبارہ کنکشن لگوانا ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ ان تمام مسائل کو حل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز دی جاتی ہیں۔

(i) گھریلو صارفین اور کمرشل صارفین سے جو بجلی کے بل مختلف ریٹوں میں وصول کئے جاتے ہیں ان کا ایک ہی ریٹ ہونا چاہیئے کیونکہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کمرشل سپلائی میں کیا فرق ہے؟ اور کیا محکمہ کو کمرشل سپلائی پر خاص اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں یا کوئی خاص ڈیوٹی ادا کرنا پڑتی ہے۔ اس لئے ان دونوں فرقوں کو ختم کر کے گھریلو صارفین اور کمرشل صارفین کو ایک ہی ریٹ پر بجلی سپلائی کرنی چاہیئے۔

(ii) جو سرچارج، ایندھن سرچارج کے نام سے تقریباً ۱۶٪ زائد از بل وصول کیا جاتا ہے وہ ناقابل جواز ہے اور سراسر زیادتی اور ظلم ہے اس لئے اسے بھی فوری طور پر ختم کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

(iii) محکمے کو بجلی کے بل تقسیم کرنے کے لیے کسی ذمہ دار افسر کو مقرر کرنا چاہیئے اور صارفین کو بل تقسیم کرتے وقت ان کے یا ان کے ذمہ دار آدمی یا گھر اور دفتر میں سے کسی کلرک کے یا جو آدمی ڈاک وصول کرنے کے لئے مقرر ہے اُس کے دستخط لئے جائیں اور دوسرے بل تک انتظار کیا جائے اور دوسرے بل پر باقاعدہ نوٹس پہلے کی طرح درج کیا جاوے۔ اس طرح اگر دوسرا بل بھی گاہک وقت پر ادا نہ کرے تو پھر واپڈا کو بجلی کی سپلائی منقطع کرنے کا اختیار ہے اس طرح صارفین اور محکمے میں اچھی فضا پیدا ہوگی اور ایک دوسرے سے تعاون بڑھے گا کیونکہ وہی صارفین محکمہ کی کمائی کا ذریعہ بھی ہیں۔

(۱۷) یہ بات عام دیکھنے میں آئی ہے کہ جب کسی صارف کی سپلائی لائین میں جو کھمبے سے لے کر میٹر تک ہوئی ہے اور اس کی درستگی بھی محکمہ کے ذمے ہے اور صارف پرائیویٹ طور پر اسے درست بھی نہیں کروا سکتا تو جب اس لائن میں کوئی نقص پڑ جائے اور گاہک کی سپلائی بند ہو جائے تو وہ بار بار شکائتیں درج کرواتا ہے مگر بہانے یہ ہوتے ہیں کہ سیڑھی نہیں ہے اور تار نہیں ہے اور یہ کہ ٹرک ابھی واپس نہ آیا ہے جس پر چڑھ کر ٹھیک کرنا ہے۔ اس طرح نہ صرف کئی کئی گھنٹے بلکہ کئی کئی دن نقص دور کرنے سپلائی بحال کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ یہ بات مناسب نہیں ہے کیونکہ حکومت سے بجلی کی سپلائی کا ٹھیکہ (پٹہ) لیتے وقت محکمہ نے لکھ کر دیا ہوتا ہے کہ صارفین کی کوئی شکائیت بجلی کی سپلائی کے متعلق نہیں آئے گی اس طرح محکمہ کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے گاہکوں کی تکلیف اور شکائیت کو فوری طور پر رفع کرے۔

(۷) پانچویں بات جو واپڈا سے متعلق اہم ہے وہ نئے کنکشن کا حصول ہے پہلے جب کوئی درخواست برائے حصول نیا کنکشن جاتی تھی تو پول سے لے کر میٹر تک معہ میٹر تمام اخراجات محکمہ خود برداشت کرتا تھا اور معمولی سیکورٹی ہوتی تھی۔ مگر اب بلاوجہ تمام اخراجات بابت تار میٹر اور دیگر چیزوں کی قیمت پول سے لے کر میٹر تک معہ ۲۶٪ لیبر چارجز کے طور پر وصول کئے جاتے ہیں۔ جب کہ پہلے صرف سیکورٹی لی جاتی تھی اور ٹیسٹ رپورٹ طلب کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ نیا کنکشن لینا نیا کنواں کھود کر اس کا پانی پینے کے برابر ہو گیا ہے اور جب تک کوئی سفارش یا گاڑی میں پٹرول نہ ڈالے نیا میٹر نہیں لگتا۔ یہ سب باتیں صارفین کو تنگ کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں حالانکہ واپڈا ایکٹ کے

Marfat.com

مطابق صارفین کا نام سائل نہیں رکھا گیا جو کسی قسم کا سوال کر کے کوئی چیز حاصل کرتا ہے بلکہ صارف کا نام کنزیومر رکھا گیا ہے جیسے عرف عام میں گاہک کہا جاتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ دوکاندار اور گاہک کے تعلقات اچھے ہونے چاہئیں کیونکہ اس نے پیسے دے کر چیز لینی ہے اور دوکاندار کو بھی دیانتداری، اصول پرستی اور گاہک کی ہر طرح سے سہولت کا خیال رکھنا چاہیئے۔ یہاں تو مسئلہ عام دوکاندار اور گاہک سے مختلف ہے کیونکہ یہاں ایک دفعہ بجلی کی سپلائی مل جانے کے بعد گاہک ایسا مستقل گاہک بنتا ہے کہ سال ہا سال تک بلکہ بعض اوقات تو پچاس پچاس سال تک گاہک بنا رہتا ہے اور ہر ماہ بجلی کی قیمت ادا کرتا ہے تو پھر ایسے گاہک سے محکمہ کو بھی اچھا برتاؤ کرنا چاہیئے اور مندرجہ بالا تجاویز پر عمل کر کے صارفینِ بجلی کی شکایات دور کرنا چاہیئے اور ان سے اچھے تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔

Marfat.com

محکمہ جنگلات و محکمہ زراعت

یہ دو محکمے بظاہر علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں مگر محکمہ جنگلات کا کام سرکاری جنگلات کو لگانا، پرورش کرنا ان کی دیکھ بھال کر کے پروان چڑھانا ہوتا ہے۔ ان جنگلات میں کچھ مصنوعی جنگلات ہیں اور کچھ قدرتی جنگلات ہیں ان سب کی نگہداشت محکمہ جنگلات کے ذمے ہے۔ شاہراہوں، سڑکوں کے کنارے، نہروں اور دیگر پارکوں میں بھی درخت لگا کر جنگلات کا ماحول پیدا کیا جاتا ہے۔ محکمہ زراعت کا تعلق زیادہ تر زرعی پیداوار سے متعلق ہے جس میں زرعی اجناس کے علاوہ پھلدار درخت بھی شامل ہیں۔ اس کام کے لئے حکومت کی طرف زرعی یونیورسٹیوں زرعی بینک اور دیگر ادارے تیار کئے گئے ہیں تاکہ زرعی پیداوار میں اضافہ ہو۔ اس لئے محکمہ زراعت کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں، صوبوں اور اضلاع کا جائزہ لیتے رہیں اور نئی نئی زمینوں کو آباد کرتے رہیں اور اس کے لئے دوسرے محکمے سے جو سیم و تھور کو ختم کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں تعاون کر کے زرعی پیداوار کے لئے نمونے لے کر ثابت کریں کہ کس طرح اور کون کون سی فصلیں اور پھل دار پودے کون کون سی زمین میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑے صوبہ بلوچستان کی طرف خصوصی توجہ کرنی چاہیئے۔ وہاں کی بنجر زمینوں کو آباد کرنے میں دوسرے محکموں سے تعاون کرنا چاہیئے اور مختلف زرعی اجناس، مختلف پھلوں کے درخت، سبزیاں اور دیگر پیداوار بڑھانی چاہیئے تاکہ ملکی ضرورتیں پوری ہو سکیں اور اس سلسلہ میں محکمہ جنگلات سے تعاون کر کے پیداوار مذکورہ بالا کو بڑھانا چاہیئے۔ جہاں تک محکمہ جنگلات کی کارکردگی کا تعلق ہے، اس کو سو سالہ روایات کو چھوڑ کر نئے حالات کے مطابق درخت لگانے چاہئیں اور ایسے درخت لگانے چاہئیں جو ملک کے لئے اور قوم کے لئے مفید ہوں۔ کیونکہ آج کل سب کاموں کے لئے لکڑی ہی استعمال نہیں ہوتی بلکہ پلاسٹک کی بنی ہوئی اشیاء اور لوہے کی بنی ہوئی چیزیں عمارتوں میں بھی استعمال ہونے لگی ہیں۔ اس کے علاوہ چپ بورڈ، ہارڈ بورڈ، فارمیکا اور دیگر اشیاء جو لکڑی سے تیار نہیں ہوتیں مگر ان کا فرنیچر میں استعمال عام ہو گیا ہے۔ اس سے

Marfat.com

ظاہر ہے کہ محکمہ جنگلات کو اب شیشم کے درختوں، کیکر کے درختوں اور دیگر غیر ملکی درختوں کو زیادہ تر لگانا اور پرورش کرنا بند کر دینا چاہیئے اور جنگلات کی زمینوں، سڑکوں کے کناروں نہروں کے کناروں اور پہاڑی علاقوں جہاں خود رو درخت پیدا ہوتے ہیں ان جگہوں پر زمین کی صلاحیت، علاقے اور موسم کے لحاظ سے سارے ملک میں پھلوں کے درخت زیادہ سے زیادہ لگا کر پھلوں کی پیداوار کو اس قدر بڑھایا جاوے کہ نہ صرف ملک پھلوں کی پیداوار میں خود کفیل ہو سکے بلکہ پھلوں کو برآمد بھی کر سکے اور زیادہ سے زیادہ زرمبادلہ کمایا جا سکے۔

اس کے ضروری ہے کہ سڑکوں اور نہروں کے کناروں اور بڑے بڑے علاقوں میں زمینوں میں صلاحیت اور موسموں کے لحاظ سے پھلدار درخت جیسے آم، جامن، بادام، اخروٹ، شہتوت ناشپاتی، ناریل، کھجور اور کینو وغیرہ وغیرہ کے درخت لگا کر پھلوں کی پیداوار بڑھائی جاوے اس سے نہ صرف پھلوں کی پیداوار بڑھے گی بلکہ سفر اور سیر و سیاحت پُر رونق، پُر فضا اور خوشگوار ہو جائیں گے۔ اس طرح پارکوں میں بھی زیادہ سے زیادہ پھلدار درخت علاقے اور موسم کے مطابق لگائے جائیں جو پارکوں کے حسن کو دوبالا کریں گے۔ ایسا کرنے سے محکمہ جنگلات اور محکمہ زراعت کو کوئی خصوصی اخراجات بھی برداشت نہیں کرنے پڑیں گے۔ بلکہ اس کام کے لئے ان کے پاس پہلے سے ہی کافی عملہ جو غیر پھلدار درختوں کو لگانے اور دیکھ بھال کرنے اور پالنے پر مصروف اور موجود ہے وہی یہ کام سرانجام دے گا اور اس کے برعکس پھلوں کی آمدنی کروڑوں روپے ہو سکتی ہے اور پھلدار درخت کی لکڑی بھی بڑی کارآمد ہوتی ہے اور کافی مہنگی بکتی ہے۔ جیسے آم، شہتوت اخروٹ اور دیگر پھلدار درختوں کی لکڑی شامل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عوامی باغات اور عوامی شاہراہوں اور راستوں پر پھل دار درخت لگانے سے فسادات اور قتل و غارت زیادہ ہو گی کیونکہ سفر کرنے والے اور باغوں میں سیر کرنے والے پھل توڑا کریں گے جو فسادات کا باعث بنے گا پہلے تو یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ لوگ پھل چوری کریں گے کیونکہ اگر باغ سے پھول توڑنا منع ہے تو پھل توڑنا اس سے زیادہ جرم ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کو احساس دلایا جائے گا کہ پھل دار درخت باغوں کی زینت ہیں اور موسم کے لحاظ سے وہ پھل باغوں اور راستوں پر جگہ جگہ ضرورت کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اگر معمولی قسم کی پھلوں کی چوری بھی ہو جائے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ علاقہ کی حدود کے مطابق پھلوں کا نیلام ہو جاتا ہے اور خرید

Marfat.com

کنندگان خود پھلوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اگر ہمیں واقعی پھلوں کی پیداوار بڑھا کر پھلوں کی کمی کو پورا کرنا ہے اور لفظ باغ کو حقیقی رنگ دیکر باغوں کو واقعی پھلدار باغات بنانا ہے اور سیر گاہوں کو خوشگوار اور پُر لطف و پُر مزا بنانا ہے تو ان تجاویز پر عمل کرنے سے اصل مقصد پورا ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ زراعت کی تعلیم کو عام کرنا چاہیئے اور ملک میں مزید یونیورسٹیاں اور ادارے قائم کر کے زرعی تعلیم کو اس حد تک پھیلایا جائے کہ کوئی جدید زرعی ٹیکنالوجی پوشیدہ نہ رہے تاکہ سارے ملک میں زرعی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہو اور ملک زرعی اجناس میں اور پھلوں کی پیداوار میں خود کفیل ہو جائے۔

Marfat.com

کارپوریشن، ٹاؤن کمیٹیاں اور میونسپل کمیٹیاں جو لوکل گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۷۹ء کے تحت قائم ہیں

یہ ادارے لوکل گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۷۹ء کے تحت قائم ہیں اور ہر چھوٹے بڑے شہروں میں کارپوریشن میونسپل کمیٹیاں، ٹاؤن کمیٹیاں اور لوکل کونسلیں قائم کر کے عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے ان اداروں کو چلانے کے لئے انتظام کیا گیا ہے۔ عوام اپنے اپنے علاقے سے کونسلر اور ممبر منتخب کرتے ہیں اور پھر ان میں میئر اور چیئرمین منتخب ہوتے ہیں۔ ان اداروں کا کام اپنے علاقے میں صفائی کا انتظام، پرائمری تعلیم کو عام کرنا، راستوں اور پلوں کا بنانا مذبح خانے، منڈیاں اور دیگر رفاعی کام کر کے عوام کی خدمت کرنا ہوتا ہے۔ ان اداروں نے اپنے مستقل ملازمین رکھے ہوتے ہیں اور اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے مختلف لوکل ٹیکس، محصول چنگیوں کی آمدنی، منڈیوں اور میلوں کی آمدنی جائیداد کی خرید و فروخت کے ٹیکس اور پراپرٹی ٹیکس اور اسی طرح کے مختلف ٹیکس لگائے جاتے ہیں اور بعض اوقات صوبائی حکومتوں اور مرکزی حکومت کی طرف سے مالی امداد فراہم کر کے ان اداروں کو چلایا جاتا ہے اس لئے ان اداروں کا بنیادی مقصد لوگوں کو بنیادی سہولتیں فراہم کرنا ہوتا ہے لیکن ان کی کارکردگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ادارے ٹیکس وصول کر کے اپنے اخراجات چلانے پر زور دیتے ہیں اور عوام کو وہ بنیادی سہولتیں جن کا لوکل گورنمنٹ ایکٹ میں ذکر ہے خاطر خواہ طریقے سے فراہم نہیں کی جاتیں۔ جس طرح اب لاہور کارپوریشن کی ذمہ داری ہے کہ پرائمری تعلیم کے لئے زیادہ سے زیادہ سکول کھولے، ڈسپنسریاں اور زچہ و بچہ کے مراکز کھولے۔ مگر جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ سابقہ کئی سالوں سے کوئی نئے سکول نہیں کھولے جا رہے۔ اسی طرح کارپوریشن کی ذمہ داری ہے کہ مسافروں کی سہولت کے لئے بڑے چوکوں میں عوام کے لئے بیت الخلاء تعمیر کرے مگر اب تک بڑے بڑے چوکوں میں ایسا کوئی انتظام نہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر چوک قرطبہ جہاں سات سڑکیں چوک میں ملتی ہیں اور عوام کا ہجوم لگا رہتا ہے کوئی بیت الخلاء نہیں بنایا گیا اور نہ ہی اچھرہ چوک میں ہے کچھ عرصہ قبل اے جی آفس کے قریب کچھ بیت الخلاء قائم تھے جو کئی سالوں سے بند کر دیئے گئے ہیں۔ یہی حال ملک کے دوسرے شہروں کا ہے۔ اس طرح فرداً فرداً

Marfat.com

مختلف جگہوں کی نشاندہی کرنا مشکل ہے البتہ سارے ملک میں ایسے ہی حالات ہیں۔ یہ ادارے اپنے ہی قواعد وضوابط کی پابندی نہیں کرتے اور اسی طرح زیادہ تر مکانات بغیر نقشہ کے تعمیر ہو رہے ہیں اور یہ ادارے کوئی نوٹس نہیں لیتے یا پھر ان کے اہلکار ساز باز کر کے ناجائز تعمیرات بغیر نقشہ کے کروا دیتے ہیں اور لوگ خود بخود اپنی بلڈنگیں اور مکانات پرانی بنیادوں پر تعمیر کر رہے ہیں اور سیٹ بیک ہوتے نہیں ہوتے جس سے ٹریفک کا مسئلہ مزید اُلجھ رہا ہے اور اب جب سے ڈویلپمنٹ کرنے والے ادارے جیسے ایل ڈی اے، اسکے ڈی سی، اسکے ڈی ایم، اسکے ڈی سی وغیرہ وجود میں آئے ہیں ان لوکل اداروں نے اِن معاملات میں دلچسپی لینا بند کر دی ہے اور ان ڈویلپمنٹ اداروں نے بھی وہی کام شروع کر رکھا ہے کہ تمام تعمیرات نقشوں کے پاس کروائے بغیر ہو رہی ہیں جو کہ سراسر ناجائز اور اداروں کے اپنے قواعد وضوابط کے خلاف ہیں۔ جب تک کوئی شخص شکائت نہ کرے یہ ادارے خود بخود کسی برائی کا نوٹس نہیں لیتے اور مسائل دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس لئے لوکل گورنمنٹ کے تمام اداروں کو اپنے قواعد وضوابط پر خود سختی سے عمل کرنا اور کروانا چاہیئے اور عوام سے جو وعدے کئے گئے ہیں اور جن کے لئے اُن کو منتخب کیا جاتا ہے ان کو پورا کرنا چاہیئے اور عوام کی فلاح وبہبود کا خاطر خواہ خیال رکھنا چاہیئے تاکہ یہ ادارے عوام کی فلاح کا باعث بن سکیں۔

Marfat.com

محکمہ انصاف

عدلیہ ملک میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے اور پبلک کو انصاف مہیا کرنے کے لئے چھوٹی عدالتوں سے لے کر سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ آف پاکستان تک عدالتی نظام رائج ہے عوام اپنے اپنے مسائل حل کروانے کے لئے عدالتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لئے جتنی کسی ملک کی عدلیہ اچھی ہوگی اتنے ہی اس ملک کے عوام مطمئن ہوں گے اور حکومت سے تعاون کریں گے اور پورے اعتماد کے ساتھ انصاف حاصل کرنے کے لئے عدالتوں کی طرف رجوع کریں گے۔ عوام اپنے جھگڑے خود نپٹانے اور لڑائی جھگڑے کرنے کی بجائے عدالتوں پر بھروسہ کریں گے اس کے لئے اس محکمہ کو بھی عوام کا جو حصول انصاف کے لئے آتے ہیں خیال رکھنا چاہیئے اور وہ خیال حسب ذیل تجاویز پر عمل کر کے رکھا جا سکتا ہے۔

I - عدالتوں میں پورا پورا انصاف مہیا کرنے کے لئے دیانتدار افسران کا تعینات ہونا ضروری ہے اور پھر ان کو دوران ملازمت ہر طرح کی سہولتیں اور معقول تنخواہ اور الاؤنس دینا ضروری تاکہ وہ دلجمعی سے لوگوں کو انصاف فراہم کریں اور چھوٹے اور بڑے شہروں میں جو تنخواہوں اور الاؤنسوں کا فرق ہے اس کو ختم کر کے برابر کرنا چاہیئے اور رہائشی سہولتیں خواہ وہ کسی چھوٹے ضلع یا بڑے ضلع یا تحصیل کے عدالتی افسران ہوں ان کے لئے سرکاری رہائش کا مہیا کرنا ضروری سمجھا جائے اور ایسا ضرور کیا جائے۔

II - اسی طرح عوام جو حصول انصاف کے لئے رجوع کرتے ہیں خواہ وہ مدعی ہو یا مدعا علیہ ہو مستغیث ہو یا ملزم یا گواہان سب کو عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے جب تک کسی شخص کی غلطی یا جرم ثابت نہ ہو جائے اس کے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہیئے۔ عدالت میں آنے والے سائیلوں اور ملزموں کے لئے بیٹھنے کے لئے انتظام ہونا چاہیئے تاکہ وہ اپنی باری کا انتظار کر سکیں۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ بچے، بوڑھے اور عورتیں برآمدوں میں کھڑے بھی نہیں رہ سکتے اور برآمدوں کے باہر بھی کوئی بیٹھنے کی جگہ یا سایہ کا انتظام نہیں ہوتا اور گواہان بھی تنگ آ کر بغیر شہادت دیئے واپس چلے جاتے ہیں۔

Marfat.com

اس طرح انصاف کی راہ میں رکاوٹیں پڑتی ہیں اور وکلاء کے لئے بھی عدالتوں کے اندر خاطر خواہ انتظام ہونا چاہیئے تاکہ وہ بیٹھ کر انتظار کر سکیں۔

III۔ تیسری بات یہ ہے کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ فوجداری اور دیوانی مقدمات میں کئی عدالتوں میں جن کے پاس اختیارات زیادہ ہوتے ہیں بہت زیادہ مقدمات لگے ہوتے ہیں اور وہ چند گھنٹوں میں کام ختم کر کے باقی وقت بغیر کام کے کیسے گذار دیتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ نیا کام دیتے وقت ہر عدالت میں اس کے پہلے مقدموں کی تعداد دیکھ کر کام تقسیم کرنا چاہیئے اور اگر زیادہ اختیارات والی عدالتیں کم ہیں تو ان کی تعداد بڑھانا چاہیئے تاکہ سب عدالتوں میں یکساں کام ہو اور مقدمات کا جلد تصفیہ ہو۔

IV۔ بڑی عدالتوں میں ساڑھے پانچ گھنٹے کا وقت روزانہ کام کرنے کے لئے مقرر ہے مگر بعض عدالتوں میں دیکھا گیا ہے کہ عدالتی افسران ۲ گھنٹے سے زیادہ کام نہیں کرتے اور خاص طور پر عدالت میں نہیں بیٹھتے اس کے لئے تمام عدالتوں کو ہدایت جاری کرنی چاہیئے کہ وہ کم از کم ۴ گھنٹے عدالت میں بیٹھ کر کام کریں۔ اس سے عدالتی کام جلدی ختم ہوگا اور یہ بات بھی قانون میں ترمیم کر کے لکھ دینی چاہیئے کہ کوئی مقدمہ خواہ کسی نوعیت کا ہو اور کسی ماتحت عدالت میں زیر سماعت ہو اس میں ۱۵ دن سے زیادہ تاریخ نہیں دینی چاہیئے اس طرح کرنے سے مقدمات کا جلد تصفیہ ہوگا اور عوام کا انصاف کے سلسلہ میں تعاون اور بھروسہ بڑھے گا۔

۷۔ ایک بات جو قانون معیاد میں توجہ طلب ہے وہ سزائے موت کے خلاف اپیل اور سپریم کورٹ میں فوجداری درخواست برائے اجازت اپیل کے بارے میں ہے وہ یہ ہے کہ، دِن کی معیاد سزائے موت کے خلاف بہت تھوڑا وقت ہے کیونکہ ایک تو ملزم کو سب سے بڑی سزا ملی ہوتی ہے دوسرے وکلاء سے صلاح مشورہ اور تیسرے اخراجات کا انتظام کرنا ہوتا ہے جو، دِن کے اندر نہیں ہو سکتا اگرچہ سزائے موت میں شیشن کورٹ کی طرف سے ریفرنس بھی ہوتا ہے مگر اپیل کا کرنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے اس کام کے لئے، دِن کی معیاد کم ہے جبکہ عام سزا خواہ تین ماہ کی ہو اس کے لئے ایک ماہ کی میعاد مقرر ہوتی ہے۔ اس لئے قانون معیاد میں ترمیم کر کے سزائے موت کے خلاف بھی اپیل کرنے کے لئے کم از کم ایک ماہ کی معیاد مقرر ہونی چاہیئے تاکہ صحیح طور پر اپیل دائر ہو سکے۔

Marfat.com

دوسری بات سپریم کورٹ میں درخواست برائے اجازت فوجداری اپیل ہے جس کے لئے ایک ماہ کی معیاد مقرر ہے جب کہ دیوانی مقدمات کے لئے دو ماہ کی معیاد مقرر ہے اس سلسلے میں بھی یہی تجویز ہے کہ اس فرق کو دور کر کے فوجداری اپیلوں کے لئے بھی دو ماہ کی مدت مقرر کی جائے تاکہ سپریم کورٹ میں فوجداری اپیلوں اور درخواستوں برائے اجازت اپیل کے لئے دو ماہ کی معیاد کے اندر ایسا کیا جا سکے اور عوام کو انصاف حاصل کرنے میں آسانی ہو۔

اس کے علاوہ اعلیٰ عدالتوں، عدالت ہائے عالیہ اور سپریم کورٹ آف پاکستان میں بھی تمام طرح کے مقدمات میں تاریخیں مقرر کرنے کو بھی رواج دینا چاہیئے تاکہ مقدمات کا مقررہ تاریخوں پر تصفیہ ہو سکے۔ اس طرح کرنے سے عدالتی نظام میں نئے باب کا اضافہ ہوگا۔

Marfat.com

محکمہ خزانہ

خزانہ ایک ایسا محکمہ ہے جو حکومت کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ حکومت کا سارا نظام اسی پر چلتا ہے۔ پاکستان میں تمام ملازمین کی تنخواہیں اور پنشنیں اور دیگر فلاحی ادارے اسی سے چلتے ہیں اور روپے کا لین دین، درآمد و برآمد غرضیکہ ہر کام کا دارومدار خزانہ پر ہے جس کے لئے ملک میں سٹیٹ بنک، نیشنل بنک اور ان کی شاخیں و دیگر بینک اندرون و بیرون ملک کام کرتے ہیں کرنسی میں سکے بنانے کے لئے ٹکسالیں قائم ہیں اور نوٹ چھاپنے کے لئے سیکورٹی پرنٹنگ پریس جیسے ادارے قائم ہیں۔ عوام میں روپے کا سرکل نوٹوں اور سکوں کے ذریعے ہوتا ہے اور ہر طرح کا لین دین چلتا ہے۔ اس کے لئے بینک، چیک، ڈرافٹ، پے آرڈر اور دیگر قسم کی دستاویزات جاری کر کے اپنے کام چلاتے ہیں اور مخصوص فارموں کے ذریعے روپیہ خزانے میں جمع ہوتا ہے۔ اس وقت پاکستان میں اس نظام کو چلانے کے لئے بورڈ آف ریونیو اور کلکٹر سے لے کر وزیر خزانہ تک افسرانِ خزانہ ہوتے ہیں اور کلکٹر صاحب کو ضلع کے خزانے کا محافظ سمجھا جاتا ہے اور محافظ کا کام صرف کسی چیز کی حفاظت ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کام ایسے مواقع فراہم کرنا ہوتا ہے جس سے خزانہ بڑھے اور حکومت کے لئے مال اکٹھا ہو۔ اس لئے کلکٹر صاحب کو اس سلسلے میں بہت محتاط ہونا چاہیئے اور تمام مدیں جن کے ذریعے خزانہ میں روپیہ جمع ہوتا ہے ان پر نگاہ رکھنی چاہیئے کہ لوگوں کو روپیہ جمع کروانے میں کوئی مشکلات تو پیش نہیں آرہی ہیں اس سلسلے میں حسبِ ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) تمام بینکوں میں سرکاری واجبات جمع کروانے والوں کی اتنی لمبی لمبی قطاریں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ خزانے میں روپیہ جمع کروانا بھی ایک مصیبت ہے اور جو شخص روپیہ جمع کروا کر فارغ ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس عذاب سے نجات ملی۔ اس کے لئے تمام بینکوں کو خصوصی انتظام کر کے اور عملہ کی تعداد بڑھا کر کسی بھی روپیہ جمع کروانے والے کو فوراً فارغ کرنا چاہیئے اور جب بھی لمبی لمبی قطاریں نظر آئیں تو افسرانِ بالا کو سختی سے اس بات کا نوٹس لینا چاہیئے کہ عوام کو ادائیگی میں اتنی مشکلات کیوں پیش آرہی ہیں اور ان

Marfat.com

مشکلات کا فوری ازالہ کرنا چاہیئے۔

(۲) بعض ادائیگیاں جو خزانے میں کی جاتیں ہیں وہ اشٹام پیپرز کورٹ فیس اور مختلف قسم کی سرکاری سٹیمپ فروخت کرکے ادائیگیاں کی جاتی ہیں اور دیکھا گیا ہے کہ اشٹامپ پیپرز اکثر ختم رہتے ہیں۔ کورٹ فیس نہیں ملتا اور طرح طرح کے اشٹامپ جن کے ذریعے لاکھوں کروڑوں روپیہ خزانے کو بچت ہوتی ہے نہیں ملتے جس کے لئے عوام مارے مارے پھرتے ہیں اور ان کی کوئی نہیں سنتا اور ان کا وقت ضائع ہونے کے علاوہ حکومت کو بھی بہت نقصان ہوتا ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے کلکٹر صاحب کو فوری طور پر ان شکایات کا ازالہ کرنا چاہیئے اور اگر کوئی چیز سیکورٹی پریس سے چھپ کر نہیں آئی تو ان کو ریمائنڈر وغیرہ دے کر فوری طور پر ان چیزوں کو منگوا کر لوگوں کی مشکلات دور کرنی چاہیئے تاکہ وہ خزانہ میں ادائیگی جو جس طریقے سے بھی ہوتی ہے وقت پر ہو سکے اور ان کے کام بھی وقت پر ہو سکیں۔

(۳) بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا قانون میں ذکر ہے اور وہ قانونی ضروریات ہوتی ہیں اور ان کا تعلق خزانہ سے بھی ہوتا ہے اس لئے محکمۂ خزانہ کو فوری طور پر ان ضروریات کا احساس کرنا چاہیئے۔ مثال کے طور پر جوڈیشل پیپرز ہر قسم کے مقدمات میں عدالتوں میں مروج ہیں جن کا ضابطوں میں بھی ذکر ہے اور ماتحت و اعلیٰ عدالتوں میں بھی ان کا سختی سے نوٹس لیا جاتا ہے اور سائیلوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ جوڈیشل پیپرز پر مقدمات اور دیگر دستاویزات تیار کرکے داخل کریں اور ایسا نہ کرنے پر ریونیو ٹکٹ اسی قیمت کے کاغذات پر لگوائے جاتے ہیں مگر جو جوڈیشل پیپرز لگانے کا اصل مقصد ہوتا ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔ جوڈیشل پیپرز استعمال کرنے کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ایک اچھا اور مضبوط کاغذ استعمال ہوتا کہ مقدمات کا ریکارڈ جو سینکڑوں سال کے لئے محفوظ کرنا ہوتا ہے قائم رہ سکے پچھلے کئی سالوں سے جب اس کاغذ کی قیمت چھ پیسے تھی اس وقت تو یہ ملتا تھا اور جب اس کی قیمت قانونی طور پر ۵، پیسے ہے مگر پھر بھی جوڈیشل پیپرز کھلے بندوں اور اسٹامپ فروشوں سے نہیں ملتے اور دو روپے فی پیپرز کے حساب سے بلیک میں ملتا ہے اور بے شمار شکایات اس سلسلے میں کلکٹر صاحب کے پاس بھی جاتی ہیں مگر کوئی نوٹس نہیں لیتا اور ان کی فروخت کا کوئی

Marfat.com

انتظام نہیں کیا جاتا۔ اس سلسلے میں تجویز یہ ہے کہ اس کاغذ کی فروخت سے حکومت کو یعنی خزانہ کو خاطر خواہ آمدنی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کاغذ کی فروخت کا معقول اور مستقل انتظام کرنا چاہیئے تاکہ عدالتی کام کے لئے جو ڈسٹیل پیپرز مہیا ہو سکیں اور قانونی تقاضے بھی پورے ہوں۔

(۴) ایک اور بات جو سرکاری ٹکٹوں کے سلسلے میں دیکھنے میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ لائسنس دار اشٹام فروشوں اور سٹیمپ وینڈروں کے ذریعے مختلف قسم کے چھوٹے کورٹ فیس اور ٹکٹ فروخت ہوتے ہیں اور کورٹ فیس پر سٹیمپ وینڈر نام لکھے بغیر فروخت کر دیتے ہیں جبکہ خریدنے والے کا نام، تاریخ اور اُن کے اپنے دستخط ہونے ضروری ہیں جو وہ نہیں کرتے۔ ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو وہ ایسا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں یا وہ چھوٹے کورٹ فیس اور چھوٹے ٹکٹ جعلی فروخت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں میری تجویز یہ ہے کہ ہر ضلع کے کلکٹر صاحب خصوصی انتظام کر کے اشٹام فروشوں اور سٹیمپ وینڈروں کی چیکنگ کرتے رہیں تاکہ کوئی جعلسازی بھی نہ ہو اور عوام کو بھی مشکلات پیش نہ آئیں ایسا کرنے سے خزانے کو بھی خاطر خواہ فائدہ ہوگا۔

(۵) جہاں تک اشٹامپ فروشوں اور کورٹ فیس فروخت کرنے والوں کا تعلق ہے ان کی عدم دلچسپی اس لئے بیان کی جاتی ہے کہ ان کا کمیشن بہت تھوڑا ہے بتایا جاتا ہے کہ کورٹ فیس پر ۵ پیسے فی سینکڑہ اور اشٹامپ پر ۳ روپے فی سینکڑہ کمیشن مقرر ہے چھوٹے کورٹ فیسوں پر خریدار کا نام اور تاریخیں لکھنا اپنی جگہ پر ایک کام ہے جس پر کافی وقت صرف ہوتا ہے اور اس کمیشن پر ان کو خاطر خواہ نفع نہیں ہوتا جبکہ ان کی خاصی رقم بھی اس کام یا کاروبار میں لگی رہتی ہے اور بہت بڑی ذمہ داری بھی انہوں نے قبول کی ہوتی ہے کمیشن کا یہ مذکورہ بالا ریٹ تقریباً ۱۰۰ سال قبل سے مقرر ہے۔ اس سلسلے میں یہ تجویز ہے کہ ان مذکورہ بالا لوگوں کی مشکلات کا جائزہ لے کر از سر نو مہنگائی کو پیش نظر رکھتے ہوئے شرح کمیشن میں اضافہ کر کے دوبارہ مقرر کی جائے تاکہ یہ لوگ اس کام میں دلچسپی لیں اور اس کام کو کبھی لمبی قطاروں میں کھڑے ہو کر کورٹ فیس اور اشٹامپ نہ خریدنا پڑے علاوہ ازیں لائسنس داروں سے ایک مقررہ رقم کی سیکورٹی بھی لائسنس کے عوض جمع کروائی جاوے تاکہ وہ لوگ ذمہ داری اور دیانتداری سے کام کریں اور یہ مذکورہ بالا لوگ اپنی ذمہ داریوں سے غفلت نہ برتیں یا بے ایمانی کریں تو اُنکی سیکورٹی بحق سرکار ضبط کر لی جاوے اور ان کو اُن کے جرم کی سزا بھی دی جاوے۔

Marfat.com

ٹرانسپورٹ

ٹرانسپورٹ سے مراد تمام ذرائع نقل و حمل ہیں جن میں ریلوے کا نظام، موٹر گاڑیاں۔ بسیں۔ ٹرکس، ہوائی جہاز اور بحری جہاز وغیرہ شامل ہیں۔ اس وقت پاکستان میں ریلوے کا نظام اور ایئر لائنز کا نظام مکمل طور پر گورنمنٹ کے کنٹرول میں ہے جبکہ بسوں، ٹرکوں اور بحری جہازوں، کشتیوں اور لانچوں میں سے کچھ گورنمنٹ کی ملکیت ہیں اور کچھ پرائیویٹ لوگوں کی ملکیت ہے مگر گورنمنٹ سیکٹر میں محکمہ ٹرانسپورٹ میں اکثر نقصان کی شکایت رہتی ہے جبکہ حکومت کا عرصہ دراز سے بہت زیادہ روپیہ اس سلسلے میں لگا ہوا ہے۔ بیشمار زمینیں، کارخانے اور دیگر ادارے اس کام کے لئے وقف ہیں جن کے ذریعے حکومت یہ نظام چلاتی ہے۔ البتہ پاکستان ایئر لائنز میں اکثر منافع ظاہر کیا جاتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ پرائیویٹ سیکٹر کو چھوڑ کر ٹرانسپورٹ کے ذرائع جو حکومت کے قبضہ اور ملکیت میں ہیں ٹھیک طور پر کام کر رہے ہیں یا نہیں۔ اگر ہم بغور جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو سہولتیں عوام کو فراہم کرنے کے لئے یہ ادارے قائم کئے گئے تھے وہ مہیا نہیں ہوئیں اور اگر پرائیویٹ سیکٹر سے ٹرانسپورٹ کے ذرائع واپس لے لئے جائیں تو عوام اس قدر مصیبتوں اور مشکلات سے دوچار ہو جائیں گے کہ ٹرانسپورٹ کا پورا نظام بے کار ہو کر رہ جائے گا۔

سب سے پہلے ہم ریلوے کے محکمے کو دیکھتے ہیں جو مکمل طور پر حکومت کی ملکیت میں ہے اور اب تک سوائے چند روٹوں کے باقی تمام لائنوں پر وہی پرانی گاڑیاں اور ڈبے کام کر رہے ہیں اور سواریوں کے لئے اور مسافروں کے لئے وہی پرانی سہولتیں جو پچاس سال قبل تھیں آج بھی وہی ہیں اور بدحالی کی صورت میں موجود ہیں۔ نئی آسائشوں کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ وہی پرانی بنی ہوئی ریلوے لائنیں اور ریلوے سٹیشن اور ریلوے پھاٹک موجود ہیں اور ریل کراسنگ لائنز پر اسی طرح ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں اور ہزاروں جانیں ہر سال ضائع ہوتی ہیں۔ آج بھی مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے اسی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسا آج سے پچاس برس پہلے کرنا پڑتا تھا اور کئی کئی ماہ کے بعد مال اپنی منزل مقصود تک

Marfat.com

پہنچتا ہے یہ بڑی حیرانی کی بات ہے کہ جب کوئی نیا کام، نیا کارخانہ یا نئے نئے پراجیکٹ ریلوے کو ترقی دینے کے لئے قائم نہیں کئے گئے تو پھر اس پر اتنے اخراجات کا بوجھ آمدنی سے زیادہ کیسے ہو جاتا ہے اور آئے دن کروڑوں روپے کا نقصان کیوں ہوتا ہے لہذا حسب ذیل تجاویز دی جاتی ہیں تاکہ ریلوے کو کارآمد ذریعہ آمدورفت بنایا جاسکے اور اسے نقصان کی بجائے فائدہ ہو۔

(۱) اس محکمہ کو یا تو پرائیویٹ سیکٹر میں دے دیا جائے یا اس میں بدعنوانیاں ختم کی جائیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ سینکڑوں ملازمین جو تنخواہیں تو اس محکمے سے لیتے ہیں مگر سارا دن کام دوسری جگہوں پر کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو محکمہ نے فالتو عملہ رکھا ہوا ہے جن کے کام نہ کرنے سے محکمہ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اور معمول کے کام چلتے رہتے ہیں یا پھر کام تھوڑا کیا جاتا ہے اور دیکھا یا زیادہ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں تمام ورکشاپوں اور ریلوے کے کارخانوں کا از سرِ نو جائزہ لے کر فالتو عملہ کو فارغ کر دیا جائے تاکہ اخراجات میں کمی اور کام بھی صحیح طور پر چلتا رہے۔ یا پھر اگر عملہ پورا ہے تو ایک ایک کارکن سے اس کا مطلوبہ کام جس کے لئے اسے رکھا گیا ہے لیا جاوے اور جن افسران سے ساز باز کر کے وہ ہزاروں ملازمین جو گھر بیٹھے تنخواہیں لے رہے ہیں ان کو ان سے ملی بھگت کرنے والے افسران کو فوری طور پر ملازمت سے نکال دیا جاوے اور نئے ضرورت مندوں اور کاریگروں کو کام پر رکھا جائے اور مطلوبہ کام لیا جاوے اور ان کی سخت چیکنگ کر کے محکمہ کی کارکردگی کو بڑھایا جائے۔

(۲) ریلوے اسٹیشنوں، ریلوے لائنوں اور ریلوے پھاٹکوں کا از سرِ نو جائزہ لے کر ان میں ردوبدل کیا جائے۔ پرانی عمارتوں کی جگہ نئی عمارتیں بنائی جاویں یا خاطر خواہ مرمت کروائی جائے اور عوام کو بیت الخلا اور پرآسائش سیٹوں کی سہولت فراہم کی جائے۔ ریلوے اسٹیشنوں پر ویٹنگ رومز اور ٹکٹوں کی خریداری میں لمبی لمبی قطاروں سے بچنے کے لئے انتظام کیا جاوے۔ مال کی بکنگ اور ترسیل کو درست کیا جائے تاکہ وقت مقررہ پر مال اپنی منزل پر پہنچ سکے۔ اس طرح عوام کا اعتماد بحال ہوگا اور وہ اپنے سفر پر ترسیل مال کے لئے ریلوے کی طرف زیادہ رجوع کریں گے۔

(۳) لیول کراسنگ لائنز کو یا تو قانوناً بند کر دینا چاہیئے یا محکمہ کو فوری طور پر وہاں پھاٹک لگا کر پھاٹک کراسنگ کا انتظام کرنا چاہیئے تاکہ کوئی بھی لیول کراسنگ بغیر پھاٹک کے نہ ہو

Marfat.com

اور آئے دن جو ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں اور مالی وجانی نقصان ہوتا ہے اور اس سے نجات مل سکے۔ اس کام کو اوّلیت دینا چاہیئے اور ان سالہا سال کی شکایات کو دور کرنا چاہیئے۔

روڈ ٹرانسپورٹ

روڈ ٹرانسپورٹ کا سلسلہ مسافروں کے سفر اور مال کا ایک جگہ سے دوسری جگہ سڑکوں کے ذریعے پہنچانے کے لئے قائم ہے۔ جہاں تک مال کو سڑکوں کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا معاملہ ہے۔ اس میں زیادہ تر پرائیویٹ سیکٹر کام کر رہا ہے اور ٹرکوں اور ٹرالوں کے ذریعے مال ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا ہے اور تھوڑے فاصلے کے لئے ٹریکٹر، ٹرالی کا استعمال بھی عام ہو گیا ہے۔ اب گورنمنٹ نے بھی کچھ ایسے ادارے قائم کئے ہیں جو لمبی لمبی شاہراہوں پر بڑے بڑے ٹرکوں، ٹرالوں سے عام طور پر سرکاری مال کی ترسیل کا کام لیا جاتا ہے جبکہ نجی مال لانے لے جانے لئے پرائیویٹ سیکٹر بہت کام کر رہا ہے اور نجی ٹرکوں اور ٹرالوں اور آئل ٹینکروں کے ذریعے مال لے جایا جا رہا ہے۔ دوسرا سلسلہ مسافروں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانے کے لئے بسوں ویگنوں، لاریوں اور فلائنگ کوچوں کا استعمال ہے۔ اس کے لئے دونوں سیکٹر پرائیویٹ سیکٹر اور پبلک سیکٹر برابر حصہ لیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مسافروں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دیں اور جلد منزل مقصود تک پہنچایا جائے۔

جہاں تک روڈ ٹرانسپورٹ گورنمنٹ سیکٹر کا تعلق ہے یہ دو حصوں میں کام کر رہا ہے۔ ایک بڑے بڑے شہروں میں اربن ٹرانسپورٹ کی صورت میں جو بڑی بڑی شاہراہوں پر مسافروں کو لیجانے کا کام کر رہی ہے اور سارے پاکستان میں روڈ ٹرانسپورٹ کا ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں اور شاہراہوں پر ان کے دفاتر اور ورکشاپیں اور اڈے قائم ہیں جو مسافروں کی سہولت کے لئے بنائے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ گورنمنٹ آف پاکستان اربن ٹرانسپورٹ اور روڈ ٹرانسپورٹ کا یہ سلسلہ لوگوں کو سفری سہولتیں فراہم کرنے کے لئے پاکستان کے آغاز سے ہی شروع کر دیا تھا جو اب تک قائم ہے۔ مگر اب گورنمنٹ ٹرانسپورٹ جس میں اربن ٹرانسپورٹ اور روڈ ٹرانسپورٹ شامل ہیں مسافروں کے لئے خاطر خواہ سہولتیں مہیا نہیں کرتیں اور تکلیف کا باعث بننے کے ساتھ ساتھ سرکاری خزانے کو بھی ہر سال مالی نقصان پہنچا رہی ہیں۔ حالانکہ اس سلسلے میں بڑے بڑے شہروں میں پبلک سیکٹر کو اربن ٹرانسپورٹ کا مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں ہے

Marfat.com

مگر پھر بھی اربن ٹرانسپورٹ کی بسیں پرانی اور ناکارہ جن کے شیشے ٹوٹے ہوئے۔ باڈیاں ٹوٹی ہوئی اور سیٹیں نہ ہونے کے برابر ہیں استعمال کی جارہی ہیں اور شہریوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اربن ٹرانسپورٹ کو شہروں میں چلایا جارہا ہے اور شہریوں کو سفری سہولتیں اور آسائشیں پہنچانے کی بجائے تکلیفوں میں مبتلا کیا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ اربن ٹرانسپورٹ کی سیٹیں اتنی کم ہیں کہ سوائے چند سواریوں کے جو شروع شروع میں سائیڈوں والی لوہے یا لکڑی کے تختوں کی سیٹوں پر بیٹھ جاتی ہیں۔ باقی تمام سواریاں کھڑے ہو کر اپنی منزل پر پہنچتی ہیں اور نہ صرف بس کے اندر سواریوں کی دھکم پیل ہوتی ہے اور وہ ایک دوسری کے اوپر گرتی ہیں۔ بلکہ گیٹ میں اور گیٹوں کے باہر بھی بیشمار لوگ لٹکے ہوتے ہیں اور نہ صرف چڑھنے اترنے میں تکلیف ہوتی ہے بلکہ اکثر سواریاں گر کر جاں بحق بھی ہو جاتی ہیں۔

ان بسوں کا بے شمار سواریاں لادنے پر مقامی پولیس یا ٹریفک پولیس بھی چالان نہیں کرتی۔ شائد ان کو گورنمنٹ نے ایسا کرنے سے منع کر رکھا ہے یا وہ اپنے لالچ کی خاطر کہ پولیس مفت سفر کرتی ہے ان کا چالان نہیں کرتی حالانکہ موٹر وہیکل قانون کے مطابق گورنمنٹ کے ملازم ڈرائیور اور کنڈیکٹر پر وہی قانون لاگو ہوتا ہے جو عام پرائیویٹ بسوں والوں کے لئے مقرر ہے۔ اس کے باوجود اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ہر سال اربن ٹرانسپورٹ اور روڈ ٹرانسپورٹ کو کروڑوں روپے کا نقصان ہوتا ہے۔ جہاں تک روڈ ٹرانسپورٹ کا تعلق ہے اس میں لمبے روٹوں پر گورنمنٹ ٹرانسپورٹ نے کچھ فلائنگ کوچز اور کچھ عام بسیں چلا رکھی ہیں اور مسافروں سے معقول کرائے بھی وصول کئے جاتے ہیں مگر لمبے روٹوں پر بھی وہی مرمت طلب بسیں استعمال کی جاتی ہیں جو جگہ جگہ خراب ہو جاتی ہیں اور وقت پر اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کی بجائے راستے میں کھڑی رہتی ہیں اور اکثر مسافر یا تو دوسری بسوں میں سفر کر کے اپنی منزل پر پہنچتے ہیں۔ یا پھر اگر مرمت ممکن ہو تو مرمت کروانے کے بعد دیر سے اپنی منزل پر پہنچتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ مقصد جس کے لئے گورنمنٹ آف پاکستان نے صوبوں کے ذریعے اربن ٹرانسپورٹ اور روڈ ٹرانسپورٹ کا سلسلہ جاری کیا تھا کہ مسافروں کو پرائیویٹ ٹرانسپورٹ سے زیادہ سہولتیں اور آسائشیں مہیا کی جائیں تاکہ ان کا سفر آسانی سے کٹے اور وہ تکالیف سے بھی بچ سکیں۔ یہ مقصد اب پورا ہونے کی بجائے بالکل ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ اس لئے اربن ٹرانسپورٹ اور روڈ ٹرانسپورٹ میں انقلابی تبدیلیاں لانے کی ضرورت محسوس

Marfat.com

ہو رہی ہے جس کے لئے حسب ذیل تجاویز دینا مناسب ہے۔

(۱) پہلی تجویز یہ ہے کہ ہر شہر سے گورنمنٹ اربن ٹرانسپورٹ کا سلسلہ بند کر دینا چاہیئے۔ اور یہ کام پرائیویٹ سیکٹر کے سپرد کر کے ان پر مسافروں کو سہولتیں فراہم کرنے اور آرام دہ سفر کے لئے شہروں میں بسی ٹرانسپورٹ کے لئے قوانین بنائے جائیں جس میں دو باتوں کا خیال رکھا جائے۔ اوّل یہ کہ بسیں پُر آسائش ہوں اور سیٹوں پر بیٹھنے کا انتظام ہو اور کسی حال میں بھی کھڑے ہو کر سفر کرنے کی اجازت نہ ہو۔ مخصوص سیٹوں سے زیادہ سواریاں بٹھانے پر سخت سزا تجویز کی جاوے اور دوم یہ کہ مخصوص روٹوں اور مختلف روٹوں اور علاقوں کے لئے کلومیٹر کے حساب سے کرائے مقرر کئے جائیں اور اس پر سختی سے عمل کروایا جائے۔

(۲) بڑی بڑی شاہراہوں اور لمبے روٹوں پر روڈ ٹرانسپورٹ کو اگر چلانا مقصود ہو تو نئے سرے سے اس میں انقلابی تبدیلیاں لائی جاویں۔ نئی یا اچھی طرح سے مرمت شدہ بسوں کو چلایا جاوے اور ان میں گنجائش کے مطابق سیٹیں نصب کی جاویں اور پھر سیٹوں سے زیادہ کوئی سواری نہ بٹھائی جائے تاکہ مسافروں کو ہر طرح کی سفری سہولتیں میسّر ہوں اور بسوں کے اندر پینے کے پانی کا انتظام کیا جاوے اور خاص خاص اڈوں پر رکنے اور مسافروں کے لئے وہاں بیت الخلاء وغیرہ کا خاطر خواہ انتظام کیا جاوے۔

(۳) نجی بس کمپنیوں، فلائنگ کوچوں، ویگنوں اور گورنمنٹ روڈ ٹرانسپورٹ کی بسوں کے لئے لازمی قرار دیا جائے کہ ان کے ڈرائیور اور کنڈیکٹر اسلحہ کا لائسنس حاصل کریں اور اپنے پاس اسلحہ رکھیں اور بسوں اور کوچوں میں ایک محافظ بھی ملازم رکھا جائے جو ہر وقت مسلح حالت میں بس میں رہے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ آئے دن بسوں، ویگنوں اور فلائنگ کوچوں کو لوٹنے اور ڈاکے مارنے کا سلسلہ عام ہو گیا ہے اور لوگوں کی جان و مال ہر وقت خطرے میں رہتی ہے۔ اس طرح لوگ بے خوف ہو کر سفر کر سکیں گے۔

(۴) اگر روڈ ٹرانسپورٹ کو چلانا ناممکن ہو تو پھر پرائیویٹ سیکٹر کے ہاتھ اس شعبے کو فروخت کر دینا چاہیئے اور سفری سہولتوں کے لئے وہی شرائط پرائیویٹ سیکٹر پر لگانی چاہیئے تاکہ مسافروں کی سفری سہولتوں میں فرق نہ آئے۔

(۵) یہ شکایت عام ہو گئی ہے کہ مسافروں سے پیسے تو لے لئے جاتے ہیں مگر انہیں ٹکٹیں نہیں

Marfat.com

دی جاتیں اور سیٹیوں کا بہانہ کر کے بس کے اندر داخل کر لیا جاتا ہے اور پھر انہیں کھڑے کھڑے ہی سفر طے کرنا پڑتا ہے ان باتوں کے سدباب کے لیے اور دیگر قواعد کی خلاف ورزی پر صرف ٹریفک پولیس کو ہی چالان کا حق نہ دیا جائے بلکہ عام پولیس کو جس میں کسی عہدہ کا لحاظ نہ ہو چالان کا اختیار دیا جائے اور ٹکٹ نہ دینے اور سیٹوں میں گنجائش سے زیادہ سواریاں بٹھانے پر سخت سزا تجویز کر کے اس پر عمل کروایا جائے۔ اس سے نجی مالکان بس کمپنیوں کا بھی فائدہ ہے کہ ان کے حساب کتاب میں گڑبڑ نہیں ہوگی اور ایکسیڈنٹ جو زیادہ سواریاں بٹھانے کی وجہ سے ہوتے ہیں نہیں ہوں گے اور جیسا کہ اوپر تجویز کیا گیا ہے پرائیویٹ ٹرانسپورٹروں کو بھی پابند کیا جائے کہ ان کے ڈرائیور اور کنڈیکٹر اور بڑی بسوں میں ایک ایک مسلح گارڈ ہو اور ان کو اسلحہ کے لئے لائسنس دیئے جائیں اور دوران سفر مسلح رہنے کا پابند کیا جائے تاکہ بسوں وغیرہ میں وارداتوں کا قلع قمع ہو سکے۔

(۶) جو بسیں، ویگنیں اور فلائنگ کوچز رات کو چلتی ہیں ان کی انتظامیہ کو چاہیئے کہ وہ اپنی ٹرانسپورٹ ان کے اڈے سے چلنے سے قبل، مسافروں کا بغور جائزہ لیں تاکہ کوئی خطرناک مسافر نہ ہو اور شک کی صورت میں شناختی کارڈ سے اور ہر طرح سے تسلی کر لینی چاہیئے کہ کوئی غلط آدمی تو سواری کے روپ میں سفر تو نہیں کر رہا جو بعد میں دوران سفر نقصان کا باعث ثابت ہو۔

محکمہ ہوائی سفر

جہاں تک ہوائی سفر کا تعلق ہے اس کے لئے پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائن کام کر رہی ہے جو اندرون و بیرون ملک سفر کے لئے سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ ان سہولتوں میں اضافے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اندرون ملک بڑے شہر اور ڈویژن کی سطح پر ہوائی اڈے تعمیر کئے جائیں اور ہوائی سفر کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے مزید جہاز اور عملہ کا انتظام کیا جائے تاکہ اندرون ملک ہوائی سفر آسان اور عام ہو جائے۔ اس کے لئے اگر نجی شعبہ کو بھی اس کاروبار میں شامل کیا جائے تو وہ بھی اہم کردار ادا کر سکتا ہے اور نئے جدید قسم کے طیارے خرید کر شہریوں کے اندرون ملک سفر میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں اور ہوائی سفر بھی ملک کے اندر عام اور مقبول ہو جائے گا اس طرح ہوائی سفر میں بھی آسانیاں پیدا ہوں گی۔

اس کے علاوہ ہوائی سفر کے ذریعے جو سمگلنگ ہوتی ہے اس کو ختم کرنا اور ہوائی قزاقی

Marfat.com

لورد کنا بھی بہت ضروری ہے ان امور میں بہتری کے لئے حسب ذیل تجاویز دی جاتی ہیں۔

(۱) اس میں شک نہیں کہ ایشائی ایئر لائنز کے مقابلے میں پی آئی اے کی ایئر سروسز کسی ایشائی ملک سے کم نہیں مگر پھر بھی اس ادارہ کو انٹرنیشنل سطح پر مقابلہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے جہاز جدید ہوں، پُرآسائش ہوں، سیٹیں کشادہ ہوں سواریوں کو گھر سے لے جانے اور واپس گھر پہنچانے کے لئے بسیں کوچز اور ویگنیں رکھنی چاہئیں تاکہ مسافروں کو وقت پر لیجایا اور واپس پہنچایا جاسکے۔

(۲) ہوائی اڈہ پر چیکنگ بلالحاظ حیثیت و عہدہ ہر مسافر کی اچھی طرح سے چیکنگ کرنی چاہیئے اگر بعد میں ثابت ہو کہ سمگل شدہ اشیاء کسی مسافر سے برآمد ہوئی ہیں تو نہ صرف مسافر کے خلاف کارروائی کی جائے بلکہ اس مسافر کو چیک کرنے والے عملے کو بھی پورا پورا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ ایسا کرنے سے سمگلنگ کا خاتمہ ہوگا۔

(۳) دوران سفر ہر ہوائی جہاز میں دو مسلح محافظ موجود ہونے چاہئیں۔ جو ہر وقت مسافروں کی نگرانی کرتے رہیں تاکہ کوئی جہاز کو اغوا نہ کرلے یا مسافروں کو لوٹنے یا نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔

(۴) اندرونِ ملک ہوائی اڈوں کی تعداد بڑھائی جاوے اور ہر بڑے شہر اور دور دراز علاقوں تک خصوصاً شمالی علاقوں میں ہوائی سفر کو یقینی بنایا جائے تاکہ سیر و سیاحت آسان ہو اور حادثاتی خطرات سے محفوظ ہو۔

(۵) اگر اندرونِ ملک سفر کی سہولتوں کو پورا کرنے کے لئے پی آئی اے کے پاس وسائل نہ ہوں تو یہ کام پرائیویٹ سیکٹر کے حوالے کر دینا چاہیئے۔

(۶) پہلے سے فروخت شدہ ہوائی ٹکٹ آدھا گھنٹہ پہلے منسوخ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ۵ منٹ قبل روانگی جہاز تک جو مسافر پہنچ جائیں ان کو اجازت ہونی چاہیئے تاکہ وہ مسافر اپنے پروگرام مکمل کرسکیں اور جس کو پہلے مسافر کی جگہ ٹکٹ دیا گیا ہو وہ واپس کر دینا چاہیئے۔

مجھے اُمید ہے کہ ان تجاویز پر عمل کرنے سے ہوائی سفر آسان، پُرآسائش اور پُرامن ہوگا اور لوگ زیادہ سے زیادہ ہوائی سفر کی سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔

Marfat.com

میونسپل ادارے اور ڈویلپمنٹ اتھارٹیز

جہاں تک میونسپل کارپوریشنیں، میونسپل کمیٹیاں اور ٹاؤن کمیٹیوں کا تعلق ہے یہ بہت پرانے ادارے ہیں اور انسانی تہذیب و تمدن کے آغاز سے ہی وجود میں آ گئے تھے۔ جوں جوں شہر بستے گئے شہروں کی صفائی۔ روشنی۔ راستوں اور دیگر سہولتوں کے لئے معززین شہر مل کر میونسپل ادارہ بناتے تھے اور شہری سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے ان اداروں کے سپرد یہ کام کر دیتے تھے اور شہریوں میں سے ایک کمیٹی معزز اشخاص کی چن لی جاتی تھی جو اپنے اپنے میونسپل ادارے کے انتظام چلاتی تھی۔ ان اداروں کا ایک ایک چیئرمین، میئر یا سرپنچ ہوتا تھا۔ اس لئے ان اداروں کی تاریخ بہت پرانی ہے اور یہ ادارے ہزاروں سال قبل مسیح سے کام کر رہے ہیں۔ پاکستان میں اب نئے قانون کے مطابق بڑے بڑے شہروں میں اس کا نام میونسپل کارپوریشن سے پہلے لگا کر اس کا کارپوریشن کا نام رکھ لیا جاتا ہے۔ کم آبادی والے شہر کے نام کا پہلا لفظ لگا کر میونسپل کمیٹی کا نام دے دیا جاتا ہے اور سب سے کم آبادی والے شہر جن کی آبادی پانچ ہزار اشخاص سے زیادہ نہ ہو تو اس شہر کا پہلے نام لگا کر ٹاؤن کمیٹی کا نام دے دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر لاہور میونسپل کارپوریشن۔ میونسپل کمیٹی اوکاڑہ، ٹاؤن کمیٹی مریدکے جیسے ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ یہ ادارے اپنے اختیارات پرانے قواعد و ضوابط کے مطابق استعمال کرتے ہیں اور انہی لائنوں پر کام کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اب سابقہ بیس پچیس سالوں سے بڑے بڑے شہروں میں ڈویلپمنٹ کا کام بڑھ جانے سے ڈویلپمنٹ اتھارٹیز وجود میں آ گئی ہیں۔ پہلے یہ کام امپرومنٹ ٹرسٹ کے ذمے ہوتا تھا جو شہروں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے شہروں کے آس پاس زمین حاصل کر کے لوگوں کیلئے ڈویلپ پلاٹ مہیا کرتا تھا تاکہ اچھی اور صاف ستھری آبادیاں قائم ہو سکیں۔ یہ ادارہ گورنمنٹ کے تحت چلتا تھا۔ اب یہ اتھارٹیز اسی کام کو کرنے کے لئے اس کی وارث مقرر ہوئی ہیں اور ان کا نام بھی کسی بڑے شہر کا نام پہلے لگا کر اس کے آگے ڈویلپمنٹ اتھارٹی لگا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ جیسے لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی۔ ملتان ڈویلپمنٹ اتھارٹی۔ کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی۔ فیصل آباد ڈویلپمنٹ اتھارٹی وغیرہ وغیرہ۔ یہ ادارے مکمل طور پر آزاد ہیں۔ اگرچہ یہ نیم گورنمنٹ ادارے ہیں اور ان کا انتظام ایک اتھارٹی چلاتی ہے۔ ان کے اپنے

Marfat.com

ایڈمنسٹریٹر، ڈائریکٹر اور چیئرمین ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی مہریں ہوتی ہیں اور اسی نام سے لکھے اور پکارے جاتے ہیں۔

سب سے بڑی مشکل جو ان اداروں کے وجود میں آنے سے پیدا ہوئی ہے وہ میونسپل اداروں اور ڈویلپمنٹ اتھارٹیز کا آپس میں تصادم ہے۔ یہ دونوں ادارے اکثر اپنے اپنے اختیارات کا جھگڑا کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ اس کی ڈیوٹی ہے وہ کرے یا فلاں علاقہ ان کے اختیار میں نہ ہے اس لئے وہ وہاں کچھ نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو کام پہلے میونسپل ادارے اپنی ذمہ داری سمجھ کر کرتے تھے اب وہ بھی ایسا کرنا چھوڑ گئے ہیں اور عوام کو بھی مشکلات درپیش ہیں کہ جب وہ میونسپل اداروں کے پاس جاتے ہیں کہ فلاں سٹریٹ لائٹ نہ ہے۔ اور فلاں سٹریٹ کو پختہ نہیں کیا گیا یا فلاں نالے کو پختہ کرنا درکار ہے یا فلاں علاقے میں نقشہ منظور کروانا درکار ہے تاکہ مکان یا دیگر تعمیر کی جا سکے تو میونسپل ادارے یہ سب کام کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ڈویلپمنٹ اتھارٹی کا کام ہے اسی طرح جب ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے پاس سائل جاتا ہے تو کافی سوچ بچار کے بعد کہتے ہیں کہ یہ کام متعلقہ ادارے کا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شہر میں تمام تعمیرات بے مہار اونٹ کی طرح جس کا کوئی وارث نہ ہو ہو رہی ہیں اور کوئی شہری نقشہ کی پرواہ نہیں کرتا اور نہ ہی مطلوبہ جگہ سے قانون کے مطابق اپنی عمارت سیٹ بیک ہو کر بناتا ہے۔ جو گلیاں یا سڑکیں قیام پاکستان کے وقت کچی تھیں وہ اب بھی تقریباً کچی ہیں اور دیگر سہولتیں بھی جوں کی توں ہیں۔ ڈویلپمنٹ اتھارٹی کا ذیلی ادارہ واسا ہے جس کے تحت پینے کے پانی کا انتظام کام کر رہا ہے اور گندے پانی کا نکاس بھی ان کے ذمے ہے مگر میونسپل اداروں کی ضد میں آ کر کوئی نالہ پختہ نہیں کیا جا رہا اور گٹروں کی صفائی بھی نہیں کی جاتی جس کی وجہ سے گندہ پانی سڑکوں اور گلیوں میں پھیل کر تعفن کا باعث بنا رہتا ہے۔ یہی حال ناجائز تجاوزات کا ہے۔ ڈویلپمنٹ اتھارٹیز کہتی ہے کہ تجاوزات ہٹانا میونسپل کارپوریشن کا کام ہے۔ جبکہ میونسپل ادارے کہتے ہیں کہ یہ سڑکیں اور بازار ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے پاس ہیں اور ان تجاوزات کو ہٹانے کی اہل نہ ہے اور کبھی کبھی یہ دونوں ادارے ہی اپنے اپنے گینگ لے کر ایک ہی جگہ سے تجاوزات ہٹانے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ ان مشکلات کا ازالہ کرنے کے لئے حسب ذیل تجاویز دی جاتی ہیں۔

(۱) حقیقت یہ ہے کہ میونسپل ادارے ہی ہزاروں سالوں سے شہری انتظام یعنی صفائی، تعلیم، ٹرسٹ، پانی اور دیگر انتظامات کرتے چلے آ رہے ہیں اور اپنے اخراجات محصول چنگیوں اور مکانات کے ٹیکس سے پورا کرتے ہیں اور کچھ آمدنی جائیداد کی خرید ٹیکس سے

Marfat.com

سے حاصل کرتے ہیں تہ بازاری اور ناجائز تجاوزات جیسے مسائل بھی انکے پاس تھے۔ اور مکانات کے نقشے کا منظور کرنا اور ناجائز تجاوزات کا گرانا بھی ان کے ذمہ تھا۔ ڈویلپمنٹ اتھارٹیز کا اصل مقصد تو شروع شروع میں یہی تھا کہ وہ امپرومنٹ ٹرسٹ کی جگہ لیں گے اور بڑھتی ہوئی آبادی کو اچھے اور صاف ستھرے مکانات کے لئے اچھی آبادیاں بنا کر شہریوں کو پلاٹ دیں گے اور موجودہ دور کے تقاضے پورے کرتے ہوئے رہائشی سہولتیں ان آبادیوں میں مہیا کریں گے جہاں آبادی ہو سکتی ہے۔ اس طرح نئی نئی آبادیاں ڈویلپ کرنے متعلقہ میونسپل اداروں کے حوالے کر دی جائیں تاکہ وہ حسب سابق ان آبادیوں کو بھی اپنی حدود میں شامل کر کے اسی طرح جیسے پرانی آبادیوں کا شہر کا انتظام کرتے تھے کرتے رہیں مگر اب کچھ عرصہ سے ڈویلپمنٹ اتھارٹی کی مداخلت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ عام آدمی کے لئے یہ فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ کون سا ادارہ کون سا کام کرے گا۔

میری رائے میں ان حالات میں میونسپل اداروں اور متعلقہ ڈویلپمنٹ اتھارٹیز کو مدغم کر دینا چاہیئے اور ان کا انتظام ایک ہی ادارے کی صورت میں کیا جانا چاہیئے اور لوکل گورنمنٹ کے منتخب نمائندے ہی اس ادارے کا انتظام چلائیں اور یہ دونوں ادارے ایک جان ہو کر شہریوں کو بغیر کسی جھگڑے کے تمام سہولتیں بہم پہنچائیں تاکہ شہروں میں صفائی، تعلیم، صحت، روشنی، پانی اور سڑکوں وغیرہ کا انتظام بااحسن طریقے سے عمل میں آئے اور نئی اور صاف ستھری آبادیاں بھی قائم ہوتی رہیں۔

(۲) اگر یہ بات ناممکن ہو کہ یہ دونوں ادارے اکٹھے ہو سکیں تو پھر ان اداروں کے اختیارات بڑے واضح طور پر بنائے اور بتائے جائیں تاکہ عوام اور خود یہ محکمہ جانتے ہوں کہ ان اختیارات کا دائرہ کہاں کہاں تک ہے۔ انہوں نے کیا کیا کام کرنا ہے اور ابلاغ عامہ کے ذریعے مشتہر کر کے شہریوں کے لئے ان اداروں کے اختیارات کی نشاندہی کرنا ضروری ہے تاکہ وہ دونوں کے دروازوں پر بیٹھنے کی بجائے اپنے کام کے لئے متعلقہ ادارے کی طرف رجوع کریں۔

(۳) ناجائز تعمیرات کو روکنے کے لئے اور نقشہ جات کی منظوری کے لئے بڑے واضح قانون بنانے چاہئیں اور یہ کام کسی ایک ادارے کے سپرد ہونا چاہیئے۔ یعنی یا تو میونسپل ادارے کے پاس ہو یا ڈویلپمنٹ اتھارٹیز کے پاس ہونا چاہیئے تاکہ لوگ آسانی کے ساتھ اس

Marfat.com

قانون کے مطابق اپنے نقشے منظور کروا کر اپنے مکانات کی تعمیر و مرمت کروا سکیں۔ اس سے لوگوں کے لئے بھی سہولت ہوگی اور بد دیانتی و رشوت کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا۔ اس وقت صرف اسی شخص کا ناجائز تعمیر شدہ مکان گرایا جاتا ہے جس نے متعلقہ عملہ کو خوش نہ کیا ہو۔

(۴) مندرجہ بالا تجاویز پر عمل کرنے کے بعد جس ادارے کے ذمہ جو کام لگایا جائے اس کو پوری دیانتداری اور جذبہ سے کرنا چاہیئے تاکہ بلاوجہ عوام کے مسائل میں روڑے نہ اٹکائے جائیں اور ان کو پریشان نہ کیا جائے۔

بڑے بڑے شہروں کے اندر جو گندے نالے بہتے ہیں ان کو پختہ کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ ان کو اوپر سے بند کیا جاوے اور جہاں سے بوقت ضرورت کھولنا مقصود ہوں وہاں سلیب لگائے جائیں۔ سڑکوں اور گلیوں جو کہ میونسپل حدود میں ہیں ان کی مرمت و تعمیر کا کام بروقت کیا جائے۔ روشنیوں کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے۔ پرائمری سکول مزید قائم کئے جائیں ہیلتھ سنٹر زیادہ سے زیادہ قائم کئے جائیں۔ کوڑا کرکٹ سڑکوں پر ڈھیر لگانے کی بجائے اس کے لئے مختلف علاقوں میں جگہ حاصل کر کے فیلتھ ڈپو بنائے جائیں جہاں یہ گندگی کارپوریشن کے ٹرک اٹھاتے رہیں۔

ایک بار پھر تمام شہروں کے بڑے چوکوں، سڑکوں اور دیگر پبلک مقامات پر بیت الخلاء بنائے جائیں تاکہ لوگ دوران سفر اس سہولت سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اسی طرح کی دیگر شہری سہولتوں کی فراہمی سے شہریوں کی تکالیف دور کی جائیں۔

Marfat.com

باب نمبر ۱۶

مختلف یونینوں کی بحالی

یونین انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب دو یا دو سے زیادہ چیزوں کو اکٹھا کرنا ہے اور اس طرح اکٹھا کرنا یا جوڑنا کہ اگر علیحدہ کیا جائے تو ان کی انفرادی حیثیت میں فرق نہ آئے۔ یہ لفظ اب عام اصطلاح میں انسانوں کے اکٹھا ہو کر کسی مقصد کو حاصل کرنے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں میاں بیوی بھی ایک یونین ہیں جو انسانی فلاح کا ادارہ ہیں اور ایک گھریلو نظام کو چلانے اور بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کے لئے قائم ہوتا ہے جسے دنیا کے ہر ملک اور مذہب اور طبقۂ فکر میں پسند کیا جاتا ہے اب یونین کا نظام اسقدر وسیع ہو گیا ہے کہ ہر فیکٹری، کارخانے، سکولوں، کالج، یونیورسٹیوں اور دیگر مختلف اداروں اور محکموں میں لوگوں نے اپنی اپنی یونین یعنی انجمنیں بنائی ہوئی ہیں اور ان کا دائرہ کاروباری حلقوں، دوکانداروں مختلف کاروبار کرنے والوں نے اپنے اپنے کاروبار سے متعلق ملسلک مفاد کی یونینیں قائم کر لی ہیں اور اپنے مسائل ہر یونین مل بیٹھ کر سوچتی ہے اور حل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اپنے مسائل اور تکلیفیں جن کا تعلق حکومت یا ان کا کاروبار جس محکمے سے متعلق ہوتا ہے ان سے اپنی یونین کے عہدیداران کے ذریعے حل کروانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ ان یونینوں نے اپنے اپنے کام کی نوعیت اور علاقے کی نوعیت کے لحاظ سے اپنے اپنے نام تجویز کر رکھے ہیں۔ ان کے لئے پہلے ہی ایک محکمہ قائم ہے جہاں ایسی فلاحی انجمنیں رجسٹرڈ کی جاتی ہیں اور اسی رجسٹرڈ نام سے یہ اپنے اپنے مقصد حاصل کرنے کیلئے جانی جاتی ہیں ویسے تو کاروباری فرمیں اور کمپنیاں بھی رجسٹرڈ کی جاتی ہیں مگر ان کا دائرہ کاروباری نوعیت کا ہوتا ہے اور وہ اپنے مخصوص کاروبار کرتی ہیں اور اپنے نفع میں سے حکومت کو ٹیکس بھی ادا کرتی ہیں مگر اس کتاب میں ہم جن یونینوں یا انجمنوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ کاروباری نہیں بلکہ اصلاحی اور باہمی مفاد کے لئے قائم کی جانے والی یونینیں ہیں۔ اگر ہم تاریخ کے اوراق اٹھا کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ایسی فلاحی یونینوں نے بڑے بڑے کام کیئے ہیں۔ جنہوں نے قوموں کی تقدیر بدل کر رکھ دی ہے اور شہریوں کو وہ فائدے پہنچائے ہیں جو حکومت کے لئے پہنچانے مشکل تھے یا حکومت ایسا کرنا نہ چاہتی تھی۔ بڑے بڑے ہسپتال، تعلیمی ادارے جن میں سکول، کالج، یتیم خانے، کلبیں اور دیگر ادارے شامل ہیں سب انہی یونینوں اور انجمنوں کے تحت قائم ہوئے۔ پاکستان اور دیگر ملکوں میں بھی اسی طرح کے مذہبی

Marfat.com

اور مشنری ادارے قائم ہیں جنہوں نے شہریوں کی تعلیم و تربیت اور علاج معالجے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جیسے انجمن حمایتِ اسلام، مسلم اینگلو اورینٹیل سوسائٹی۔ دیال سنگھ ٹرسٹ، گنگا رام ٹرسٹ، انجمن خدام الدین، انجمن احیائے علوم، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، جامع ملیہ، انجمن تجوید القرآن، انجمن منہاج القرآن اور اسی طرح کی بیشمار انجمنیں قائم ہیں جنہوں نے بڑے اہم کردار ادا کئے ہیں۔ اسی طرح صنعتی اور کاروباری حلقوں میں بے شمار لیبر یونینیں جیسے بار ایسوسی ایشن لیبر یونین، ٹرانسپورٹ لیبر یونین، ریلوے لیبر یونین اور اسی طرح ہر فیکٹری کی اپنی علیحدہ علیحدہ یونینیں قائم ہیں۔ علمی اور ادبی حلقوں میں، اخبار فروش یونین اور صحافیوں کی یونین۔ بار کونسلیں، مختلف کاروباری مارکیٹوں کی یونینیں، میڈیکل کونسلیں، ٹیچرز یونینیں اور اسی طرح مختلف طلبا کی یونینیں جن میں ہر کالج اور یونیورسٹی کی اپنی اپنی یونینیں ہیں اور اسیطرح کلرکس یونین اور اب جج صاحبان کی بھی یونین بن گئی ہے اور اسی طرح بیشمار یونینیں قائم ہیں۔

ان تمام یونینوں، انجمنوں اور فلاحی اداروں کی کارکردگی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی اپنی یونین کے ذریعے جس مقصد کے لئے وہ قائم کی گئی تھیں بہت کام کیا ہے اور اب بھی کر رہی ہیں جس سے ان کے اپنے اپنے مقاصد کافی حد تک پورے ہوتے ہیں۔ اگرچہ سیاسی جماعتیں بھی یونین ہی ہیں مگر ان کے مقاصد ملے جلے ہیں اور زیادہ تر ان کا مقصد سیاسی ہوتا ہے۔ سیاسی جماعتیں بھی عوام کی فلاح و بہبود کے لئے قائم کی جاتی ہیں مگر وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے طاقت کو ذریعہ سمجھتی ہیں اور جس کے لئے وہ حکومت میں ایک خاص مقام حاصل کرنے کی کوششیں کرتی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا تمام یونینوں پر یا کسی خاص قسم کی یونینوں پر پابندی لگانا مناسب ہے یا نہیں اور جن یونینوں پر پابندی ہے کیا وہ پابندی اٹھانا مناسب ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) میری رائے میں یونین قائم کرنا خاص طور پر جمہوری ملکوں میں ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ اس لئے کسی یونین پر پابندی لگانا اس کے بنیادی حق کو چھیننے کے مترادف ہے۔ اس لئے پاکستان میں کسی بھی قانونی یونین پر جن میں سٹوڈنٹس یونینیں بھی شامل ہیں پابندی لگانا مناسب نہ ہے اور سٹوڈنٹ یونینوں اور دیگر یونینوں پر جو پابندیاں لگی ہیں ان کو فوری طور پر اٹھا لینا چاہیئے۔ ایسا کرنے سے دوہرا فائدہ ہو سکتا ہے۔ ایک تو انفرادی طور پر ہر شخص کے مطالبات سننا اور انکو حل کرنا مشکل ہے اور اگر کسی ادارے میں یونین قائم ہو تو ان کے چند عہدیداروں کی بات سن کر اگر مناسب ہو تو مان لینا آسان ہے اور اگر وہ بات یا تجویز جو یونین کے نمائندوں نے پیش کی ہے مناسب نہ ہو تو ان کو سمجھا کر راہِ راست پر لایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

اس سے انتشار بھی نہ پھیلے گا اور لوگوں کے مسائل بھی آسانی سے حل کیے جاسکیں گے۔ جہاں تک امن وامان کا تعلق ہے کہ یونینیں امن وامان میں خلل ڈالتی ہیں تو یہ انتظامیہ کا کام ہے کہ جو شخص یا اشخاص جرم کرتے ہیں ان کو پکڑ کر قانون کے حوالے کیا جائے اور پھر کسی مطالبے کے عوض جرم کرنے والے کو نہ چھوڑا جائے اور عدالت کے فیصلے پر ہی انحصار کیا جاوے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ہر طرح کی یونین بنانے کی آزادی ہو مگر سرکاری ادارے، سکول، کالج، یونیورسٹی ریلوے، صنعتی ادارے، کاروباری حلقوں اور دیگر یونینوں کا اپنا اپنا یونین نظام ہو اور اسے دوسری یونینوں کے الحاق کرنے کی اجازت نہ ہو۔ اس سے دوسری یونینیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔ اور یونینوں کی اپنی انفرادی حیثیت اور آزادی بھی بحال رہے گی۔

(۳) ہر یونین جو غیر قانونی مقاصد حاصل کرنے کے لیے قائم نہ کی گئی ہو اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے اور قانونی تحفظ اور مالی امداد دینا چاہیئے تاکہ اس یونین کے ممبران اپنے نیک مقاصد حاصل کرسکیں اور ان کی فلاح وبہبود ہو سکے۔

ایسا کرنے سے لوگ خود اپنے بہت سے مسائل حل کرسکیں گے اور حکومت سے بھی تعاون کریں گے۔

Marfat.com

باب نمبر ۱۷

رہائشی سہولتوں کی فراہمی

موجودہ حالات

پاکستان میں رہائشی مکانوں کی کمی ایک مسئلہ بن گیا ہے اور بڑھتی ہوئی آبادی کو رہائشی سہولتیں فراہم کرنے کے لیئے حکومت طرح طرح کے منصوبے بناتی رہتی ہے۔ دیہاتوں میں کچے اور پکے مکانات لوگ تو دیہی گاؤں میں پڑی ہوئی زمین پر بنا لیتے تھے اور اپنی رہائش کا انتظام خود ہی کر لیتے تھے۔ مگر اب تمام زمینیں تقریباً آباد ہو گئی ہیں اور اب دیہاتیوں کے لیئے بھی اپنے مکان بنانے کے لیئے زمین کا حصول مشکل ہو گیا ہے اور ہر دیہات کے قریب آس پاس کے شہروں کی طرح زمین مرلوں کے حساب سے بکنے لگی ہے۔ جہاں تک شہروں کا تعلق ہے شہروں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیشِ نظر حکومت پاکستان مختلف اداروں کے ذریعے شہروں کے قریب آبادیاں اور کالونیاں قائم کر کے رہائشی سہولتوں کا بندوبست کرتی رہتی ہے اور شروع شروع میں تو حکومت نے شہری آبادکاری کا محکمہ قائم کر کے لوگوں کو مکانات فراہم کیئے اور قیمتیں اقساط کی صورت میں الاٹیوں سے وصول کیں۔ اس طرح کئی آبادیاں لاہور میں بھی قائم کی گئیں جن میں سمن آباد اور رحمٰن پورہ ٹاؤن شپ شامل ہیں۔ سمن آباد میں ۱۰ مرلے، رحمٰن پورہ میں ۷ مرلے، سوڈیوال میں اور ٹاؤن شپ میں ۴ مرلے کے مکانات بنا کر دیئے گئے مگر اب ایک شرط جو الاٹیوں پر لگائی گئی وہ یہ تھی کہ وہ ۲۰ سال تک کسی کو آگے منتقل نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ امپرومنٹ ٹرسٹوں کے ذریعے مختلف اضلاع اور بڑے بڑے شہروں میں نئی آبادیاں اور کالونیاں قائم کر کے ان میں لوگوں کو پلاٹ الاٹ اور فروخت کیئے جن پر لوگوں نے اپنی مرضی کے مکانات تعمیر کیے۔ اس سے شہروں میں بہت پھیلاؤ پیدا ہو گیا اور کئی کئی میل تک شہری آبادیاں پھیل گئیں۔ جن کالونیوں اور آبادیوں میں لوگوں کو پلاٹ دیئے گئے یا فروخت کیئے گئے ان کو آگے منتقل کرنے کی پوری آزادی تھی۔ البتہ محکمے کی اجازت لے کر حقوق منتقل کیئے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشنوں نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا اور لوگوں کو فراخدلی سے قرضے دے کر مکانات کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ ایسا کرنے سے لوگوں کو نہ صرف رہائشی سہولتیں میسر آئیں

Marfat.com

بلکہ وہ جائیدادوں کے بھی مالک بن گئے۔

اب کچھ عرصہ سے یعنی سنہ ۱۹۷۰ء کے بعد سے پاکستان میں ایک ایسی فضا پیدا ہوئی ہے کہ لوگوں کو مفت حکومتی اور نجی زمینوں پر قبضہ کرنے کا موقع ملا اور انہوں نے مختلف جگہوں پر مختلف ناموں پر ہر شہر و قصبہ میں بے شمار کچی آبادیاں قائم کر لیں اور اپنے اپنے مکانات بنا کر ان میں رہنے لگے۔ سابقہ حکومت اور موجودہ حکومت نے بھی کچی آبادیوں کے رجحان کو سیاسی مصلحت سمجھتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کی اور اب موجودہ حکومت نے نہ صرف کچی آبادیوں کی حوصلہ افزائی کی بلکہ ان کو تمام مراعات دیکر ان کو پکی آبادیوں میں تبدیل کر دیا۔ کچی آبادیوں کے مکینوں کو مالکانہ حقوق دینے کا اعلان کیا۔ موجودہ حکومت نے نہ صرف کچی آبادیوں کو پکا کیا بلکہ ایک نیا کام شروع کیا ہے جس کے ذریعے دیہاتوں اور شہروں میں جناح کالونیوں کے نام سے بیشمار سکیمیں بنانی شروع کیں اور بے شمار لوگوں کو جن میں یتیم بچے، بیوہ عورتیں اور صنعتی کارکن اور دیگر بے گھر لوگ شامل ہیں کو پلاٹ دینے شروع کر دیئے اور آئندہ بھی منصوبے بنائے جا رہے ہیں کہ ایسے لوگوں کو مفت پلاٹ یا مکانات دیئے جائیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ پابندی بھی لگائی جا رہی ہے کہ یہ پلاٹ اور مکانات صرف مسلم لیگ کی حمایت کرنے والے لوگوں کو دیئے جائیں گے اور آلاٹی ۲۰ سال تک پلاٹوں یا مکانوں کے حقوق آگے منتقل نہ کر سکیں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا کرنے سے تمام لوگوں کو رہائشی سہولتیں میسر آ جائیں گی اور کیا اس طرح پلاٹ و مکان لینے سے لوگ مطمئن ہو جائیں گے اور کیا وہ پاکستان کے اچھے شہری کہلانے کے حق دار ہوں گے اور کیا ایسا کرنے سے وہ موجودہ حکومت کی تائید و تعریف کرتے رہیں گے اور کیا ان کی رہائشی ضرورتیں نہیں بڑھیں گی اور کیا وہ اپنے آپ کو مکانوں اور پلاٹوں کا مالک سمجھ سکیں گے اور ان کو آگے منتقل کر کے جائیداد کی خرید و فروخت جیسی آزادی سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اور اس سلسلے میں ایمانداری اور دیانتداری قائم رہے گی اور کیا دھوکہ فریب اور جعل سازی بڑھے گی یا کم ہو گی؟

میرے خیال میں ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں دیا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنے یتیموں اور بیواؤں کو پلاٹ یا مکانات دیئے گئے ہیں وہ سب کے لئے کافی نہیں تھے۔ اور ان کے علاوہ بھی بیشمار یتیم اور بیوائیں ایسی ہیں جن کو پلاٹ یا مکان نہیں مل سکے اور نہ ہی آئندہ ایسا کرنے کے لئے کوئی سکیم تیار کی گئی ہے۔ اگر تمام یتیموں اور بیواؤں کو ایک

Marfat.com

دفعہ پلاٹ یا مکانات دے بھی دیے جائیں تو پھر بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگلے ہی روز کٹی اور بچے یتیم اور بیوائیں جن کے پاس مکان نہیں ہیں مستحق نظر آسکتے ہیں۔ اس لئے ایک دفعہ ایسا کرنے سے یتیموں اور بیواؤں کی مدد کارآمد ثابت نہیں ہوسکتی۔ علاوہ ازیں جو پلاٹ صنعتی کارکنوں اور مزدوروں کو دیئے گئے یا دیئے جارہے ہیں وہ بھی پاکستان کے تمام مزدوروں اور صنعتی کارکنوں کو نہیں دیئے جارہے۔ اس لئے یہ مسئلہ بھی حل نہیں ہوسکتا کہ پلاٹوں اور مکانوں کی ایک مخصوص تعداد ان لوگوں کو آلاٹ کرنے سے ان کی ضروریں پوری ہوجائیں گی۔ اس لئے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کسی مستقل سکیم کی ضرورت ہے جو آنے والی ضرورتیں پوری کرسکے اور پھر کیا تین تین مرلے یا چار چار مرلے کے پلاٹ ان لوگوں کے لئے کافی ہیں؟ کیونکہ آج کا مزدور کل کا صنعت کار یا امیر آدمی بن سکتا ہے اور اسی طرح آج کا امیر آدمی کل کو اس غریب آدمی سے بھی بدتر حالات میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ اسی طرح دیہاتوں میں بھی سات سات مرلے کے پلاٹ دینے سے اور یہ شرط لگانے سے کہ وہ ۲۰ سال تک آگے منتقل نہیں کرسکتے یہ کسی مسئلہ کا حل نہ ہے۔ کیونکہ دیہاتی بھی نقل مکانی کرکے دوسری جگہ جاسکتا ہے، مرسکتا ہے یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے اس گاؤں کو چھوڑ سکتا ہے تو اس طرح اگر وہ اپنی جائیداد یا مکان کو فروخت نہ کرسکے تو یہ بھی ظلم ہے نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو آلاٹی کسی مشکل کی وجہ سے اپنا الاٹ شدہ مکان یا پلاٹ منتقل کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے لئے کارآمد نہ رہا تو وہ یقیناً اندرون خانہ کسی کے ہاتھ فروخت کرکے اپنی رقم وصول کرے گا اور کسی کو مختار بنا کر قبضہ دے جائے گا جو کہ قانونی طور پر جائز نہیں اور ایک کھلا دھوکہ ہے اس طرح ایک ایسی برائی جنم لے گی جس کا ختم ہونا ناممکن ہے اور اگر کسی کی شکایت پر وہ آلاٹمنٹ منسوخ کردی گئی تو خریدنے والا مارا جائے گا۔ جیسے کہ پہلی سکیموں میں جو شہری آبادکاری کے محکمہ نے تیار کی تھیں ہوا ہے۔ آئے دن کی مقدمہ بازی اور اسی طرح کے دھوکہ و فریب کے واقعات منظر پر آرہے ہیں کہ آلاٹی کوئی ہے اور قابض کوئی اور ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ پاکستان جیسے ملک جس میں ہم توقع کرتے ہیں کہ ہر کام ظاہری اور باطنی طور پر ایمانداری سے ہو اور رزق حلال کما کر رہائشی سہولتیں حاصل کرکے شہری امن کی زندگی بسر کرسکیں ناممکن ہے۔ اسی طرح کچی آبادیوں کا مسئلہ ہے کہ لوگ خواہ جائز یا ناجائز طریقے سے حکومتی اور سنجی زمینوں پر قابض ہوجاتے ہیں اور حکومت اُن آبادیوں کو کچی آبادیاں قرار دیکر حقوق دینے کو تیار ہوجاتی ہے اور ایسا کیا بھی گیا ہے۔ سیاسی مصلحت کی خاطر تو بات درست ہوسکتی ہے۔ مگر قانونی اور مذہبی لحاظ سے

Marfat.com

اور اخلاقی تقاضوں کے پیشِ نظر یہ بات بہت ہی غلط ہے کہ زبردستی لوگوں کی زمینوں پر قبضہ کر کر لیا جائے اور نجی مالکان کو معقول معاوضہ بھی نہ دیا جائے تو یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اس لئے کچی آبادیاں بننے کی اجازت دینا اور پھر ان کو پکا کرنا بھی رہائشی مسئلہ کا حل نہ ہے بلکہ لوگوں کو ایک برائی کرنے کی عادت ڈالنا ہے کہ وہ لوگوں کی جائیدادیں مفت یا معمولی معاوضہ کے عوض ہتھیا لیں جو نہ صرف عزتِ نفس کے خلاف ہے بلکہ سراسر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رہائشی مسائل ایسے ہیں جو کہ روز افزوں آبادی کے بڑھنے سے پیدا ہوتے ہیں گے اور ان کے مستقل حل کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کو رہائشی سہولتیں بھی میسّر ہوں اور حکومت اور نجی جائیداد کے مالکان کا نقصان بھی نہ ہو جس سے کسی طبقہ میں حکومت کے خلاف نفرت پھیلے۔ اس لئے رہائشی مسائل کو مستقل طور پر حل کرنے کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) موجودہ تمام پروگرام میں جن لوگوں کو دیہاتوں اور شہروں میں پلاٹ یا مکانات یا فلیٹس بنا کر مفت دینے کے لئے گورنمنٹ آف پاکستان نے بنائے ہیں ان کو فی الفور ختم کر دینا چاہیے کیونکہ یہ بات ممکن نہ ہے کہ ہر ضرورت مند کو پلاٹ یا مکان مل سکے۔ اس کے علاوہ لوگوں میں خاص طور پر مسلم معاشرے میں مفت چیزیں حاصل کرنے کی عادت پڑے گی جس کی مذہب اسلام اجازت نہیں دیتا کیونکہ اس سے مسلمانوں کی انا مجروح ہوتی ہے۔ ویسے بھی مفت دینے والے پروگرام چند ماہ یا چند سال ہی چلتے ہیں جو کسی مسئلے کا مستقل حل نہ ہے۔

(۲) رہائشی مسائل کا اصل حل یہ ہے کہ حکومت ہر بڑے شہر، ہر ضلع اور ہر تحصیل کی سطح پر ایک محکمہ آبادکاری قائم کر کے اس کی شاخیں کھولے اور عوام میں مشتہر کرائے کہ جس شخص کو جہاں کا وہ رہنے والا ہے وہاں پلاٹ، مکان، فلیٹ درکار ہو تو وہ اس محکمہ کے دفتر سے رجوع کرے اور ایک چھپے ہوئے فارم پر درخواست دے کہ وہ کتنے سائز کا پلاٹ، مکان یا فلیٹ لینا چاہتا ہے اور حکومت ایک سال تک تمام درخواستیں جہاں وصول ہوں ان دفاتر میں باقاعدہ درج رجسٹر کروائے اور رسائل کو اس کی درخواست کا نمبر دے دیا جائے اور اگر درخواست کے ساتھ کوئی فیس رکھی ہو تو اس کی رسید جاری کی جائے۔ اور ایک سال کے بعد ہر شہر، ضلع اور تحصیل میں سائیلان کی تعداد کے مطابق شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کی پرانی آبادیوں سے ملحقہ زمینیں خرید کر سکیمیں بنائے اور جتنے لوگوں کی درخواستیں آئی ہوں ان کو پلاٹ یا مکان وغیرہ جس کا سائز ان کی درخواستوں

Marfat.com

میں لکھا ہوا ہو اس کے مطابق پلاٹ یا مکان وغیرہ دیئے جائیں۔ اس میں کسی قرعہ اندازی کرنے کی ضرورت نہیں۔ جتنے لوگ ضرورت مند ہوں جن کی درخواستیں آئی ہوں انہیں پلاٹ دیئے جائیں اور پلاٹ کی قیمت وہ رکھی جائے جو زمین خریدنے پر خرچ ہوئی ہو۔ یا اس کو ڈویلپ کرنے پر صرف ہوئی ہو۔ اور اگر مکانات یا فلیٹس ہوں تو ان کے اخراجات معہ قیمت زمین کل خرچہ تقسیم کر کے قیمت نکالی جائے اور اتنی ہی قیمت وصول کی جائے جتنی حکومت کی طرف سے پلاٹ بنانے، ڈویلپ کرنے یا مکان و فلیٹس تعمیر کرنے پر اخراجات آئے ہوں وہ قیمت جو ۲۰ سالہ اقساط میں وصول کی جائے اور وہ جائیداد اتنا عرصہ حکومت کے پاس رہن رہے اور یہ بھی اجازت ہونی چاہیئے کہ آلاٹی جب چاہے ساری قیمت ادا کر کے رجسٹری کروا سکتا ہے اور اسکو آلاٹ شدہ اور رہن شدہ پلاٹ مکان یا فلیٹ کو آگے منتقل کرنے کے پورے پورے اختیارات حاصل ہونے چاہئیں تاکہ وہ حسب ضرورت یہ جائیداد منتقل کر سکے۔ یہ منتقلی محکمہ کو بخوشی قبول کر لینی چاہیئے اور خریدار کے نام معہ قرضہ اس کے نام منتقل کر دینا چاہیئے تاکہ بقایا ادائیگی کا خریدار خود ذمہ دار ہو۔ یہ سلسلہ ہر دیہات تک پھیلا ہوا ہونا چاہیئے اور دیہاتی اپنے علاقے کے دفتر جو کہ اے۔ سی تحصیل کے ساتھ منسلک ہوں درخواستیں دیں اور ان کو بھی اسی طرح ایک سال درخواستیں وصول کرنے کے بعد حسب ضرورت متعلقہ گاؤں جس کا سائل رہنے والا ہے ملحقہ زمین خرید کر پلاٹ دیا جاوے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کام کے لئے شہروں، قصبوں، تحصیلوں اور دیہاتوں سے دور ہٹ کر نئی آبادیاں نہ بسائی جائیں بلکہ پرانی آبادیوں میں پھیلاؤ پیدا کئے جائیں کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ زیادہ تر لوگوں کو مختلف سائز کے جن میں تین مرلے، پانچ مرلے، مرلے، دس مرلے، پندرہ مرلے اور ایک کنال کے پلاٹ دیئے جائیں اور جیسا کوئی پلاٹ لینا چاہے اسے دے دیا جائے اور پھر بنکوں کو ہدایت فرمائی جائے کہ وہ معقول ضمانت لے کر مکان کی تعمیر کے لئے قرضہ فراہم کریں۔ اس طرح حکومت کو اپنی طرف سے بھی کوئی رقم خرچ نہیں کرنا پڑے گی۔ اور لوگوں کی رہائشی ضرورتیں بھی پوری ہوتی رہیں گی اور فوری طور پر زمینیں خریدنے کے لئے حکومت کو جو رقم درکار ہو وہ حکومت کی اپنی بنجر یا زرعی زمین نیلام کر کے مطلوبہ رقم حاصل کی جائے۔ یہ سکیم باطریقہ کار اسی طرح سارے ملک میں اس وقت تک چلتا رہے جب تک لوگوں کی درخواستیں آنی بند

Marfat.com

نہ ہو جائیں۔ پہلے کچھ سالوں کے لئے ایک ایک سال کی اکٹھی درخواستوں پر پلاٹ دیئے جائیں اور چند سالوں کے بعد جب درخواستوں کی تعداد کم ہو جائے تو اس معیاد کو بڑھا کر ۲ سال، ۳ سال، ۴ سال یا ۵ سال کر دینا چاہیئے۔ اس طرح کرنے سے کوئی شخص ایسا نہیں رہے گا جو اپنا رہائشی مکان خواہ وہ شہر میں رہتا ہو یا دیہات میں نہ حاصل کر سکے اور پھر یہ شرط رکھی جائے کہ ایک دفعہ وہ جس جگہ پلاٹ حاصل کرلے گا دوبارہ اس گاؤں یا شہر میں حاصل نہ کر سکے گا۔ البتہ اگر کسی دوسرے علاقے میں پہلا مکان یا پلاٹ فروخت کر کے نقل مکانی کر جائے تو اس علاقے میں بھی ان سہولتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ان رہائشی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ شرط نہ رکھی جائے کہ وہ مرد ہو یا عورت شادی ہو یا غیر شادی شدہ ہو البتہ اس سکیم سے فائدہ اٹھانے والا شخص بالغ اور ذی شعور ہو۔ اس طرح اس مستقل سکیم سے تمام پاکستانی شہری فائدہ اٹھائیں گے اور ان میں خوشحالی اور اطمینان پیدا ہوگا۔ وہ حکومت سے بھی تعاون کریں گے اور ان کی اپنی انا بھی مجروح نہیں ہوگی۔

(۳) پیرا نمبر ۲ میں دی گئی سکیم پر عملدرآمد کے لئے حکومت ایک محکمہ آبادکاری بے گھر لوگوں کے لئے قائم کرے اور اس کے ذیلی دفاتر حسب ضرورت پورے ملک میں کھولے جائیں اور مندرجہ بالا سکیم کے مطابق قوانین بنائے جائیں اور محکمہ اپنے خاص فارم چھپوائے جس پر سائل کا نام و پتہ جہاں وہ رہتا ہے اور متعلقہ جگہ جہاں وہ پلاٹ یا مکان لینا چاہتا ہے اور اس پلاٹ کا سائز یا رقبہ بھی درج کرے اور اس فارم کی تصدیق کا طریقہ بالکل آسان ہونا چاہیئے جو اسی دفتر کا ایک آفیسر ہر طرح کی تسلی کر کے خود کرے اور اگر شک ہو تو اپنے محکمہ کا آبادکاری انسپکٹر بھیج کر اس شخص کے دیئے ہوئے کوائف کی تسلی کر کے رپورٹ دے اور متعلقہ آفیسر اس کی تصدیق کر کے درج رجسٹر کرے اور بغیر کسی قرعہ اندازی کے پہلے آئیے پہلے پائیے کی بنیاد پر لوگوں کی مطلوبہ تعداد کے مطابق پلاٹ تیار کر کے دیئے جائیں۔ درخواست کے ہمراہ ۵ مرلے تک کے پلاٹ کے لئے ۵۰/- روپے فیس، ۱۰ مرلے تک کے پلاٹ کے لئے ۱۰۰/- روپے اور ایک کنال تک کے پلاٹ کے لئے ۲۰۰/- فیس ناقابل واپسی وصول کی جائے اور اس کی علیحدہ ایک رسید جاری کی جائے جس سال درخواست دے اگلے سال لازمی مطلوبہ پلاٹ تیار

Marfat.com

کر کے آلاٹ کر دیئے جائیں۔ اس طرح ہر سال درخواستوں پر نئے نمبر لگیں اور آنے والے سال میں پلاٹ کی آلاٹمنٹ ہو۔ کسی پاکستانی شہری کو رنگ و نسل، ذات برادری، مذہب اور فرقہ کی بنیاد پر ان رہائشی سہولتوں سے محروم نہ رکھا جاوے اور نہ ہی سیاسی ترجیحات کو سامنے رکھا جائے۔

(۴) اس سکیم کے لئے زمین شہری، قصباتی اور دیہاتی آبادیوں سے ملحقہ حاصل کی جائے اور مالکانِ زمین سے بات چیت کر کے اور بازاری قیمت ادا کر کے لی جائے۔ قیمت یا معاوضہ پورا اور فوری طور پر ادا کیا جاوے تاکہ بلا وجہ مقدمہ بازی نہ بڑھے۔ مجھے اُمید ہے کہ ان تجاویز پر عمل کرنے سے رہائشی مسئلہ مکمل طور پر حل ہو جائے گا۔

Marfat.com

باب نمبر ۱۸

پاکستان میں سیاست اور سیاسی جماعتیں

موجودہ حالات

پاکستان وجود میں آنے سے قبل متحدہ ہندوستان میں بھی اگرچہ انگریز حکمران تھا اور ہندوستان کی حیثیت ایک نوآبادی کی سی تھی پھر بھی ملک میں جمہوریت قائم تھی اور ہندوستان کے تمام صوبہ جات میں اسمبلیاں قائم تھیں اور مخصوص مدت کے لئے ممبران چنے جاتے تھے جو اپنے اپنے صوبے میں حکومتی نظام چلاتے تھے۔ اس وقت کیونکہ مرکزی حکومت برطانیہ میں تھی اس لئے قومی اسمبلی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور اس نوآبادی کا نظام چلانے کے لئے گورنر جنرل برطانیہ سے نامزد ہو کر آتے تھے جو وہاں کے شہری ہوتے تھے اور انگریز نسل سے ہوتے۔ صوبوں کا انتظام چلانے کے لئے ہر صوبے کے گورنر مقرر تھے اور حکومت کا سب سے چھوٹا یونٹ ڈپٹی کمشنر تھا جس کے پاس تمام انتظامات ہوتے تھے اور وہی گورنمنٹ کا نظام چلاتا تھا اور سب سے اعلیٰ عہدہ صوبے کا نظام چلانے کے لئے گورنر کا ہوتا تھا انگریزوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں صدیوں سے بادشاہت ہی مروج تھی۔ مسلمان سربراہ بادشاہ اور شہنشاہ کے نام سے جانے جاتے تھے اور ہندو راجے اور مہاراجے کے ناموں سے پکارے جاتے تھے۔

جب تحریک پاکستان اور آزادیٔ ہندوستان کی تحریک شروع ہوئی تو یہی بات ذہن میں تھی کہ آزادی کے بعد بھی جمہوری حکومت ہی ہندوستان میں ہوگی کیونکہ اس چیز کا انگریزی حکومت میں لوگوں کو تجربہ تھا اور بادشاہت کے خاتمے کے بعد لوگوں نے جمہوری حکومت کو ہی اپنی مشکلات کا حل سمجھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب تحریک زور پکڑ گئی تو یہی تصور لوگوں کے ذہن میں تھا کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں جمہوری حکومت ہوگی۔ مگر مختلف قوموں کے ہندوستان میں آباد ہونے کی وجہ سے دو نظریے پروان چڑھے۔ ایک یہ تھا کہ انگریزوں سے آزادی لینے کے بعد لوگ متحدہ ہندوستان میں ایک جمہوری حکومت کے سائے تلے آزادی کا سانس لیں اور اپنا نظام خود چلائیں دوسرا نظریہ یہ تھا کہ آزادی کے بعد سب قومیں مل کر ایک حکومت کے تحت نہیں بیٹھ سکتیں اور

Marfat.com

نہ ہی امن قائم رہ سکتا ہے۔ اب دیکھا یہ گیا ہے کہ پورے ہندوستان میں دو قومیں سب سے نمایاں تھیں ایک مسلمان قوم جن میں اگرچہ فرقہ بندیاں تو تھیں مگر بنیادی طور پر وہ ایک ہی قوم کہلاتے تھے اور دوسری ہندو قوم تھی جس میں بیشمار فرقے تھے اور سکھ بھی انہیں میں سے سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے وہ اپنا تیسرا نظریہ پیش نہ کر سکے۔ اس تحریک یعنی آزادی کی تحریک کو کامیاب بنانے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں ایک علیحدہ ملک قائم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی جس کی بنیاد پر مسلم لیگ جیسی جماعت ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں قائم ہوئی۔ اگرچہ اس کا مقصد شروع میں علیحدہ ملک قائم کرنا نہ تھا مگر آہستہ آہستہ ہندو قوم کے رویے سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ آزادی کے بعد مسلمانوں کو آزادی کی بجائے ایک دوسری غلامی اختیار کرنی پڑے گی جو ہندو قوم کی غلامی ہو گی۔

کیونکہ ہندوستان میں اکثریت ہندو مذہب یا اس سے تعلق رکھنے والی قوموں کی تھی اس لئے آہستہ آہستہ یہ آواز منظرِ عام پر آ گئی کہ مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن ہونا چاہیئے جس میں تمام مسلمان اپنے مذہبی عقائد اور نظریات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور اپنی جمہوری قدریں بھی بحال کریں۔ اس تحریک میں قائداعظمؒ کی شمولیت سے علیحدہ ملک بنانے کی تحریک کو تقویت ملی اور پھر علامہ اقبالؒ کی شاعری نے بھی مسلمانوں میں ایک نیا جذبہ اور ولولہ پیدا کیا پہلی بار چوہدری رحمت علی صاحب نے علیحدہ ملک کا نام پاکستان تجویز کیا اور تمام راہنماؤں نے اس کی نہ صرف تائید کی بلکہ تحریک آزادی میں ملک پاکستان قائم کرنے کو سرفہرست رکھا۔ پھر جیسے جیسے آزادی کی تحریک آگے بڑھتی گئی نظریہ پاکستان مضبوط ہوتا گیا اور آخر کار ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آ گیا۔ پاکستان وجود میں آنے سے قبل یہ بات طے ہو گئی تھی کہ مسلم اکثریت والے صوبے جن میں سندھ، صوبہ سرحد، اور بلوچستان کے پورے پورے صوبے پاکستان میں شامل ہوں گے اور بنگال اور پنجاب کو تقسیم کر کے آدھا بنگال پنجاب پاکستان میں شامل ہوگا اور باقی آدھے حصے ہندوستان میں شامل ہوں گے اور ریاستوں کے متعلق یہ بات طے پائی کہ ان کے سربراہ جس ملک میں چاہیں شامل ہو جائیں۔ اسی اصول کے مطابق بہت سے مسلم سربراہوں نے اپنی اپنی ریاستوں کا الحاق جن میں بہاولپور سوات وغیرہ شامل ہیں پاکستان سے کر لیا۔

پاکستان وجود میں آنے کے بعد سب سے پہلے پاکستان میں اسی جمہوری تحریک کو چلاتے ہوئے جمہوری حکومت قائم کی گئی اور قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے اور لیاقت علی خاں پہلے وزیراعظم۔ اسی طرح صوبوں میں ۱۹۴۶ء کے الیکشن کے مطابق جو صوبائی

Marfat.com

اسمبلیوں کے ممبر منتخب ہوئے۔ انہوں نے صوبائی اسمبلیاں قائم کیں اور صوبائی حکومتوں نے کام شروع کر دیا اور صوبوں کے گورنر بھی منتخب کئے گئے۔ اس طرح پاکستان میں قائداعظم کی سربراہی میں جمہوری حکومت کا عمل شروع ہوا اور یہ عمل ۱۹۵۶ء تک چلتا رہا۔ اس کے مطابق ۱۹۵۶ء کا آئین وجود میں آیا اور پھر الیکشن کے بعد اس کے مطابق مرکزی اور صوبائی حکومتیں قائم ہوئیں اس جمہوری عمل میں سب سے پہلی رکاوٹ اس وقت پیدا ہوئی جب سکندر مرزا صاحب ملک کے گورنر جنرل بنے اور صدر محمد ایوب خان صاحب جو اس وقت پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف تھے نے ملک میں قومی اسمبلی میں معمولی نوعیت کے اختلاف کی وجہ سے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور بعد میں سکندر مرزا صاحب کو جلاوطن کر دیا۔ پاکستان میں تمام جمہوری ادارے توڑ دیئے گئے اور پھر ۱۹۶۲ء میں ایک نیا نظام جو بنیادی جمہوریتوں کے نام سے موسوم ہے رائج کیا اور ۱۹۶۲ء کا آئین بنایا گیا۔ پاکستان کے پانچ کی بجائے دو صوبے بنائے گئے اور اسی آئین کے تحت بنیادی جمہوریتوں کا نظام قائم کیا گیا اور اس کا مقصد یہ ظاہر کیا گیا کہ پاکستانی عوام کو سیاست کا شعور نہ ہے اس لئے بنیادی سیاسی ادارے یونین کونسلیں اور یونین کمیٹیاں قائم کیں اور انہوں نے اپنے چیئرمین منتخب کئے۔ یہ صدارتی نظام حکومت تھا اور پھر یہ چیئرمین آگے ملک کے صدر کو چنتے تھے۔ اس طرح بالواسطہ انتخابات رائے جاتے تھے اور ملک کے سربراہ کا چناؤ ہوتا تھا۔ اگرچہ ۱۹۶۲ء کے دستور کے مطابق ملک میں جمہوریت تھی مگر ساتھ ساتھ مارشل لاء بھی تھا اور اسی طرح مارشل لاء کورٹس بھی کام کرتی تھیں۔ اس لئے حقیقت میں جمہوریت قائم نہ ہو سکی۔

اسی طرح جب تیسری بار صدر ایوب نے حکومت میں رہنا چاہا تو عوامی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اور سڑکوں پر جلسے اور جلوس نکلتے ہوئے نظر آئے۔ اس تحریک کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو صاحب جو کہ پاکستان کے وزیر خارجہ بھی رہ چکے تھے نے پاکستان پیپلز پارٹی کے نام سے سیاسی جماعت قائم کی جس کی لوگوں نے اس لئے حمایت کی کہ وہ پہلے سے مارشل لاء سے تنگ آ چکے تھے۔ انجام کار ایوب صاحب نے اپنی حکومت کی باگ دوڑ اس وقت کے کمانڈر انچیف جنرل محمد یحییٰ خان کے حوالے کی اور خود حکومت سے دستبردار ہو گئے۔ پھر صدر محمد یحییٰ صاحب نے افواجِ پاکستان کے انتظام میں ۱۹۷۰ء کے بلاواسطہ الیکشن کروائے اور یہ الیکشن پاکستان کی تاریخ میں غیر جانبداری کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ اس الیکشن میں عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی میں زبردست مقابلہ ہوا۔ عوامی لیگ کا سربراہ شیخ مجیب الرحمان مشرقی پاکستان سے تھا۔ جب کہ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ تھے اور وہ مغربی پاکستان سے تھے۔ عوامی لیگ نے قومی اسمبلی میں اکثریت حاصل کر لی اور اصولی طور پر

Marfat.com

شیخ مجیب الرحمان ہی وزیر اعظم پاکستان بننے کے اہل تھے مگر چند خدشات اور مفاد پرستوں کے کہنے پر حکومت ان کے حوالے نہ کی گئی جس سے مشرقی پاکستان میں بنگلہ دیش کی تحریک شروع ہوئی اور ۱۹۷۱ء کی جنگ اسی کا نتیجہ تھی اور اس جنگ کا انجام نہ صرف پاکستانی افواج کی ذلت اور ناکامی کا باعث بنا بلکہ ملک کا آدھا حصہ یعنی مشرقی پاکستان ایک آزاد ملک یعنی بنگلہ دیش وجود میں آگیا اور پاکستانی افواج اور عوام کی ایک بہت بڑی تعداد جو کہ تقریباً ایک لاکھ کے قریب تھی ہندوستان کی قید میں چلی گئی اور جن کا واپس لانا بھی مشکل ہوگیا۔ اس تحریک کا فائدہ ہمسایہ ملک ہندوستان نے اٹھایا اور مہاجرین کی امداد کے بہانے بنگلہ دیش کی آزادی میں مثبت کردار ادا کیا۔ اس کشمکش میں صدر پاکستان جنرل محمد یحییٰ خان نے ۱۹۷۰ء کا درمیانی آئین جس کے تحت پاکستان کے پھر چار صوبے بنائے گئے نافذ کیا اور پھر جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوگیا اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ سب کچھ مارشل لاء کی حکومتوں سے ہوا ہے تو فوری طور پر پاکستان پیپلز پارٹی کے صدر ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے حکومت حوالے کر دی گئی جنہوں نے بڑی تیزی سے ملک میں انقلابی تبدیلیاں کیں اور پھر دستور پاکستان ۱۹۷۳ء کو نہ صرف بنایا بلکہ اس دستور کے مسودہ پر اس وقت کی تمام اہم سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لیا اور ان کے اس دستور کے مسودے پر دستخط لئے اور اس طرح پاکستان میں متفقہ طور پر دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۹۷۳ء وجود میں آیا جو اب پھر بحال ہو کر پاکستان میں موجودہ حکومت نے نافذ کر دیا ہے۔

۱۹۷۷ء میں جب دستور پاکستان ۱۹۷۳ء کے مطابق پہلے الیکشن ہوئے تو ملک کی سربراہ جماعت نے ان انتخابات میں غیر جانبداری کا مظاہرہ نہ کیا اور جگہ جگہ سے انتخابات میں دھاندلیوں کی خبریں عام ہوگئیں جس وجہ سے ملک میں ایک نیا سیاسی اتحاد قائم ہوا جس کا نام پاکستان قومی اتحاد رکھا گیا۔ اس میں پاکستان کی بہت سی سیاسی جماعتوں نے بھرپور حصہ لیا اور ایک عوامی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی جس کو دبانے کے لئے پاکستانی افواج سے کام لیا گیا مگر پھر بھی لوگوں کا جوش و جذبہ جو جمہوری عمل کے لئے قائم ہوا تھا دبتا ہوا نظر نہ آیا اور پھر صدر جناب محمد ضیاء الحق نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک میں تاریخ کا طویل ترین مارشل لاء نافذ کر دیا۔ اس مارشل لاء کو قائم رکھنے کے لئے کئی جمہوری ادارے جن میں مجلس شوریٰ بھی تھی بنائے گئے اور بلدیاتی انتخابات آرڈی ننس سال ۱۹۷۹ء نافذ کر کے کروائے۔ مگر بلدیاتی ادارے اگرچہ مقامی طور پر مسائل حل کر سکتے ہیں مگر ملکی سیاست میں کوئی اہم کام انجام نہ دے سکے پھر ۱۹۸۵ء میں بلاواسطہ عام انتخابات کروائے گئے جس کے نتیجہ میں موجودہ صوبائی حکومتیں اور مرکزی حکومت قائم ہوئی اور دستور پاکستان ۱۹۷۳ء بحال کر کے نافذ کر دیا گیا۔ اگرچہ

Marfat.com

یہ انتخابات بلاواسطہ تھے مگر ان انتخابات سے پہلے جو پابندیاں لگائی گئیں تھیں وہ نہ صرف غیر جمہوری تھیں بلکہ بیشمار لوگوں نے اور سیاسی پارٹیوں نے ان میں حصہ لینے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اب تک سیاسی فضا جو کہ جمہوریت کی روح ہے درست نہیں ہوئی اور لوگوں میں اب تک اضطراب کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

موجودہ امن وامان میں خلل اور بموں کے دھماکے اسی اضطراب کا نتیجہ ہیں۔ جہاں تک سیاسی جماعتوں کا تعلق ہے اس وقت ملک میں تقریباً بیس سیاسی جماعتیں سرگرم عمل ہیں جن میں مسلم لیگ اور اس کی مختلف شاخیں، جماعتِ اسلامی، پاکستان پیپلز پارٹی، تحریک استقلال، پاکستان جمہوری پارٹی، جمعیت العلمائے پاکستان، جمعیت العلمائے اسلام، پاکستان نیشنل پارٹی، کسان پارٹی، پاکستان نیشنل پیپلز پارٹی، پاکستان نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی، غریب عوام پارٹی اور اسی طرح بیشمار دوسری سیاسی پارٹیاں قائم ہیں۔

ان حالات اور پسِ منظر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب سے انگریزوں نے ہندوستان میں حکومت قائم کی جمہوریت کا وجود کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا اور اب یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ پاکستانی قوم میں سیاست کا شعور نہیں ہے ویسے بھی اب دنیا میں بادشاہت برائے نام رہ گئی ہے اور جہاں کہیں ہے وہاں بھی جمہوری عمل جاری ہے اور بادشاہ صرف ملک کا سربراہ ہونے تک محدود ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ثابت ہے کہ ہمارے ملک کے لئے صدارتی نظامِ حکومت کامیاب نہیں رہا ہے۔ بلکہ وزارتی نظامِ حکومت بہتر ہے جسے پاکستانی عوام بھی پسند کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وزارتی نظامِ حکومت سیاسی جماعتوں کے بغیر چل سکتا ہے یا نہیں؟

اس سوال کا جواب یقیناً یہ ہوگا کہ وزارتی نظامِ حکومت میں سیاسی جماعتوں کا وجود ضروری ہے۔ دوسرا سوال جو ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ سیاسی جماعتوں پر کس طرح کی پابندیاں ہونی چاہئیں اور ان کو کس طرح کام کرنا چاہیئے۔ کیا ان کی تعداد محدود ہو یا لامحدود؟ کیا کوئی شخص کسی سیاسی جماعت میں آنے کے بعد اس جماعت کو چھوڑ کر کسی دوسری جماعت میں شامل ہو سکتا ہے اور اگر وہ ایسی جماعت کا رکن ہے جو حکومت کر رہی ہے تو اگر وہ کسی اسمبلی کا ممبر ہے یا کسی وزارتی یا دیگر عہدہ پر فائز ہے تو اس کے جماعت بدلنے کے کیا اثرات ہوں گے۔ ان سب باتوں کے حل کے لئے حسبِ ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

Marfat.com

تجاویز

(۱) موجودہ حکومت کو کسی سیاسی جماعت پر پابندی نہیں لگانی چاہیئے اور اگر کوئی شخص آزاد امیدوار کے طور پر انتخابات میں حصہ لینا چاہتا ہے تو اس کو بھی نہیں روکنا چاہیئے اور جب عام انتخابات سنہ ۱۹۶۰ء میں ہوں یا اس سے پہلے اور اس کے نتیجہ میں جو جماعت اکثریت سے کامیاب ہو اور حکومت بنائے یا جو لوگ قومی اسمبلی کے ممبر ہوں وہ اس سلسلہ میں فیصلہ کریں کہ سیاسی جماعتوں کی تعداد کتنی ہونی چاہیئے۔ میرے خیال میں چونکہ اس وقت ملک میں بہت زیادہ سیاسی جماعتیں ہیں جن کو ایک دم کم کرنا مناسب نہ ہے لہذا سیاسی جماعتوں کی تعداد ۴ یا ۵ کی حد تک مقرر کر دینی چاہیئے جو مستقبل کی منتخب حکومت کرے اس طرح منتخب حکومت جو بھی تعداد ۴ یا ۵ مقرر کرے گی اس پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا اور ملک کا نظام بھی صحیح طور پر چل سکیگا۔

(۲) یہ بات سنہ ۱۹۶۲ء کے قانون سیاسی پارٹیز ایکٹ سنہ ۱۹۶۲ء میں درج ہے کہ صرف وہ پارٹی یا جماعت غیر قانونی ہوگی جو بیرونی امداد پر چلتی ہو۔ اسکے بعد بھی وقتاً فوقتاً اس ایکٹ میں ترمیم آتی رہی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ غیر ملکی امداد سے کسی سیاسی جماعت کو نہ چلنا چاہیئے بلکہ پاکستانی ذرائع سے اس پارٹی کے کام چلنے چاہیئں مگر بے جا پابندیاں مناسب نہیں کیونکہ سیاسی جماعتیں کوئی کاروباری فرمیں نہیں جو اپنا حساب۔ کتاب حکومت کو پیش کریں کیونکہ انہوں نے کوئی انکم ٹیکس ادا نہیں کرنا ہوتا کسی جماعت کا کوئی فرد واحد یا کوئی ادارہ اپنی مرضی کی سیاسی جماعت کی مدد کر سکتے ہیں اس لئے سیاسی جماعتوں سے حساب کتاب کے گوشوارے طلب کرنا کسی صورت بھی مناسب نہ ہے۔ البتہ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس بات پر نظر رکھے کہ کوئی سیاسی پارٹی کسی غیر ملکی حکومت سے اپنی سیاسی پارٹی کو چلانے کے لئے امداد حاصل نہ کرے۔

(۳) ہر سیاسی جماعت کے ممبر کو خواہ وہ سیاسی جماعت حکومتی جماعت ہو یا حکومت سے باہر اس کو اپنی سیاسی جماعت تبدیل کرنے کا پورا پورا حق ہونا چاہیئے کہ وہ جب چاہے اپنی سیاسی جماعت چھوڑ کر کسی دوسری سیاسی جماعت میں شامل ہو سکے۔ البتہ اگر وہ حکومتی جماعت کے کسی عہدہ پر یا وزارت پر فائز ہو تو اس کو وہاں سے وہ جماعت جس کا وہ رکن تھا ہٹا سکتی ہے مگر اس کو اگر وہ کسی صوبائی یا قومی اسمبلی کا یا سینٹ کا ممبر ہو تو اسے وہاں سے

Marfat.com

نہیں نکالنا چاہیئے۔ اور صرف سیاسی جماعت تبدیل کرنے سے اس کی ممبرشپ پر کوئی اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔ اس معاملے میں حکومتی جماعت کو فراخدلی کا ثبوت دینا چاہیے۔

(۴) جہاں تک سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن کا تعلق ہے فی الحال جب تک آئندہ منتخب حکومت نہیں آتی کسی سیاسی جماعت پر رجسٹریشن کی پابندی نہیں لگانی چاہیئے اور ہر سیاسی جماعت کو اور ہر پاکستانی کو اگر وہ انتخابات میں حصہ لینے کا اہل ہے تو بلا روک ٹوک اس کو آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(۵) یہ بات بھی ضروری نہیں ہونی چاہیئے کہ کوئی سیاسی جماعت اپنے فنڈز کو اکٹھا کرنے کے رسیدبکیں چھپوا کر مسجد کی تعمیر کی طرح چندہ مانگتے پھریں۔ یہ بات ہر سیاسی جماعت پر چھوڑ دینی چاہیئے کہ وہ اپنے ممبران سے کس طرح فنڈ اکٹھا کرتی ہے۔ اس معاملے میں حکومت کو پابندی نہیں لگانی چاہیئے۔

(۶) جہاں تک سیاسی جماعتوں کے ضابطۂ اخلاق کا تعلق ہے ہر سیاسی جماعت کو ہر دوسری سیاسی جماعت کا خواہ وہ حکومت میں ہو یا اس سے باہر احترام کرنا چاہیئے۔ اور کالی گلوچ یا بلاوجہ دوسری سیاسی جماعت کی ساخت یا جائیداد کو نقصان پہنچانے کے لیے غیر قانونی حربے استعمال نہیں کرنے چاہئیں البتہ تحریر و تقریر کی اور تنقید کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے جس میں ملک و قوم کی بھلائی ہو اور انہیں ملکی قانون کا احترام کرنا چاہیئے۔

(۷) یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس ۱۹۷۹ء کے تحت جو نمائندے منتخب ہوتے ہیں وہ یونین کونسلوں اور شہروں میں یونین کمیٹیوں کے ممبر ہوتے ہیں اور ان میں بہت سے اپنی یونین کمیٹی یا ٹاؤن کمیٹی کے چیئرمین بھی ہوتے ہیں۔ جن کے پاس بے شمار چھوٹے چھوٹے فوجداری، دیوانی اور فیملی مقدمات بھی زیر سماعت ہوتے ہیں اور ان کو بطور چیئرمین ان مقدمات کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے اور روزانہ عدالتی کام ان کے پاس لگا ہوتا ہے ان ممبران میں سے بہت سے لوگ صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے ممبران بھی ہوتے ہیں اور قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران کے اجلاس بھی اکثر ہوتے رہتے ہیں۔

اور ان کو وہاں بھی شامل ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے یہ دوہری ممبرشپ مناسب نہیں ہے اور اگر کوئی یونین کونسل یا یونین کمیٹی کا ممبر صوبائی یا قومی اسمبلی کا ممبر منتخب ہو جائے تو اس کو لوکل گورنمنٹ آرڈیننس کے تحت منتخب شدہ ممبرشپ سے دستبردار

Marfat.com

ہو جانا چاہیئے۔ ایسا نہ کرنے سے لوگوں کی تکالیف میں اضافہ ہوتا ہے اور کسی نہ کسی طرف سے قومی نقصان بھی ہوتا ہے کیونکہ ایک آدمی ایک وقت میں ایک ہی کام کر سکتا ہے۔ اس لئے دوہری ممبرشپ رکھنے کا کوئی جواز نہ ہے۔ دوہری ممبرشپ ختم کرنے کے لئے متعلقہ قانون میں ترمیم ہونا بہت ضروری ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ ان تجاویز پر عمل کر کے پاکستان میں سیاسی عمل پروان چڑھے گا اور ملک میں امن و امان بحال ہو گا اور پاکستان صحیح معنوں میں جمہوری ملک بن جائے گا۔

Marfat.com

باب نمبر ۱۹

قانون کی نظر میں ہر شہری کی برابری

جہاں تک ہر شہری کا قانون کی نظر میں برابر ہونے کا تعلق ہے یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ انسانی تاریخ میں ہر شخص تمام بنیادی حقوق کا حق دار سمجھا جاتا رہا ہے۔ ہمیشہ تاریخ میں جب بھی کہیں ووٹ کا استعمال ہوا ہر شخص کا ووٹ برابر سمجھا گیا اور تمام مذہبی کتابوں میں بھی ہر انسان کی برابری پر زور دیا گیا ہے۔ خاص طور پر ہمارے مذہب اسلام میں ہر فرد خواہ مرد ہو یا عورت اس کو برابر سمجھا گیا ہے۔ سوائے چند عہدہ داران یا پیغمبروں اور نبیوں کے جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنے مخصوص انعام واکرام سے نوازا ہوا اور خاص مشن پر مقرر کیا ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بات کہی ہے کہ کوئی شخص رنگ ونسل، عربی یا عجمی ہونے کی بنا پر افضل نہیں ہو سکتا کسی کے افضل ہونے کے لئے اس کا تقویٰ دیکھا جائے گا اور تقویٰ کے لحاظ سے انسان ادنیٰ یا اعلیٰ ہوتا ہے۔ اس طرح اپنے کردار سے اچھا یا برا ہوتا ہے۔ اور اپنے عمل کے مطابق ہی جزا یا سزا پاتا ہے موجودہ دور میں بھی ہر شخص قانون کی نظر میں ایک جیسا سمجھا جاتا ہے اور ہمارے دستور ۱۹۷۳ء میں بھی یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ہر پاکستانی شہری قانون کی نظر میں برابر ہے اور اس کے ساتھ اس کی نسل رنگ، مذہب یا قبیلہ یا عورت یا مرد ہونے کی وجہ سے امتیازی سلوک نہیں کیا جاوے گا۔ بنیادی حقوق کے لحاظ سے ہر پاکستانی کو ایک جیسے حقوق حاصل ہیں اور وہ اپنے حقوق حاصل کرنے کیلئے عدلت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے۔ موجودہ دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء جو اب بحال ہو چکا ہے کے مطابق ہر پاکستانی شہری کو ایک جیسے حقوق حاصل ہیں۔ ان حالات میں دیکھنا یہ ہے کہ کیا اب سب پاکستانیوں کو ایک جیسے حقوق جن کی گارنٹی دستور پاکستان میں دی گئی ہے مل رہے ہیں یا نہیں؟ کیا کسی شہری کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو کن کن صورتوں میں امتیازی سلوک ہوتا ہے اور اس امتیازی سلوک کو روکنے کے لئے کون کون سے طریقے اختیار کئے جائیں جن سے پاکستانی شہریوں سے امتیازی سلوک نہ کیا جائے اور ہر شہری قانون کی نظر میں ایک جیسا سمجھا جائے اور اس کے ساتھ ایک جیسا سلوک کیا جاوے۔

ایک جیسے سلوک سے مراد یہی ہے کہ ایک جیسے حالات میں ایک جیسا سلوک کیا جاوے۔ اگر کسی شخص نے کوئی جرم کیا ہے تو بغیر کسی رنگ ونسل کے امتیاز کے اس کو سزا ملنی چاہیئے۔ قانون سب کے لئے

Marfat.com

ایک جیسا ہونا چاہیئے تاکہ مظلوم دادرسی حاصل کرسکیں۔ اس برابری کو قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ملک میں جو بھی قانون بنایا جائے وہ تمام پاکستانی شہریوں کے لئے ایک جیسا ہونا چاہیئے اور اُس پر عمل نہ کرنے کا جو شخص بھی جرم کرے اُس کو ایک جیسی سزا ملنی چاہیئے۔ اس کام کے لئے خصوصی عدالتیں قائم نہیں کرنی چاہئیں بلکہ عام موجودہ عدالتوں میں تمام مجرموں کے مقدمات کی سماعت کرنی چاہیئے جہاں تک جلدی فیصلہ کرنے کا تعلق ہے۔ عام عدالتیں بھی مقدمات کی لگاتار سماعت کرکے جلد سے جلد جیسا بھی اس قانون میں درج ہو اور مقررہ شدہ وقت کے اندر مقدمات کا فیصلہ کرسکتی ہیں۔ اگر علیحدہ عدالتیں قائم کی جائیں تو یہ قانون کی نظر میں ہر شہری کی برابری نہ ہے بلکہ ایک خاص طبقہ کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے کے لئے علیحدہ عدالتیں قائم کی جاتی ہیں۔ حالانکہ وہی جج صاحبان جو ان مقدمات کی خصوصی طور پر سماعت کرتے ہیں عام عدالتوں سے لئے جاتے ہیں۔

(۲) دوسری تجویز یہ ہے کہ تمام سپیشل ٹریبونل۔ سروس ٹریبونل، لیبر ٹریبونل۔ ریلوے ٹریبونل، کسٹم، اسمگلنگ، ایمگریشن، انٹی کرپشن کورٹس وغیرہ کو فوری طور پر ختم کرکے عام عدالتوں میں مقدمات چلائے جائیں اور اگر وہ مقدمات سیشن عدالتوں کے دائرۂ اختیار میں آتے ہیں تو سیشن کورٹ کو منتقل کئے جائیں۔ بینکنگ کورٹس اور بینک فراڈ مقدمات بھی ڈسٹرکٹ و سیشن جج صاحبان کی عدالتوں میں منتقل کئے جائیں۔ اس طرح کرنے سے تمام شہریوں کو ملک کی عدالتِ عالیہ میں دادرسی مل سکے گی اور انصاف کی خاطر جن خاص خاص طبقوں سے امتیازی سلوک ہوتا ہے وہ ختم ہوجائے گا اور انصاف کا دور دورہ ہوگا۔ اگر کسی خاص قسم کے مقدمات کا جلد تصفیہ کرنا مطلوب ہو تو اس قانون میں وقت مقرر کردیا جائے اور طریقہ کار بھی واضح کردیا جائے۔

(۳) تمام شہریوں کو بنیادی حقوق کے لحاظ سے برابر سمجھنا چاہیئے اور مذہب، رنگ و نسل یا کسی مخصوص علاقے کا رہائشی ہونے کی وجہ سے کسی شہری کو کسی حق سے محروم نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی تعلیمی اداروں اور ملازمتوں کے سلسلے میں امتیازی سلوک کرنا چاہیئے۔ پاکستانی شہری ہونے کی حیثیت سے پاکستان کے تمام صوبوں میں ہر شہری کو آنے جانے اور کاروبار کرنے سے نہیں روکنا چاہیئے اور نہ ہی کوئی لسانی مسئلہ کھڑا کرنا چاہیئے اور یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ پنجاب صرف پنجابی لوگوں کے لئے اور سندھ صرف سندھیوں کے اور سرحد صرف پشتو بولنے والوں کے لئے اور بلوچستان صرف بلوچی یا سرائیکی زبان بولنے والوں کے لئے مخصوص ہے۔ ایسا کرنے سے تمام پاکستانی شہریوں کا اتحاد بڑھیگا اور وہ مل جل کر خوشحالی کی زندگی بسر کرینگے اور پاکستانی ہونے پر فخر محسوس کرینگے۔

Marfat.com

باب نمبر ۲۰

پاکستان میں بیمہ کا کاروبار

موجودہ حالات و پس منظر

بیمہ کا کاروبار یورپی ملکوں سے ہندوستان میں مروج ہوا۔ اس کاروبار کی ضرورت اس طرح محسوس ہوئی کہ جب بحری جہاز ایک ملک کا مال دوسرے ملک میں تجارت کی غرض سے لے جاتے تو دو مختلف ملکوں کے درمیان تجارت کا سلسلہ جاری ہو جاتا مگر راستے کے طوفان اور حادثات کی وجہ سے جب ان جہازوں کا مال برباد ہو جاتا یا جہاز معہ عملہ غرق ہو جاتے یا آگ کی نظر ہو جاتے تو ناقابلِ تلافی نقصان ہو جاتا اور جہازوں کے مالکان یا کمپنیاں تجارتی مال کے مالکان کو انکا معاوضہ یا نقصان پورا نہ کر سکتیں تھیں اور اس لئے تجارت میں نقصان کے باعث لوگ تجارت میں دلچسپی نہیں لیتے تھے اس وجہ سے یورپی ملکوں میں بیمہ کے کاروبار کو رواج دیا گیا۔ اس سلسلے میں حکومتوں نے بھی قوانین وضع کئے تاکہ بیمہ کے کاروبار کو قانونی شکل دی جا سکے۔ اس طرح بیمہ کے کاروبار کو چلانے کے لئے بڑی بڑی کمپنیاں وجود میں آئیں جو لوگوں کے کاروبار اور مال کا بیمہ کرتیں اور نقصان کی صورت میں جس قدر رقم کا بیمہ کیا ہوا ہوتا اپنے پاس سے ادا کرتیں اور اس کے عوض بیمہ داروں سے ایک مقررہ پریمیم کی صورت میں مقررہ رقوم حاصل کرتیں۔ اس سے بحری جہاز رانی اور تجارتی مال لانے لے جانے اور کاروبار کو تحفظ حاصل ہوا۔

اسی طرح بیمہ کا کاروبار ہندوستان میں بھی انگریزوں کی آمد سے رواج پا گیا۔ بنیادی طور پر یہ کاروبار تین صورتوں میں شروع ہوا۔ ایک صورت یہ تھی کہ بیمہ کمپنیوں نے کاروباری اداروں اور پرائیویٹ مال کے بیمہ کا کاروبار شروع کیا اور یہ کمپنیاں کمپنی ایکٹ کے تحت منظور شدہ ہوتی تھیں اور ان کو انشورنس ایکٹ کی پابندی کرنی پڑتی تھی اور یہ کاروبار پرائیویٹ سیکٹر میں شروع ہوا۔ دوسری صورت لازمی انشورنس سکیم گورنمنٹ کی طرف سے رائج کی گئی جس کے تحت مختلف کاروبار، گاڑیوں اور جہازوں کا بیمہ لازمی قرار دیا گیا۔ اسی طرح تیسری قسم جو بہت مقبولِ عام ہوئی وہ انسانی زندگی کا بیمہ تھا۔ اس سلسلے میں حکومت نے بھی پوسٹل لائف جیسے ادارے لائف انشورنس

Marfat.com

کے نام سے شروع کر دیئے ۔ اس طرح بیمہ زندگی کے کاروبار میں مختلف پالیسیز رکھی گئیں اور ان کو مختلف نام دیئے گئے جیسے بچوں کی منی پالیسی، مقررہ مدت کی بیمہ پالیسی اور تاحیات بیمہ پالیسی وغیرہ۔

پاکستان بننے کے بعد یہی سلسلہ چلتا رہا مگر جب بڑے بڑے کاروبار حکومت نے قومی تحویل میں لئے تو بیمہ زندگی کا کاروبار بھی قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ تمام کمپنیاں جو اس سلسلے میں کاروبار کر رہی تھیں وہ حکومت کی ملکیت قرار دے دی گئیں اور ایک نیا ادارہ پاکستان انشورنس کارپوریشن کے نام سے اور سٹیٹ لائف کے نام سے وجود میں آیا۔ اس طرح تمام بیمہ زندگی کا کاروبار حکومت کی ملکیت میں آگیا۔ البتہ کمرشل بیمہ کا کاروبار نجی اداروں کے پاس رہ گیا اور تھرڈ پارٹی انشورنس کا سلسلہ بھی پرائیویٹ سیکٹر میں رہا۔ اس طرح اس وقت بہت سی پرائیویٹ کمپنیاں بیمہ زندگی کا کاروبار چھوڑ کر باقی تمام بیمہ کا کاروبار چلا رہی ہیں ۔ پاکستان میں صرف حکومتی سطح پر اس وقت بیمہ زندگی کے لئے دو ادارے کام کر رہے ہیں۔ ایک پوسٹل لائف انشورنس کارپوریشن اور دوسرا سٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن۔ اس طرح کرنے سے بیمہ زندگی کے کاروبار میں وہ گہما گہمی نہیں رہی جو پرائیویٹ سیکٹر کے چلانے سے پیدا ہوتی تھی کیونکہ اس وقت بیشمار بیمہ زندگی کے لئے ایجنٹ مقرر ہوتے تھے اور ان کو طرح طرح کی مراعات دی جاتی تھیں جس سے وہ لوگوں کے گھر گھر جا کر لوگوں کو بیمہ زندگی کے لئے مائل کر کے انہیں بیمہ کروانے پر آمادہ کرتے تھے اور لوگ بھی ایجنٹوں کے سمجھانے پر کہ بیمہ زندگی کے فلاں فلاں فوائد ہیں اس طرف زیادہ راغب ہوتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ انسانی زندگی کا وہ اثاثہ ہے جو انسان کو ایک بار ہی دنیا میں ملتا ہے اور کوئی شخص بھی خواہ وہ کسی حالت میں ہو جان بوجھ کر اپنی جان ختم نہیں کرتا۔ اور ہر حال میں زندہ رہنے کے لئے اپنی سر توڑ کوشش کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ بیمہ زندگی کے کاروبار میں کبھی نقصان نہیں ہوتا بلکہ کروڑوں روپے کا منافع حاصل ہوتا ہے جو ملکی کاموں پر لگایا جاتا ہے۔

پوسٹل لائف انشورنس کارپوریشن نے بالکل ایجنٹ رکھے ہی نہیں اور صرف پڑھے لکھے لوگ جو خود بیمہ کی افادیت کو سمجھتے ہیں اس محکمہ کے پاس جا کر اپنا بیمہ کرواتے ہیں۔ اگر کوئی بیمہ دار کسی سال کا پریمیم ادا نہ کرے یا بالکل ادا کرنا چھوڑ دے تو کوا پمائنڈر وغیرہ بیمہ دار کو جاری نہیں ہوتا۔ اسی طرح سٹیٹ لائف انشورنس والے بھی لوگوں کو گھر گھر جا کر بیمہ کروانے کی ترغیب نہیں دیتے اور صرف پڑھا لکھا طبقہ ہی بیمہ زندگی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔

اب حکومت نے ایک نئی بیمہ سکیم شروع کی ہے جس کے مطابق ہر پاکستانی شہری کی حادثاتی

Marfat.com

موت پر ۱۵۰۰۰ روپے اس کے وارثان کو دینے کا اعلان کیا ہے اور اس کے لئے پریمیم کی ادائیگی یا پالیسی خریدنے کی بھی ضرورت نہ ہے۔ یہ بڑی اچھی سکیم ہے اور مفاد عامہ کے لئے ایک بہتر سکیم ہے مگر اس کا اطلاق ایک مخصوص قسم کی موت پر ہی ہوتا ہے اس کے علاوہ یہ باتیں سننے میں تو آئیں ہیں مگر عملی طور پر دیہاتی علاقوں میں بیمہ کا کاروبار برائے نام ہے اور اس کو اچھی طرح متعارف بھی نہ کرایا گیا ہے یہ ضروری ہے کہ پاکستان کی زیادہ آبادی جو دیہاتوں میں آباد ہے ان میں نہ صرف بیمہ زندگی کو رواج دیا جائے بلکہ ان کی فصلوں، پھلوں، باغوں اور مویشیوں کا بیمہ کرنے کی طرف قدم بڑھایا جائے اور پرائیویٹ سیکٹر میں کام کرنے والی بیمہ کمپنیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ ان تمام بیمہ کے امور کو احسن طریقے پر اور قوم و ملک کی بہتری کے لئے اچھا ثابت کرنے کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش خدمت ہیں

(۱) موجودہ سکیم کے مطابق پاکستان سٹیٹ لائف کارپوریشن نے ہر حادثاتی موت پر جبکہ متوفی کی عمر ۲۱ سال سے ۶۰ سال تک ہو اور وہ کمانے والا شخص ہو اس کے وارثان کو ۱۵۰۰۰/- روپے دیا جائے گا۔ اس سکیم کا اطلاق میری رائے میں صرف حادثاتی موت پر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ہر شخص خواہ مرد ہو یا عورت اور خواہ اس کی موت کسی طرح واقع ہو کسی بیماری سے ہو کسی حادثے کی وجہ سے ہو یا دل کا دورہ پڑنے سے ہو بلا کسی امتیاز کے متوفی کے وارثان کو ۲۰۰۰/- روپے ملنا چاہئیں کیونکہ اس عمر کا ہر شخص نہ صرف اپنے کنبہ کی کفالت کرتا ہے۔ بلکہ اسے اس کے کنبہ کے لئے ایک بہت بڑا ذمہ دار فرد سمجھا جاتا ہے جس کی موت سے کنبے کا ایک عظیم نقصان ہوتا ہے جس کی تلافی بہت مشکل ہے۔ اس کام کے لئے بیشک ۵/- روپے ٹیکس سالانہ فی کنبہ وصول کر لیا جائے۔

(۲) اس سلسلہ میں ہر ضلع کی سطح پر سٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن کے دفاتر پاکستان بھر میں کھولنے چاہئیں جو اپنے ضلع میں ادائیگیوں اور اندراج کا کام چلانے کے لئے تحصیل کی سطح پر اپنے ذیلی دفاتر قائم کریں اور لوگوں کو اس سکیم کی افادیت سے آگاہ کریں اور ہر طرح کا حساب کتاب رکھا جائے۔

(۳) یہ کہ خواہ بیمہ زندگی ہو یا کمرشل بیمہ بہتر تو یہی ہے کہ گورنمنٹ بیمہ کے اداروں کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ لائف انشورنس کمپنیوں کو کام کرنے کی اجازت ملنی چاہیئے تاکہ اس کام میں وسعت پیدا ہو۔ اگر ایسا کرنا ناممکن ہو تو پوسٹل لائف انشورنس کارپوریشن کو ہدایت فرمائی جائے کہ وہ بیمہ زندگی کے لئے ایجنٹوں کا سلسلہ شروع کر کے اپنے ایجنٹ مقرر کرے تاکہ زیادہ

Marfat.com

سے زیادہ لوگوں کو بیمہ زندگی کرانے پر آمادہ کیا جاسکے اور پاکستانی شہری اس بچت کی سکیم اور ناگہانی موت سے پیش آنے والے مسائل کا مقابلہ کر سکیں اور پوسٹل لائف کی پالیسیوں سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ علاوہ ازیں پریمیم کی عدم ادائیگی کی صورت میں ریمائنڈر دے کر یاددہانی کروائی جائے۔

(۴) جہاں تک پاکستان سٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن کا تعلق ہے اس میں تمام پرائیویٹ لائف انشورنس کمپنیوں کے بیمہ داروں کے کھاتے منتقل ہو گئے ہیں۔ اس میں اگرچہ بہت سے ایجنٹ کام کر رہے ہیں مگر پھر بھی اتنے کم ہیں کہ لوگوں کے پاس جاکر بیمہ زندگی کروانے کے لیے آمادہ نہیں کرتے اس لئے بیمہ ایجنٹوں کی تعداد زیادہ بھرتی کر کے ان کو کمیشن کے ساتھ ساتھ کچھ تنخواہ بھی دینی چاہیئے تاکہ وہ پوری توجہ کے ساتھ اس کام کو سرانجام دے سکیں اور ہر پاکستانی کے پاس پہنچ کر بیمہ زندگی کی افادیت سے آگاہ کر سکیں اور خصوصاً دیہاتوں میں بھی بیمہ زندگی کو رواج دیا جائے۔

(۵) نیز بیمہ زندگی کے علاوہ کمرشل بیمہ کو وسعت دی جائے۔ کوئی گورنمنٹ کا ادارہ اس سلسلے میں قائم کیا جائے اور پرائیویٹ بیمہ کمپنیوں کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ شہروں میں موٹر گاڑیوں، فیکٹریوں اور دیگر اداروں کے بیمہ کے ساتھ ساتھ دیہاتوں کی طرف بھی رجوع کریں۔ دیہاتیوں کے مال مویشیوں کے علاوہ ان کی فصلوں اور باغوں کے بیمہ کی پالیسیاں جاری کی جائیں جو موسمی حالات سے نقصان اور مویشیوں کی بیماریوں سے موت کی صورت میں ان کو بیمہ شدہ معاوضہ دیا جائے۔ اس سے لوگ دلجمعی سے کام کر سکیں گے اور ان کی حالت بھی بہتر ہوگی۔ اس طرح بیمہ کمپنیوں کے کاروبار میں بھی وسعت پیدا ہوگی اور کاروبار بیمہ اپنے عروج کو پہنچے گا جو ملک و قوم کے لیے بہتر ثابت ہوگا۔

Marfat.com

باب نمبر ۲۱

خاندانی منصوبہ بندی

موجودہ حالات

پاکستان میں خاندانی منصوبہ بندی کے لئے باقاعدہ ایک محکمہ بنایا گیا ہے جس کا نام فیملی پلاننگ رکھا گیا تھا جو اب تک مختلف ناموں سے قائم ہے۔ یہ محکمہ بھی پاکستان میں پہلے مارشل لاء کی پیداوار ہے اور اس کے بے شمار دفاتر اور شاخیں ملک کے تمام صوبوں، اضلاع اور ڈویژنوں میں قائم ہیں۔ اس محکمے کا سب سے بڑا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسانی آبادی میں اضافہ کو روکا جائے اور موجودہ آبادی کو اس طرح بہتر کیا جاوے کہ ہر شخص کو تعلیم، خوراک، رہائش اور کاروبار میسر آسکے اور اس معاشرے میں خوشحالی قائم و دائم رہے۔ فیملی پلاننگ کا عمل دنیا کے مختلف ممالک میں زور و شور سے جاری ہے۔ خاص طور پر ایشیائی ملکوں میں اس کو رائج کیا گیا ہے اور حکومتی سطح پر اس محکمہ کو چلایا جاتا ہے۔ اس محکمے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بچوں کی پیدائش میں کمی کی جائے اور جو بچے پیدا ہوں ان کی اچھی طرح دیکھ بھال ہو اور پرورش کی جائے۔ اچھی تعلیم دلائی جائے اور چھوٹی فیملی کے ساتھ ہر گھرانہ خوشحال ہو۔ دوسرا فائدہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بچوں کی پیدائش میں تین چار سال کا وقفہ ہر ماں کے لئے ضروری ہے جس سے زچہ و بچہ کی صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اصل میں فیملی پلاننگ کا محکمہ پہلے یورپین ممالک میں مروج ہوا اور پھر اس کا رواج ایشیائی ممالک میں بہت بڑھ گیا۔ ہمارے ہمسایہ ملک ہندوستان میں تو اس پر بہت توجہ دی جاتی ہے اور بہت زیادہ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ لوگوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ایک مخصوص رقم بھی دی جاتی ہے تاکہ لوگ اس محکمہ کی تجاویز سے فائدہ اٹھائیں اور فیملی پلاننگ کے پروگراموں پر عمل ہوتا رہے۔

محکمہ فیملی پلاننگ نے بچوں کی پیدائش کو روکنے کے لئے مختلف ادویات اور طریقے وضع کئے ہوئے ہیں۔ جن میں ماؤں کا اپریشن۔ مردوں کی نس بندی۔ اور مختلف ادویات جن کے کھانے سے کچھ عرصہ کے لئے عورتوں کے حاملہ ہونے میں رکاوٹ ہوتی ہے پاکستان میں اس محکمے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اس محکمہ میں بہت زیادہ سوشل ورکرز، ڈاکٹرز، لیڈی ڈاکٹرز اور دیگر ملازمین کام کر رہے ہیں۔ اس طرح سے یہ محکمہ جسے خاندانی منصوبہ بندی کا نام دیا جاتا ہے۔ اپنے مختلف اشتہارات، پوسٹرز

Marfat.com

اور پمفلٹ وغیرہ جاری کر کے عوام کو اس محکمہ کی افادیت سے آگاہ کرتا ہے۔ حکومتی سطح پر بیشمار روپیہ اس محکمہ پر خرچ کیا جاتا ہے۔ جب کہ اس محکمہ سے حکومت کو کوئی آمدنی نہیں ہوتی۔ خاندانی منصوبہ بندی بھی قومی مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جس کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کتاب میں اس قومی مسئلہ کو زیر بحث لا کر یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ کیا جو کچھ یہ محکمہ کر رہا ہے وہ کس حد تک کامیاب ہے اور سابقہ ۲۸ سالوں میں اسے آبادی کی شرح کم کرنے میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے اور پاکستان جیسے اسلامی ملک میں لوگوں کا ردعمل اس محکمہ کی بابت کیا ہے؟ اور اسلام کی نظر میں اس محکمے کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل امور پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

(۱) سب سے پہلے ہمیں ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ دیکھنا ہے کہ موت و زندگی کا اختیار انسان کے ہاتھ میں کس حد تک ہے اور رزق اور وسائل زندگی انسان کے کس حد تک بس میں ہیں۔ اور کیا جن بچوں کے ماں باپ چھوٹی عمر میں مر جاتے ہیں یا انہیں چھوڑ جاتے ہیں کیا وہ بچے معاشرے میں کوئی مقام حاصل کرتے ہیں یا نہیں؟۔ کیا وہ تعلیم سے محروم رہتے ہیں اور ان کو خورد و نوش یا رہائش کی سہولتیں میسر آتی ہیں یا نہیں۔

(۲) دوسری بات یہ دیکھنے والی ہے کہ سابقہ سالہا سال کے تجربے اور کوششیں جو محکمہ فیملی پلاننگ کر رہا ہے کس حد تک کامیاب ہوئی ہیں۔ کیا اس محکمہ نے آبادی میں اضافے میں کنٹرول کر لیا ہے یا نہیں؟۔

(۳) تیسری بات یہ دیکھنی ہے کہ مذہبی لحاظ سے اور اسلامی نقطہ نگاہ سے واقعی فیملی پلاننگ ضروری ہے اور اگر فیملی پلاننگ بچوں کی پیدائش روک کر خوشحالی آتی ہے تو وہ کس حد تک اور ایسا کرنے سے مذہبی عقائد میں کوئی رکاوٹ آتی ہے یا نہیں۔ اور کیا ہر فیملی کے سربراہ کے ہاتھ میں اس کے بچوں کا رزق ہے یا رزق میں اضافہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔

(۴) چوتھی قابل غور بات ہے کہ کیا جن لوگوں کے تھوڑے بچے یا ایک دو بچے ہوتے ہیں وہ خاندان ضروری ہے خوشحال ہو اور تعلیم یافتہ ہو اور دنیا کی آسائشیں ان کو حاصل ہوں یا وہ خاندان جن کے بچے زیادہ ہیں وہ غریب رہیں اور تعلیم سے محروم رہیں اور کیا ان کو خورد و نوش اور دیگر آسائش میسر نہیں ہوتی۔ اب سب سوالوں کا جواب سوچنا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں۔

(۱) سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مذہبی لحاظ سے موت و زندگی پر انسان کو کس حد تک کنٹرول

Marfat.com

حاصل ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یقین ہے زندگی اور موت، رزق، تنگی و فراخی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ انسان کو اپنی جائز کوششیں جاری رکھنی چاہئیں اور معاشرے میں اپنے لئے اور معاشرے کی بھلائی کے لئے کوششیں جاری رکھنی چاہئیں۔ اس لئے یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ جن لوگوں کے کم بچے ہوتے ہیں وہ خوشحال ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے زیادہ بچے ہوتے ہیں وہ مصائب کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ اگر کسی کے صرف دو بچے ہیں اور وہ شخص خود تعلیمی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا تو اس کے دو بچے ہونے کے باوجود وہ ان کی صحیح تعلیم و تربیت اور اچھی پرورش نہیں کرسکتا۔ اس کے مقابلے میں یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ ایک شخص کے دس بچے ہیں اور ماں باپ کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال ہے تو وہ بچے خواہ ماں باپ غریب کیوں نہ ہوں سارے کے سارے اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور معاشرے میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کرتے ہیں۔ نہ صرف وہ بچے اپنے لئے خوشحالی حاصل کرتے ہیں بلکہ ماں باپ کے لئے بھی خوشحالی کا باعث بنتے ہیں۔ اور ان کی زندگی میں بھی ایک انقلاب کا باعث بنتے ہیں۔ ان کو حج کرواتے ہیں اور ہر طرح کی آسائش مہیا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ جب دنیا میں انسانوں کی تعداد کم تھی تو وہ پہاڑوں کی غاروں میں رہتے تھے۔ درختوں کے پھل اور پتے کھا کر گزارہ کرتے تھے یا جانوروں کا شکار کر کے اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔ اس کے باوجود بھی انسان طرح طرح کی بیماریوں اور قحط کا شکار ہو جاتے تھے۔ اور کچھ انسانوں کو جنگلی جانور کھا جاتے تھے۔ جوں جوں انسانی آبادی میں اضافہ ہوتا چلا گیا قبیلے، شہر اور پھر بڑے بڑے شہر آباد ہوئے۔ دنیا کی آبادی بڑھتی چلی گئی اور آج وہ وقت آگیا ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں انسانی آبادی کی بہتات ہے۔ مگر اس کے باوجود کہ انسانی آبادی میں اضافہ ہوا ہے۔ وہ انسانی اموات جو جان لیوا اور وبائی بیماریوں سے ہوتی تھیں وہ بہت حد تک کم ہو گئی ہیں اور جو لوگ قحط کی وجہ سے مر جاتے تھے وہ شرح بھی کم ہو گئی ہے اور دنیا میں قحط بھی کم ہو گئے ہیں اگر کسی ملک میں کسی خاص وجہ سے جیسے سیلاب، خشک سالی یا دیگر آفات کی وجہ سے ایسی کوئی مصیبت آجائے تو دنیا کے دیگر ممالک ان کی امداد کر کے ان کو بچا لیتے ہیں۔ جہاں تک رہائش کا مسئلہ ہے پہلے لوگ پہاڑوں کی غاروں میں رہتے تھے اور آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک منزلہ مکان بنا کر لینا شروع کر دیا اور پھر آہستہ آہستہ کئی منزلہ عمارتیں بننا شروع ہوئیں اور اب سینکڑوں منزلہ عمارتیں بننا شروع ہو

Marfat.com

گئی ہیں جس سے رہائش کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

جہاں تک رسل ورسائل اور آمدورفت کا تعلق ہے آبادی میں اضافہ کوئی رکاوٹ نہیں بنا۔ کیوں کہ زیرِ زمین راستوں، پلوں، ہوائی جہازوں کے ذریعے آمدورفت اور بحری جہازوں کشتیوں اور سمندری راستوں کے ذریعے یہ سلسلہ جاری ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ہر مشکل کا حل انسانی کوششوں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سمجھ بوجھ اور فضل سے حل ہوتا جاتا ہے۔ اب دیکھنے میں یہ بات آئی ہے کہ جتنا بڑا کوئی ملک ہے یا جتنا بڑا کوئی شہر ہے اور جتنی آبادی کسی علاقے میں زیادہ ہے خواہ اس علاقے میں خورد ونوش کی اشیاء پیدا ہوتی ہوں یا نہیں مگر وہاں پر کسی چیز کی کمی نہیں آتی۔ ہر چیز وہاں پہنچ جاتی ہے اور طلب کے مطابق رسد ملتی ہے اور ہر انسان اپنی زندگی کے وسائل، خوراک، پانی، زیبائش، لباس رہائشی سہولتیں اور دیگر آسائش حاصل کرتا ہے۔ اس طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ قدرت کا نظام یہی ہے کہ طلب کے مطابق رسد ملتی ہے۔ ویسے بھی قرآنِ مجید کی سورۃ بقرا کی آیت نمبر ۳۵ میں اس وقت جب حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں چلے جانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو آیت میں یہ کہہ دیا گیا کہ (متاعٌ اِلیٰ حِین) اب تمہارے لئے وہاں پر یعنی زمین پر زندگی کا سامان ہے تو اس طرح جب تک کرۂ ارض پر زندگی موجود ہے اللہ تعالےٰ نے ہر انسان کو سامان زندگی عطا کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر انسان کو وسائل زندگی میسر ہیں۔

پاکستان جیسے ملک جس میں ہم رہتے ہیں اس میں بھی ایسی مثال موجود ہے کہ جب ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان موجودہ پاکستان سے ایک ہمسایہ ملک کی امداد سے علیحدہ ہوا تو موجودہ پاکستان کی آبادی آج سے نصف تھی اور آج آبادی دوگنا سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ اس وقت تو اجناس اور کھانے پینے کی اشیاء باہر سے درآمد کرنی پڑتی تھیں مگر اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ پاکستان غذا کے معاملے میں خودکفیل ہوگیا ہے اور بہت سی اجناس دوسرے ملکوں کو برآمد بھی کی جاتی ہیں۔ اس کی خاص وجہ تو یہ ہوئی ہے کہ حکومت نے ملکی زراعت کی طرف زیادہ توجہ دی ہے جس سے فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ کے علاوہ نئی زمینیں آباد ہوئی ہیں اور بہت سی کیڑے مار ادویات کی ایجاد اور مشینی کاشتکاری سے زرعی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے وسائل پیدا کر دیتا ہے تاکہ ہر شخص کو بنیادی سہولتیں میسر ہوتی رہیں۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا عقیدہ ہے کہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھوں میں اور بچوں کی پیدائش انسانی فلاح کا ذریعہ ہے اور ماں باپ کے لئے رحمت کا باعث ہے۔ اس لئے اس محکمے کی آفادیت کا تعلق انسانی آبادی

Marfat.com

سے نہ ہے اور نہ ہی اس محکمے کا وجود پاکستان کی خوشحالی کے لئے ضروری ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ محکمہ خاندانی منصوبہ بندی نے کس حد تک آبادی میں اضافے کو کنٹرول کیا ہے اس کا جواب اس بات سے عیاں کہ جب سے یہ محکمہ بنا ہے۔ آبادی میں اضافہ ہوتا ہی چلا گیا ہے۔ جیسے کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ان ۱۶ سالوں میں جب سے مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا ہے ملک کی آبادی دوگنی ہوگئی ہے۔ البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بچوں کی پیدائش میں وقفہ ہونا چاہیئے۔ مگر اس سلسلے میں محکمہ صحت اور اس کے زیر انتظام ہسپتال اور دیگر سرکاری اور نیم سرکاری اور پرائیویٹ ادارے اور ڈاکٹر حضرات ماں اور بچے کی صحت کے لئے پہلے ہی کافی کام کر رہے ہیں۔ اور اس کام کو مزید پھیلایا جا سکتا ہے۔ تاکہ ملک میں ہر ماں اور پیدا ہونے والا بچہ ان انتظامات سے فائدہ اٹھائے۔ جس سے ماں اور بچے کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔ پس ظاہر ہوا کہ محکمہ خاندانی منصوبہ بندی آبادی میں اضافہ کو کنٹرول کرنے میں بالکل ناکام رہا ہے۔

(۳) تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ مذہبی لحاظ سے ہمارا عقیدہ ہے کہ اولاد اللہ تعالےٰ کی دین ہے اور بعض لوگوں کے ہاں باوجود تمام علاج معالجہ کے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوتی اور مرد حضرات کئی کئی شادیاں اسی لئے کرتے ہیں کہ ان کے ہاں اولاد ہو مگر پھر بھی وہ اولاد سے محروم رہتے ہیں۔ اس کے برعکس کئی لوگوں نے محکمہ فیملی پلاننگ کے بتائے ہوئے طریقوں اور علاج پر عمل کیا مگر پھر بھی بچے پیدا ہو گئے۔ ان طریقوں اور دلاجوں سے جو بتائے جاتے ہیں کئی عورتیں طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو گئیں۔ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک شخص کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوتی ہے اور وہ اپنی بیوی کا آپریشن کروا لیتا ہے۔ مگر کسی بیماری یا حادثہ کی وجہ سے وہ تینوں بچے مر جاتے ہیں اور میاں بیوی اب ایسے پچھتاوے کا شکار ہو جاتے ہیں کہ جس کا انہیں کوئی حل نظر نہیں آتا۔ اس طرح مذہبی لحاظ سے اور دنیاوی لحاظ سے ہمیں یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ اگر مذہب میں فیملی پلاننگ کرنا منع نہ بھی ہو تب بھی ایسا کرنا مفید نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہوئے کہ وہ خالقِ حقیقی ہے اور زندگی و موت اسی کے ہاتھ میں ہے ہمیں صرف اصلاح خاندان اور اس کی فلاح و بہبود اور معاشرے کی بہتری کے لئے کام کرتے رہنا چاہیئے اور ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا یا الجھنا چاہیئے کہ بچے کم ہوں تو خاندان کی بھلائی ہے اور زیادہ ہوں تو خاندان کے لئے نقصان دہ ہے

Marfat.com

(۴) جہاں تک چوتھے سوال کا تعلق ہے کہ صرف وہی خاندان یا ماں باپ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوا سکتے ہیں جن کے بچے کم ہوں اور زیادہ بچوں والے ماں باپ انہیں اچھی تعلیم و تربیت نہیں دے سکتے۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اگر دولت ہی تعلیم کا ذریعہ ہوتی تو تمام بڑے بڑے لوگ اپنے بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوا سکتے تھے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ابتدائی سالوں میں تو ماں باپ اپنے بچوں کو اچھے سکولوں میں داخل کروا کر انکی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں مگر جب وہ بچے سمجھ بوجھ حاصل کر لیتے ہیں اور سن بلوغت کو پہنچ جاتے ہیں تو پھر ان کی اپنی کوشش ہی تعلیم حاصل کرنے میں بار آور ثابت ہوتی ہے۔ اگر وہ محنت کرتے ہیں تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اگر نہیں کرتے تو روپے پیسے سے اعلیٰ تعلیم کی ڈگریاں نہیں خریدی جا سکتیں۔ اس کے علاوہ غریب والدین کے بچے جن کے ماں باپ کے پاس کافی روپیہ خرچ کرنے کے لئے نہیں ہوتا وہ بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ خود محنت کر کے تعلیمی اخراجات پورے کرتے ہیں۔ ٹیوشنیں پڑھاتے ہیں۔ خود بھی پڑھتے ہیں اور دنیا کے عظیم آدمی بھی بنتے ہیں۔ دنیا کے بے شمار ملکوں کے سربراہ ایسے ہوئے ہیں جو معمولی ماں باپ کے بچے تھے اور خود اپنی محنت سے انہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور دنیا میں کامیاب ہو کر ایسے چمکے کہ دنیا ان کو بھول نہیں سکتی۔

پس یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ کم بچے ہی انسانی فلاح اور ماں باپ اور خاندان کی خوشحالی کا باعث بنتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ محکمہ فیملی پلاننگ کے اصول اپنانا ہرگز خاندانی خوشحالی یا اعلیٰ تعلیم کا باعث نہیں بن سکتے بلکہ ہر شخص کے اپنے اپنے خاندانی حالات، ماحول اور دیگر روایات ہوتی ہیں جن کی وجہ سے تعلیم و تربیت اور خوشحالی حاصل ہوتی ہے اور کامیاب زندگی کے لئے انسان کی نیک نیتی، محنت اور نیک خواہش ہی اس کی کامیابی کی ضامن ہیں۔

تجاویز:۔

(۱) میری رائے میں محکمہ خاندانی منصوبہ بندی کو ختم کر دینا چاہیئے اور اس پر صرف ہونے والا روپیہ معاشرے کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنا چاہیئے۔ نئے تعلیمی ادارے کھولنے چاہئیں۔ ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کرنی چاہئیں اور زچہ و بچہ کے مراکز ہر محلہ میں اور ہر قصبہ اور دیہات میں کھولنے چاہئیں تاکہ زچہ و بچہ کی صحت کا خیال رکھا جا سکے اور وہ بیماریوں سے بچ سکیں۔ موجودہ عملہ جو اس وقت۔ اس محکمہ منصوبہ بندی میں کام کر

Marfat.com

ہے اس میں جو لوگ ڈاکٹرز، نرسیں یا دیگر کوالیفائڈ عملہ ہے اسے نئے قائم کردہ ہسپتالوں اور زچہ و بچہ کے مراکز میں تعینات کر دیا جائے۔ تاکہ وہ بیروزگاری کا شکار نہ ہوں اور اپنے علم و فن سے معاشرے کی خدمت کرتے رہیں۔

(۲) اس محکمہ کے لئے جتنی عمارتیں کرایہ پر لی گئی ہیں وہ مالکان کو واپس کر دی جائیں اور جو عملہ بچ جائے اسے سوشل ویلفیئر کے محکمہ میں ملازم رکھ لیا جائے تاکہ وہ ضرورت مندوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی تکالیف دور کرنے میں معاون ثابت ہوں اور معاشرہ کی فلاح و بہبود ہوتی رہے

Marfat.com

باب نمبر ۲۲

مارشل لاء کے نفاذ کو روکنے کیلئے اقدامات

موجودہ حالات یہ ہیں کہ ملک میں تین دفعہ مارشل لاء لگ چکا ہے۔ جس کی وجہ سے جمہوری عمل تقریباً ۴۰ سالوں میں ۲۴ سال رکا رہا۔ موجودہ حکومت نے جتنا کام پچھلے دو سالوں میں کیا ہے وہ مارشل لاء کے ۲۴ سالوں میں نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شہر، قصبہ یا محلہ سے کسی نہ کسی صورت میں نمائندے منتخب ہوتے ہیں جو مقامی لوگوں کے مسائل و تکالیف دیکھتے اور سنتے ہیں اور ان کو حکومت کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے لوگوں کی کافی حد تک داد رسی ہوتی ہے۔ مگر مارشل لاء میں ون مین شو کی طرح جو اس کے دل میں آتا ہے وہ کر گزرتا ہے خواہ اس کے نتائج کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ وہ شخص کسی کا منتخب نمائندہ نہ ہوتا ہے بلکہ اپنے زور بازو سے اپنے عہدے پر فائز ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں تمام دنیا میں مارشل لاء کو اچھی نظروں سے نہ دیکھا جاتا ہے اور یہ عمل انسانی خواہشات کے برعکس سمجھا جاتا ہے۔ اس وقت دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء میں "بائی ٹریژن" کے الفاظ درج ہیں مگر مارشل لاء لگانے والے کہتے ہیں کہ انہوں نے کوئی بڑی سازش نہیں کی بلکہ ملک کو سازش سے بچایا ہے۔

اس کے علاوہ ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی شخص مارشل لاء لگاتا ہے تو سیاسی، علمی، ادبی اور قانون دانوں کے حلقے مارشل لاء کی برائیاں کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ دوسرے ممالک اور پریس بھی تنقید کا نشانہ بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مارشل لاء لگانے والا گھبرا کر نئے نئے قوانین بنانا شروع کر دیتا ہے خواہ وہ ملک و قوم کے لئے بہتر ہوں یا نہ ہوں۔ دستور کو اپنے حق میں ڈھالنے کے لئے معطل کیا جاتا ہے۔ یا پھر اس میں اپنے لئے مفید ترمیم کی جاتی ہیں۔ مختلف قسم کی جمہوریت کے تجربے کئے جاتے ہیں۔ خواہ قوم کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جائے الیکشن اور ریفرنڈم جیسے قوانین بنائے اور بگاڑے جاتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سب کچھ قوم و ملک کی بقا کیلئے نہیں کیا جاتا بلکہ اپنی کرسی اور عزت کو بچانے کے لئے کیا جاتا ہے۔

چند تجاویز جو ملک میں آئندہ مارشل لاء کو روکنے کے لئے مناسب ہیں حسب ذیل ہیں

(۱) دستورِ پاکستان میں ترمیم کر کے یہ بات واضح طور پر لکھی جائے کہ مارشل لاء لگانا سب سے

Marfat.com

بڑا جرم ہے اور مارشل لاء لگانے والا فرد یا گروہ مردودِ پاکستان ہوگا اور اس جرم کی سزا موت ہوگی۔

(۲) مردودِ پاکستان اور مارشل لاء کا خاتمہ عدلیہ اور انتظامیہ کے علاوہ پوری پاکستانی قوم کے ہر فرد پر انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر فرض ہوگا۔ مارشل لاء کے خاتمے یا مردودِ پاکستان کے خاتمہ کی مہم میں جو فرد مارے جائیں وہ شہید پاکستان کہلائیں گے اور اگر زندہ بچ جائیں تو وہ غازی پاکستان کہلائیں گے۔ دونوں صورتوں میں ان کو یا ان کے ورثاء کو موجودہ حکومت یا آنے والی حکومت ایک بھاری انعام سے نوازے گی

مجھے امید ہے کہ مندرجہ بالا دستوری ترامیم کے بعد مارشل کے آئندہ نفاذ کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیگا کیونکہ پاکستانی عوام کی نظریں اوپر بیان کئے گئے خطابات و انعامات اور آئینی تحفظ پر ہوں گی۔ ایسا کرنے سے جمہوری عمل آگے بڑھے گا اور افواجِ پاکستان کی عزت اور وقار بھی بلند ہوگا اور لوگ پھر پہلے کی طرح افواجِ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگانے لگیں گے۔

Marfat.com

باب نمبر ۲۳

قومی یک جہتی اور صوبوں کا آپس میں الحاق

پس منظر

پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل پورے ہندوستان پر برطانیہ کی حکومت تھی جو مکمل طور پر ۱۸۵۷ء سے آخری مغلیہ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی حکومت ختم کر کے سارے ہندوستان پر چھوٹی چھوٹی حکومتوں اور ریاستوں جو کہ مغلیہ سلطنت کے تحت نہ تھیں کو بھی ختم کر کے پورے ملک پر قائم ہو گئی تھی اس طرح ہندوستان پر برطانیہ کی حکومت قائم ہو گئی اور تمام لوگ برطانیہ کے تحت ہو گئے۔ اگرچہ ۱۸۵۷ء ہندوستان کی آزادی ختم کرنے کا سال تھا۔ مگر ہندوستان کے عوام جن میں مسلمان، ہندو، سکھ اور دیگر قومیں بستی تھیں نے ۱۸۵۷ء کو جنگِ آزادی کا سال قرار دیتے ہوئے انگریز سے آزاد ہونے کی جدوجہد شروع کر دی۔ سب سے پہلے متحدہ ہندوستان کو آزاد کرانے کی کوششیں جاری رہیں مگر پہلی جنگ عظیم کے بعد دو قومی نظریہ سامنے آیا۔ مسلمانوں نے اگرچہ جنگِ آزادی میں حصہ لیا مگر آہستہ آہستہ ایک علیحدہ ملک کا مطالبہ زور پکڑتا گیا جس کی مخالفت حکومتِ برطانیہ نے تو کرنی تھی مگر ہندوستان کی دوسری قومیں جن میں ہندو اور سکھ نمایاں ہیں نے پوری شدت سے علیحدہ اسلامی مملکت بنانے کی مخالفت کی مگر مسلمانوں میں جذبہ آزادی اس حد تک ابھر آیا تھا کہ انہوں نے پورے شد و مد سے نہ صرف علیحدہ ملک کا مطالبہ کر دیا بلکہ اس کا نام پاکستان تجویز کر دیا اور اس وقت کے تمام راہنماؤں نے پاکستان حاصل کرنے کے لئے پورے زور و شور سے کام شروع کر دیا۔ ان راہنماؤں میں قائداعظم محمد علی جناح، نواب لیاقت علی خان، شاعرِ مشرق علامہ اقبال، چوہدری رحمت علی، سردار عبدالرب نشتر، حسین شہید سہروردی اور اسی طرح کے دیگر بڑے بڑے راہنما جن کو تاریخ کبھی بھول نہیں سکتی پاکستان کا وجود تسلیم کرانے کے لئے اس تحریکِ آزادی میں شامل ہو گئے۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران جب حکومت برطانیہ نے ہندوستان کو آزادی دینے کا مطالبہ تسلیم کر لیا تو مطالبہ پاکستان بھی زور پکڑ گیا۔ اور پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر مسلمانوں

Marfat.com

کے لئے علیٰحدہ ملک کا مطالبہ تسلیم کر لیا جائے تو کون کون سے ہندوستان کے علاقے پاکستان کا حصہ بنیں گے اور اس کے لئے ایک اہم شرط یہ رکھی گئی کہ اگر ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں لوگوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور پنجاب اور بنگال کو تقسیم کرنے کے حق میں ووٹ دیا تو مسلم لیگ کے مطالبات تسلیم کر لیے جائیں گے اور مسلم اکثریت والے علاقوں میں بھی اس مطالبہ کی حمائت کی گئی تو پھر یہ بات بھی یقینی ہو جائے گی کہ پاکستان ایک علیحدہ مملکت بن جائے گی۔ اس طرح جب ۱۹۴۶ء کے الیکشن ہوئے تو مسلم اکثریت والے علاقوں کے عوام نے ووٹ کے ذریعے پاکستان کے حق میں رائے دی اور پنجاب اور بنگال کے تقسیم ہونے کے حق میں ووٹ دیئے۔ اس طرح آدھا پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان، سندھ اور آدھا بنگال پاکستان میں شامل ہو گیا اور اس کا اعلان سرکاری طور پر کر دیا گیا۔ مسلم اکثریت والی ریاستوں کے متعلق یہ اصول طے پایا کہ ان کے سربراہ جس طرف چاہیں شامل ہو جائیں۔ یعنی اگر وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہیں تو ایسا اعلان کر سکتے ہیں اور اگر ہندوستان میں شامل ہونا چاہیں تو ہندوستان کے ساتھ الحاق رکھ سکتے ہیں۔ اس طرح ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان کی آزادی کا اعلان ہوا تو پاکستان وجود میں آگیا جس میں آدھا بنگال آدھا پنجاب، صوبہ سرحد، صوبہ بلوچستان اور سندھ پاکستان کے حصے تسلیم کیے گئے۔

اس کتاب میں ہمارا مقصد تاریخ پاکستان لکھنا نہیں مگر ہم نے وہ باتیں دیکھنی ہیں اور وہ مقصد سوچنا ہے جس کے لئے مسلمانوں نے بے پناہ قربانیاں دیں جو نہ صرف پاکستان بننے سے پہلے دی تھیں بلکہ پاکستان وجود میں آنے کے بعد بھی جو قربانیاں دی ہیں پاکستان کی تاریخ ہی نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ اس بات کو نہیں بھول سکتی کہ ۵۰ ہزار بچوں اور عورتوں کو اغوا کیا گیا اور اس سے بھی زیادہ مسلمان ہجرت کے دوران لوٹے اور مارے گئے اور شہید ہوئے۔

راقم الحروف کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی اس ہجرت کے دوران شہید ہو گئے بہت سے لوگ کیمپوں اور راستوں میں وبائی بیماریوں کا شکار ہو گئے۔ پاکستان بننے کے بعد اس کے مختلف حصوں میں مہاجرین کی آبادکاری ایک مسئلہ بن گیا تھا اور ان کی مفلوک الحالی قابلِ رحم تھی۔ یہ بات ہندوؤں نے پاکستان بننے سے قبل عام کی ہوئی تھی کہ پاکستان ایک چھوٹا سا ملک ہے جس میں مہاجرین کی آمد کے بعد خورد و نوش کی اشیاء نہ مل سکنے کی وجہ سے لوگ خود ہی اپنی موت مر جائیں گے اور اس طرح مسلمانوں کو علیحدہ ملک بنانے کا مزہ مل جائے گا

Marfat.com

لیکن اللہ تعالےٰ کی رحمتوں اور پاکستانی قوم کے جذبۂ حب الوطنی اور محنت نے نہ صرف پاکستان کو مشکلات پر قابو پانے کے قابل کر دیا بلکہ ضروریاتِ زندگی میں بھی خود کفیل کر دیا۔

سب سے بڑی بدقسمتی اس وقت شروع ہوئی جب مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے علیٰحدہ ہو گیا۔ ان تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں کہ کس طرح اور کن حالات میں مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے علیحدہ ہوا۔ اگرچہ اس وقت پاکستان کے صرف دو صوبے تھے ایک مغربی پاکستان جس میں موجودہ تمام صوبے شامل تھے اور دوسرا مشرقی پاکستان۔ مشرقی پاکستان کی علیٰحدگی کے بعد ۱۹۷۱ء میں درمیانہ دستورِ پاکستان تیار ہوا جس کے مطابق پاکستان یعنی مغربی پاکستان کو پھر ۴ صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا جو اب تک قائم ہیں اور پھر ۱۹۷۳ء کا دستورِ پاکستان تیار ہوا جس کو اس وقت کی حکومت اور دیگر تمام سیاسی جماعتوں اور راہنماؤں نے متفقہ طور پر دستخط کرتے ہوئے منظور کیا۔

اس آئین کے تحت صوبوں کی علیحدہ حیثیت کو برقرار رکھا گیا جو ایک مرکز کے تحت قائم ہیں ۱۹۷۷ء میں تیسرے مارشل لاء کی وجہ سے دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء تقریباً تقریباً معطل رہا اور اب موجودہ حکومت جو عوامی نمائندوں پر مشتمل ہے کے قائم ہونے کے بعد دستورِ پاکستان پھر بحال ہو گیا ہے۔ سوائے چند ترامیم کے جن کا صوبوں کے حقوق سے کوئی تعلق نہ ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ حکومت نے دستور کو بحال کر کے قابلِ تعریف کام کیا ہے۔ اب تک صوبوں کا الحاق اور مرکزی حکومت کی حیثیت کو برقرار رکھنا بہت بڑا کارنامہ ہے مگر اب کچھ شر پسند اور تخریب کار لوگ اس درپے ہیں کہ کچھ صوبوں کو پاکستان سے علیٰحدہ کر دیا جائے تاکہ پاکستان کمزور ہو جائے اور کسی وقت پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ اس لئے ہمیں اس بات کو سوچنا ہے کہ موجودہ پاکستان کو کس طرح قائم رکھا جائے اور صوبوں کا الحاق کس طرح قائم رہے اور وہ ایک مرکز کے تحت پاکستانی عوام کی فلاح و بہبود کے لئے مل جل کر کوشاں رہیں۔

اس پس منظر کے بعد ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون سی اساس یا بنیاد تھی جس نے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے کھڑا کیا اور لاکھوں جانی و مالی قربانیوں کے بعد پاکستان وجود میں آیا۔ جب ہم اس مسئلہ پر سوچتے ہیں تو ایک بات جو سامنے آتی ہے وہ مذہب ہے جو مذہب اسلام ہے اور پاکستان میں جہاں تقریباً تمام شہری مسلمان ہیں اور دیگر قوموں کی تعداد بہت کم ہے تو اس طرح یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ایک قرآن اور سنتِ رسولؐ

Marfat.com

سب مسلمانوں کو علیحدہ ملک بنانے کے لئے قومی جذبہ دیا اور یہی جذبہ تھا کہ علیحدہ ملک میں قرآن کی حکومت ہوگی اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا کلمہ پڑھنے والے اپنے اسلامی طریقے کے مطابق اپنی زندگیاں گزاریں گے۔ آج ہمیں وہ طریقے سوچنے ہیں جن سے پہلے ہم پاکستانی بنیں اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے خواہ ہماری زبان یا علاقہ کوئی ہو، ہم کسی صوبے سے تعلق رکھتے ہوں مذہب اسلام کی بدولت ہم ایک جھنڈے تلے پروان چڑھیں اور تمام صوبے ایک مرکز کے تحت مل جل کر کام کریں۔ ہم میں کوئی صوبائی تعصب نہیں ہونا چاہیئے۔ علاقائی زبانیں ہمیں یہ سوچنے پر مجبور نہ کریں کہ ہم سندھی ہیں ہم پشتو بولتے ہیں اس لئے سرحدی ہیں یا بلوچی بولتے ہیں اس لئے بلوچی ہیں یا پنجابی بولتے ہیں اس لئے پنجابی ہیں — بلکہ یہ سوچنا چاہیئے کہ خواہ ہم کسی بھی صوبہ میں رہتے ہیں یا کوئی بھی زبان بولتے ہیں ہم پہلے پاکستانی ہیں اور پھر سندھی، بلوچی، پٹھان اور پنجابی ہیں۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے صوبوں کی علیٰحدہ علیٰحدہ کیا حیثیت ہے اور کون کون سی چیزیں مشترک ہیں اور کیا کوئی صوبہ علیحدہ ہوکر اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ کیا علیٰحدگی کا سوچنا کوئی عقلمندی کی بات ہے یا اُس صوبے کے عوام جس کے رہنما علیٰحدگی کا سوچتے ہیں عوام کے لئے مفید ہے یا نہیں؟ اور کیا مرکز سے علیٰحدگی کے بعد وہ کسی دیگر حکومت کے ماتحت تو نہیں ہو جائیں گے اور کیا اس طرح کرنے سے جو آزادی اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کی ہے وہ برقرار رہے گی یا نہیں؟۔ تو سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کیا صوبہ سندھ علیٰحدہ ہوکر قائم رہ سکتا ہے؟ تو اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ کیونکہ صوبہ سندھ کو سیراب کرنے والا دریائے سندھ ہے جو پاکستان کے دیگر صوبوں سے ہوتا ہوا گذرتا ہے اور بڑے بڑے بیراج بنا کر سندھ کو سیراب کرتا ہے اور صوبہ سندھ کی سرحدیں باقی صوبوں کے ساتھ ملحقہ ہیں اور اسے ریلوے لائنوں اور سڑکوں کے ذریعے شروع ہی سے دوسرے صوبوں سے ملایا گیا ہے نہ وہ کسی دریا کے ذریعے علیحدہ ہے اور نہ ہی اسے کوئی پہاڑ علیحدہ کرتا ہے۔ اسی طرح صوبہ پنجاب ہے جو زرعی پیداوار کے لحاظ سے سب سے آگے ہے اس کی سرحدیں بھی دوسرے صوبوں سے اس طرح ملتی ہیں کہ کوئی چیز اس کو دوسرے صوبوں سے علیٰحدہ نہیں کرتی اور اس صوبہ کی زرعی پیداوار اور صنعتی مال دوسرے صوبوں کی ضروریات پوری کرتا ہے یہی حال صوبہ سرحد کا ہے جہاں زرعی پیداوار کے علاوہ معدنیات پاکستان میں جاتے ہیں اور خورد و نوش کی اشیاء دوسرے صوبوں سے اس صوبہ میں آتی ہیں۔ اسی طرح صوبہ بلوچستان جو رقبہ کے لحاظ سے بڑا صوبہ ہے مگر زمینیں پہاڑی اور غیر آباد ہونے کی وجہ سے زرعی پیداوار کے لحاظ سے بڑا پیچھے ہے مگر معدنیات وغیرہ کے لحاظ سے یہ صوبہ سب سے آگے ہے۔

Marfat.com

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں سے کوئی بھی علیحدہ ہوکر آزاد نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ پاکستان کی سرحدی صورتحال ہی ایسی ہے اور کراچی جیسا شہر جو کہ پاکستان کے پاس واحد بندرگاہ ہے اور دوسرے تمام صوبوں کو اور غیر ملکی مال کے لانے لیجانے کے لئے ایک ہی بندرگاہ ہے۔ کسی ملک کی آزادی بغیر بندرگاہ تقریباً ناممکن ہوجاتی ہے۔ تو اس طرح پاکستان کے تمام صوبے مل جل کر ایک مرکز کے تحت رہ کر ہی ترقی کرسکتے ہیں اور اپنی آزادی برقرار رکھ سکتے ہیں اس لئے یہ بات سوچنی ہی نہیں چاہیئے اور نہ ہی کسی صوبے کے راہنماؤں کو اس بات کا مطالبہ کرنا چاہیئے یا صوبائی تعصب کو ہوا دینی چاہیئے کہ ان کا صوبہ علیحدہ ہوجائے گا۔ جہاں تک صوبائی مراعات کا تعلق ہے وہ دستورِ پاکستان ۱۹۷۳ء میں پہلے ہی بیان کی گئی ہیں جن پر پوری طرح عمل کرنا چاہیئے اور مرکزی حکومت کو بھی صوبوں کے جائز مطالبات مان لینے چاہئیں

لہٰذا اب ہمیں ایسی باتیں سوچنی چاہئیں جن سے ہر صوبے میں تعمیر و ترقی ہوتی رہے اور ایسی چیزیں مشترک ہوں جن سے ان کا الحاق قائم رہے اور ایک مرکز تلے پورا ملک ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے۔ تاکہ پاکستان کی آزادی قائم رہے۔ اس کام کے لئے حسبِ ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں جن پر عمل کرنے سے صوبوں کا الحاق، آزادی اور قومی نظریہ قائم رہ سکتے ہیں اور پاکستان ہر لحاظ سے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرسکتا ہے۔

(۱) پاکستان جس مقصد کے لئے قائم ہوا تھا وہ ایک قرآن اور سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونا تھا۔ جس کے لئے پاکستان وجود میں آیا تھا۔ اس لئے تجویز یہ ہے کہ قرآن مجید جو کہ عربی زبان میں ہے اس کا ایک اُردو ترجمہ تیار کیا جائے۔ جو کم از کم ۲۰ بڑے بڑے علماء کا بورڈ قائم کرکے تیار کیا جائے تاکہ کسی کو اس ترجمے پر اعتراض نہ ہو اور قرآن مجید کے ترجمے والی کتاب ہر سکول میں پڑھانا خواہ وہ کسی صوبہ میں واقع ہو لازمی قرار دیا جائے۔ یہ کتاب پرائمری تعلیم کے بعد چھٹی جماعت سے شروع ہوکر میٹرک تک ختم ہو۔ سارے قرآن شریف کا اُردو ترجمہ جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے دسویں جماعت تک لازمی ہو اور پھر اس سے باقاعدہ امتحان لیا جائے جس طرح دوسرے مضامین کا لیا جاتا ہے اور اس کا پاس کرنا لازمی ہو۔ اس سے دو طرح کا فائدہ ہوگا۔ ایک اُردو زبان ہر طالبعلم اس اُردو ترجمہ کی وجہ سے سیکھے گا اور دوسرا یہ کہ نئی نسل کے اخلاق اور طور طریقے اور مذہبی رجحان بدلے گا اور ایک قدر مشترک قرآن مجید کی تعلیم کی وجہ سے پیدا ہوگی۔ اور تمام قوم میں ایک جیسے مذہبی خیالات پائے جائیں گے۔ یہ کام صوبوں کا الحاق قائم رکھنے کے لئے بھی مددگار

Marfat.com

ثابت ہوگا اور لوگوں میں نیک نیتی اور ایمانداری اور بُرے کاموں سے پرہیز کی عادت پڑے گی۔ اور قرآن مجید جو اللہ تعالےٰ نے دنیا میں اپنے انسانوں پر اپنے آخری پیغمبرؐ کے ذریعے بھیجا ہے کا مقصد بھی پورا ہوگا۔ کیونکہ قرآن مجید سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہے اور یہ مقصد قرآن مجید کو صرف اپنی زبان میں پڑھنے اور سمجھنے سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ہر پڑھا لکھا شخص جس نے خود قرآن مجید کو پڑھا اور سمجھا ہوگا لوگوں کے بہکاوے میں نہیں آئے گا اور اپنی سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے اللہ تعالےٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا۔

(۲) جہاں تک تمام صوبوں میں علاقائی زبانوں کا تعلق ہے وہ زبانیں سارے پاکستان کی قومی زبانیں نہیں بن سکتیں اور نہ ہی اُن میں کوئی زبان قومی زبان بن سکتی ہے۔ کیونکہ علاقائی زبانوں میں ایک بات تسلیم شدہ ہے کہ ہر علاقائی زبان ۲۰ میل کے فاصلے کے بعد کچھ نہ کچھ تبدیلی اختیار کر لیتی ہے اور لوگ اپنے علاقے میں تبدیل شدہ علاقائی زبان بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اس وقت پاکستان میں انگریزی زبان جو ہمیں انگریزوں سے ورثہ میں ملی ہے دفتری زبان ہے اور علم و ادب، سائنس اور قانون کی کتب زیادہ تر اسی زبان میں ملتی ہیں۔ اس لئے انگریزی زبان کو فوری طور پر ختم کرنا مشکل کام ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان بین الاقوامی زبان ہے جسے ساری دنیا میں بولا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے۔ درآمد اور برآمد میں بھی کاروباری حلقوں میں یہ زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس زبان کو ہم قومی زبان نہیں بنا سکتے پس نہ تو کسی علاقائی زبان کو ہی قومی زبان بنایا جا سکتا ہے جو کہ تمام صوبوں میں سمجھی اور بولی جائے اور نہ ہی انگریزی زبان کو قومی زبان بنایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قومی زبان بنانے کے لئے صرف اُردو زبان ہی ایسی ہے جس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور اس میں اتنی وسعت موجود ہے کہ اس میں تمام زبانیں ڈھل سکتی ہیں اور صرف اُردو زبان ہی قومی زبان کا درجہ اختیار کر سکتی ہے۔ ہمارے دستورِ پاکستان میں بھی اُردو ہی کو قومی زبان بنایا گیا ہے۔ اور پاکستان کی بیشتر آبادی پہلے ہی اس زبان سے واقف ہے اور ہمارا بیشتر ادب بھی اسی زبان میں ملتا ہے۔ اب پاکستان میں سرکاری سطح پر ایک جامع اُردو لغت بھی تیار ہو رہی ہے۔ سائنسی، قانونی اور دیگر کتابوں کے ترجمے اور اصطلاحات کا ترجمہ اس قومی زبان میں ہو چکا ہے اور ہو رہا

Marfat.com

ہے لہذا صوبوں کا الحاق قائم رکھنے کے لئے ایک قومی زبان کا ہونا ضروری ہے اس لئے اُردو زبان کو تمام صوبوں میں پہلی جماعت ہی سے لازمی طور پر شروع کر کے دسویں جماعت تک لازمی قرار دیا جائے۔ اس سے قومی مفادات کو پڑھنے اور سمجھنے میں مدد ملے گی اور قومی خیالات میں ہم آہنگی اور یکجہتی پیدا ہو گی اور تمام صوبوں کے رہنے والوں کو ایک دوسرے کی بات اور خیالات سمجھنے میں مدد ملے گی۔

(۳) کسی بھی صوبے میں کسی تعلیمی ادارے میں خواہ وہ چھوٹے درجے کا ہو یا بڑے درجے کا یا یونیورسٹی ہو اس وجہ سے کسی طالبعلم کو داخلہ سے محروم نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ اس صوبے کی علاقائی زبان کسی بھی سطح پر بطور مضمون یا انگریزی زبان کو بطور مضمون رکھنا چاہیئے ایسا کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(۴) جہاں تک صوبوں کو اپنے عدم تحفظ حقوق کا شکوہ ہے اور ان کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ بڑی بڑی سروسوں میں ان کی تعداد کم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقتاً تو ایسی کوئی بات نہیں۔ مقابلہ کے امتحانوں میں خواہ وہ صوبائی ہوں یا مرکزی اُمیدواروں کی اہلیت اور قابلیت دیکھی جاتی ہے اور اس کے مطابق ان کو ملازمتیں ملتی ہیں مگر پھر بھی اس شکائیت کو دور کرنے کے لئے تمام صوبوں سے آبادی کے لحاظ سے ان کو سروسیس دی جائیں اور ان کو اشتہارات کے ذریعے اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ سروس اختیار کریں خواہ ملٹری سروس ہو یا سول سروس۔ اس سلسلے میں ان کے لئے کچھ شرائط میں نرمی کرنی پڑے تو بھی کر دینی چاہیئے تاکہ ہر صوبے کے عوام سول سروس اور ملٹری سروس میں حصہ لے سکیں۔ اس سے ان کی شکایات بھی دور ہوں گی اور قومی خدمت کا جذبہ بھی پروان چڑھے گا اور عوام کی فلاح و بہبود اور پاکستان کے دفاع میں بھی وہ پوری طرح شریک ہوں گے۔

(۵) جہاں تک پاکستان کے مختلف صوبوں میں پیداواری صلاحیتوں کا تعلق ہے۔ اس میں ہر پاکستانی کو خواہ وہ کسی صوبہ سے تعلق رکھتا ہو پورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقع ملنا چاہیئے اور ہر صوبہ کے سیاسی راہنماؤں اور عوام کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں ایک دوسرے سے ایک دوسرے کے کام نکلتے ہیں اور صوبائی تعصب کو ہوا نہیں دینی چاہیئے کہ پنجابی سندھ میں کام نہ کرے یا سندھی پنجاب میں کام نہ کرے یا پٹھان بلوچستان میں اور بلوچی صوبہ سرحد میں کام نہ کرے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کس قدر زمینیں جو مختلف صوبوں میں غیر آباد

Marfat.com

پڑی تھیں کو دوسرے صوبوں کے لوگوں نے اپنی رات دن کی محنت سے آباد کیا جس سے اس صوبے کے رہنے والوں کو بھی فائدہ پہنچا بلکہ پوری پاکستانی قوم کو بھی فائدہ پہنچا اسی طرح جب ایک صوبہ کے رہنے والے دوسرے صوبے میں اپنی صنعتیں قائم کرتے ہیں تو اس صوبہ کے عوام کو نہ صرف روزگار ملتا ہے بلکہ اس صوبے کی خوشحالی بھی بڑھتی ہے اس طرح بعض صوبوں سے بہت سی معدنیات نکلتیں ہیں جن کی اس صوبے میں اتنی کھپت نہیں ہوتی مگر جب وہ دوسرے صوبے میں پہنچتی ہیں تو اس سے اس صوبے کو سرمایہ فراہم ہوتا ہے جس سے لوگ خوشحال ہوتے ہیں۔ اس طرح مل جل کر صوبائی تعصب کو ختم کر کے ہر شخص کو ایک پاکستانی کی حیثیت سے جہاں وہ رہنا چاہے اور جہاں وہ کام کرنا چاہے قانون کے اندر رہتے ہوئے اسے روکنا نہیں چاہیئے اس طرح نہ صرف قومی جذبہ بڑھے گا بلکہ صنعت و حرفت، معدنیات، تعلیم اور زرعی میدان میں بھی صوبے ترقی کریں گے اور عوام خوشحال ہوں گے۔ اس سلسلے میں حکومتِ پاکستان اور صوبائی حکومتوں کو اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ ہر پاکستانی خواہ وہ کسی صوبے سے تعلق رکھتا ہو اس کو ہر جگہ آباد ہونے، کاروبار کرنے، تعلیم حاصل کرنے اور دیگر امور میں حصہ لینے کا پورا پورا حق ہے اور جو شخص کسی صوبائی تعصب کی بنا پر کسی دیگر صوبے کے رہنے والے آدمی پر ظلم کرتا ہے یا اسے اس لیئے تنگ کرتا ہے کہ وہ اس صوبے کا رہنے والا نہیں ہے حکومت کو اسے سختی سے ایسا کرنے سے روکنا چاہیئے۔ اس بات کی تشہیر کرتے رہنا چاہیئے کہ ہم سب پاکستانی ہیں اور سب کو حق حاصل ہے کہ جس صوبے میں چاہیں اپنی مرضی کا کام کریں۔ ایسا کرنے سے صوبائی تعصب ختم ہوگا اور پاکستان کے تمام شہری ایک مرکز کے تحت اپنی ترقی کی منزلیں حاصل کرتے رہیں گے۔

(۶) جہاں تک اس وقت دفتری زبان انگریزی ہونے کا تعلق ہے اس کو جتنی جلدی ہو سکے ختم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر صوبہ کے عوام یہ بات سمجھتے ہیں کہ تمام دفتروں میں مرکزی حکومت کا کنٹرول ہے اسی لئے انگریزی زبان میں تمام دفتری امور طے پاتے ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے خواہ وہ دفاتر مرکزی حکومت کے ہوں یا صوبائی حکومت کے ہر طرح کی کارروائی، مراسلات اور خط و کتابت اپنی قومی زبان اردو میں ہونی چاہیئے اور انگریزی زبان کو اب دفتری زبان سے خارج کر دینا چاہیئے۔ جہاں تک ملک بھر میں عدالتی فیصلہ جات کا تعلق ہے خواہ وہ چھوٹی عدالت میں ہوں یا بڑی عدالت کے فیصلے ہوں تمام اردو میں ہونے چاہئیں۔ اس سے بھی قومی یکجہتی اور الحاق قائم رکھنے میں نہ

Marfat.com

صرف مدد ملے گی ۔ بلکہ قومی زبان اُردو کو بھی فروغ حاصل ہوگا اور ہم آہنگی اور یگانگت پیدا ہوگی ۔

(۷) دو باتیں جو تمام ملک میں فساد کا باعث بنتی ہیں ان کا خاتمہ ضروری ہے۔ پہلی بات مارشل لا کا لگنا اور دوسری بات کسی سیاسی راہنما کا بیان دینا کہ اس کے صوبہ کو علیحدہ کر دیا جائے ۔ اس لئے دستورِ پاکستان میں ان دونوں باتوں کے کہنے اور کرنے کو جرم قرار دیا جاوے اور اس کی سزا موت مقرر ہونی چاہیئے جیسے کہ اس کتاب کے دیگر حصّہ میں مارشل لاء کے خاتمہ کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے ۔ ایسا کرنے سے کسی صوبہ کی علیحدگی کا خطرہ ختم ہو جائے گا ۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ دنیا میں اچھے اور برے لوگ سب جگہ ہوتے ہیں اور انسانی خواہشیں بھی ختم نہیں ہوتیں اس لئے ایسے مطالبات کرنے والوں کا سختی سے نوٹس لیا جاوے تاکہ کوئی اِن دونوں مذکورہ بالا کاموں میں سے کسی کام کو کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے ۔ اس طرح پاکستان میں جمہوریت پھلے پھولے گی اور پاکستان صحیح معنوں میں ایک اسلامی ملک بن سکے گا ۔

(۸) جہاں تک صوبوں کی خوشحالی کا تعلق ہے اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ جتنے وسائل کسی صوبہ میں موجود ہوں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے جتنی زمینیں تمام صوبوں میں سیم وتھور سے خراب ہو چکی ہیں یا غیر آباد پڑی ہیں ان کو آباد کیا جاوے ۔ پنجاب ، سندھ اور بلوچستان میں اب تک لاکھوں ایکڑ اراضی غیر آباد پڑی ہے جو آباد ہو سکتی ہے ۔ اب تو ہر طرح کی مشینری میسر ہے ۔ بڑے بڑے بلڈوزر اور دیگر زرعی مشینری مل سکتی ہے جس سے نہ صرف تھل کی زمینیں ہی آباد ہو سکتی ہیں ۔ بلکہ پہاڑی زمینیں بھی آباد ہو سکتی ہیں اور کرنی بھی چاہیئں تاکہ زرعی اجناس اور پھلوں کی پیداوار میں اضافہ ہو اور تمام ملک اور صوبے کھانے پینے کی اشیاء میں خود کفیل ہو جائیں ۔ سارے ملک کو صنعتی بنایا جائے اور تمام غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے لئے آب پاشی کا انتظام کیا جاوے ۔ اگر سرکاری سطح پر ایسا کرنا ناممکن ہو تو زمینداروں اور عوام کی مدد کی جائے اور ان کو ایسی زمینیں آباد کرنے کے طریقے بتائے جائیں ۔ مشینری اور دیگر کاموں کے لئے قرضے دیئے جائیں ۔ اس طرح اگر صوبے صنعتی لحاظ سے اور زرعی پیداوار کے لحاظ سے خوشحال ہوں گے تو وہ قومی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں گے اور ایک مرکز سے علیحدگی کا سوچ بھی نہ سکیں گے ۔

(۹) ایک نہایت اہم مسئلہ اِن آزاد علاقوں کا ہے جو پاکستان کی شمالی سرحدوں کے ساتھ ساتھ قائم ہیں اور وہ لوگ زیادہ تر مسلمان ہیں مگر قبیلوں کی صورت میں آباد ہیں ۔ بعض علاقوں میں

Marfat.com

پاکستان نے اپنے پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کر رکھے ہیں جو رابطہ کا باعث بنتے ہیں اور اپنے قبیلے کے سردار کے تحت یہ لوگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ جرائم کو روکنے کے لیے انہوں نے اپنا جرگہ سسٹم شروع کر رکھا ہے جس میں بہت سے سردار مل بیٹھ کر اپنے اپنے مسائل اور جھگڑے ختم کرتے ہیں۔ وہاں کوئی قانون یا دستور لاگو نہ ہے اور نہ وہ لوگ کسی حکومت کے تابع ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ تمام طریقے کئی ہزار سال پہلے کی یاد تازہ کرتے ہیں جب انسان جنگلوں میں رہتا تھا اور اپنی حفاظت کا خود ذمہ دار تھا۔ اب بھی ان علاقوں میں جب دو قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے تو کئی دن یا کئی کئی ماہ ختم نہیں ہوتی اور ہزاروں لوگ اس آپس کی لڑائی کا شکار ہو جاتے ہیں اور نسل در نسل یہ عداوتیں اور جھگڑے چلتے ہیں۔ اس طرح یہ آزاد علاقے نہ صرف خود جنگل کے قانون کا شکار ہیں بلکہ جرائم کا اڈا بھی بن چکے ہیں۔ آزاد علاقہ جرائم پیشہ لوگوں کی پناہ گاہ بنا ہوا ہے۔ عورتوں اور بچوں کو اغوا کر کے وہاں لے جایا جاتا ہے اور پھر وہاں سے انہیں واپس لانا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے علاوہ سیاسی مخالفین اور غنڈہ ٹیکس وصول کرنے کے لئے لوگوں کو اغوا کر کے اس علاقے میں لے جایا جاتا ہے۔ اچھی موٹر گاڑیاں چوری کر کے اس علاقہ میں لے جائی جاتی ہیں۔ سمگلنگ اور منشیات کا یہ علاقہ اڈا بنا ہوا ہے۔ ان تمام برائیوں کو ختم کرنے کے لیے کسی نے سوچا تک نہیں اور نہ ہی ان لوگوں نے جو اس علاقہ میں رہتے ہیں اپنی اصلاح کی طرف توجہ دی ہے۔ اگر کوئی بات ہو تو کہا جاتا ہے کہ آزاد علاقہ کے لوگوں نے تو انگریزوں کا مقابلہ کیا اور ان کی کوئی بات نہ مانی۔ اگر سوچا جائے تو یہ جواب حقیقت پر مبنی نہ ہے کیونکہ انگریزوں کا مذہب عیسائیت تھا اور ان علاقوں کے لوگوں کی اکثریت مسلمان تھی اس لئے وہ کیوں انگریزوں کی غلامی پسند کرتے۔ اس لئے ہمیں ان علاقوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور اس مسئلہ کو حل کرنا چاہیئے تاکہ آزاد علاقہ کے لوگوں کی بھی اصلاح ہو سکے اور وہ لوگ بھی ترقی یافتہ دنیا میں شامل ہو سکیں اور پاکستان کے مسائل بھی حل ہوں اور جو مصیبتیں ان آزاد علاقوں کی وجہ سے پاکستان میں آتی ہیں ان سے نجات مل سکے۔ اس کام کے لئے حسب ذیل تجویز پیش کی جاتی ہے۔

(و) اگرچہ اس علاقے کو پاکستان کے نقشہ میں دیکھایا گیا ہے مگر عملی طور پر یہ لوگ آزاد ہیں اور پاکستان کی حکومت کے قانون کے پابند نہ ہیں۔ اس کام کے لئے قانونی طور پر ان علاقوں کو پاکستان کا حصہ بنایا جائے اور جو علاقہ جس صوبہ کے ساتھ لگتا ہو اسی صوبہ کا حصہ

Marfat.com

قرار دیا جاوے ۔ جو حقوق اور تحفظ پاکستانی شہریوں کو حاصل ہیں اس علاقہ کے لوگوں کو بھی دیئے جائیں۔ ان کی بہتری اور اصلاح کے لئے وہاں سکول اور کالج کھولے جائیں۔ رابطہ سڑکیں اور راستے بنائے جائیں جو زمینیں غیر آباد ہیں ان کو آباد کیا جائے اور سرحدی حفاظت کے لئے پاکستانی فوج اور دیگر ادارے جو اس کام کے لئے معمور ہیں کو وہاں مقرر کیا جاوے ۔ اگر اس علاقے کے کچھ قبائل اس بات سے انکار کریں تو ان کو سمجھایا جائے کہ وہ بھی مسلمان ہیں اور پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور یہ سب کام ان کی بہتری اور بھلائی کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اگر چھوٹی چھوٹی ریاستیں جن کے پاس اپنی پولیس اور فوج تھی وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کر سکتے ہیں تو ان قبائل کو الحاق کرنے میں کون سی مشکل درپیش ہے۔ اس طرح تمام آزاد علاقہ پاکستان کے مکمل کنٹرول میں آجائے گا اور وہاں کے رہنے والوں کی فلاح و بہبود ہو سکے گی اور پاکستان کے لئے جو ان علاقوں کے آزاد رہنے کی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں ان سے پاکستان محفوظ ہو جائے گا۔ اگر چند قبائل اس بات کو تسلیم نہ کریں تو طاقت کے ذریعے بھی ان کو زیر کنٹرول لایا جا سکتا ہے۔

(۱۰) ایک اور مسئلہ جو توجہ طلب ہے وہ مسئلہ کشمیر ہے۔ پورا کشمیر ۱۳ اضلاع پر مشتمل ہے جس میں سے ۵ اضلاع آزاد کشمیر میں اور دیگر اضلاع مقبوضہ کشمیر میں شامل ہیں جسے ہندوستان نے اپنا حصہ قرار دیا ہے۔ تمام کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی بہت زیادہ ہے مگر ہندو راجہ ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ الجھ گیا اور ۱۹۴۸ء میں پاکستان اور ہندوستان میں جنگ کا باعث بنا۔ دوسرے ملکوں کی مداخلت خصوصاً اقوام متحدہ کی کوششوں سے یہ جنگ بند ہوئی اور یہ اصول طے پایا کہ پورے کشمیر میں رائے شماری کرائی جائے اور لوگوں کی رائے کو اہمیت دی جائے تاکہ وہ جس حکومت کے ساتھ شامل ہونا چاہیں ہو سکیں مگر ہندوستان اس بات کو ٹالتا رہا اور آج تک رائے شماری نہیں ہونے دی۔ کیونکہ اسے پتہ ہے کہ مسلمانوں کی کشمیر میں اکثریت ہے اور وہ سب لوگ پاکستان کے حق میں ووٹ دیں گے اور اس طرح کشمیر پاکستان کا صوبہ بن جائے گا۔ اس کے برعکس ہندوستان نے اپنے مقبوضہ علاقے کو ہندوستان کا حصہ قرار دے دیا ہے۔ ساری دنیا میں اس سلسلہ میں اس بات کا برا منایا گیا کہ متنازعہ علاقہ کو ہندوستان نے اپنا حصہ کیوں قرار دیا ہے۔ اقوام متحدہ میں بیشمار قرار دادیں منظور ہوئیں کہ کشمیر میں رائے شماری کرائی جائے اور اس پرانے مسئلہ کو حل کیا جائے تاکہ دونوں ملک پاکستان اور ہندوستان

Marfat.com

اچھے ہمسایوں کی طرح رہ سکیں مگر بڑی طاقتوں کے حقِ ویٹو کی وجہ سے اقوامِ متحدہ کی قراردادوں پر عمل نہ ہو سکا اور یہ مسئلہ اب تک زندہ ہے اور دونوں ملکوں میں تناؤ کا باعث بنا ہوا ہے اب تقریباً چالیس سال گزر چکے ہیں مگر اس جھگڑے کا خاتمہ ہوتا نظر نہیں آتا۔

جہاں تک آزاد کشمیر کا تعلق ہے حقیقتاً وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کر چکا ہے مگر عالمی تنازعہ ہونے کی وجہ سے پاکستان اسے اپنا حصہ قرار نہیں دے سکتا اور اس وقت آزاد کشمیر کا اپنا سپریم کورٹ اور عدالتی نظام قائم ہے اور ان کی اپنی حکومت ہے اگرچہ دیگر تحفظات جو اس حکومت کو درکار ہیں وہ پاکستان فراہم کرتا ہے۔ دونوں حکومتوں کے درمیان عوام کا بلا بطہ قائم ہے اور کسی پاسپورٹ یا ویزا کی ضرورت نہ ہے۔ اصل میں کشمیر وہ علاقہ ہے جو پاکستان کے لئے شہ رگ سمجھا جاتا ہے اور اس کا پاکستان کے ساتھ رہنا از حد ضروری ہے اس لئے حکومت پاکستان کو عالمی سطح پر ایک بار پھر پوری شدت کے ساتھ اس مسئلہ کو اٹھا کر یا ہندوستان کے ساتھ باہمی بات چیت سے اس مسئلہ کا حل تلاش کرنا چاہیئے تاکہ یہ جھگڑا جو بار بار دونوں ملکوں کے درمیان جنگ کا اور تناؤ کا باعث بنتا ہے ختم ہو اور کشمیری عوام بھی اپنی حیثیت کا تعین کر سکیں اور ان کی فلاح و بہبود بھی اسی طریقے سے ہو سکے جس طرح دوسرے پاکستانی عوام کی ہوتی ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے سے ہمسایہ ملکوں سے تعلقات بہتر ہوں گے اور پاکستان کے صوبوں کی علیحدگی کا خطرہ بھی ختم ہو جائے گا کیونکہ کچھ ہمسایہ ممالک بھی مختلف صوبوں کے عوام کو علیحدگی پر اکساتے ہیں۔

ان حالات اور تجاویز جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے پر عمل کرنے سے پاکستان میں قومی یکجہتی کو فروغ ملے گا۔ عوام میں قومی جذبہ پیدا ہوگا اور پاکستان جس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے وہ مقصد بھی پورا ہوگا۔ تمام صوبے اور علاقے جو پاکستان میں شامل ہیں ایک خاندان کی طرح رہ سکیں گے۔ جس سے پاکستان نہ صرف مضبوط اور مستحکم ہوگا بلکہ پاکستانی عوام اور شہری بھی خوشحال ہوں گے اور عالمی برادری میں اپنا نام پیدا کریں گے۔

Marfat.com

باب نمبر ۴ :

پاکستان کی خارجہ حکمتِ عملی

(ا) خارجہ حکمت عملی (خارجہ پالیسی) سے مراد کسی ملک کے دنیا کے دوسرے ممالک کے ساتھ تجارتی، تکنیکی، اخلاقی فنی، تعلیمی، ثقافتی اور سفارتی تعلقات ہیں۔ جہاں تک پاکستان کی خارجہ پالیسی یا حکمت عملی کا تعلق ہے ہم اسے پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اسلامی ممالک کے ساتھ تعلقات ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات، سرمایہ دارانہ نظام رکھنے والے ممالک کے ساتھ تعلقات، سوشلسٹ ممالک کے ساتھ اور بڑی بڑی طاقتوں کے ساتھ تعلقات۔

(ا) سب سے پہلے ہم دنیا میں اسلامی ممالک کے تعلقات کی بابت دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں بنیادی دو باتوں کو مدِنظر رکھنا ہوگا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پاکستان ایک اسلامیہ جمہوریہ مملکت ہے جہاں پوری پوری کوشش کی جاتی ہے کہ اسلامی قوانین پر عمل ہو اور پاکستانی عوام قرآن و سنت کے مطابق اپنی زندگی گذاریں۔ دنیا کے تمام اسلامی ممالک اور جہاں جہاں مسلمان بستے ہیں ان سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے۔ قرآن حکیم اس کی نازل کردہ کتاب ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری پیغمبر ہیں اور تمام مسلمان قرآن و حدیثِ رسولؐ کے مطابق زندگی گذارتے ہیں۔ اس لئے تمام مسلمان ممالک اور دوسرے مسلمان جو محکوم ہیں آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے ہیں اور پاکستانی عوام ان کے ساتھ برادرانہ تعلقات رکھنے کے لئے کوشاں ہیں۔ ایسا کرنا ان کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے اور انہیں زندگی کے ہر شعبہ میں ایک دوسرے کی پورے خلوص کے ساتھ مدد کرنی چاہیئے تاکہ تمام اُمتِ مُسلمہ فلاح پائے۔

(ب) دوسری قسم ان ممالک کی ہے جو پاکستان کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ بستے ہیں یعنی ہمسایہ ممالک جیسے ہندوستان، افغانستان، چین، ایران وغیرہ وغیرہ۔

ہمسایہ ممالک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات ایسے ہونے چاہئیں کہ پاکستان خود بھی پھلے پھولے اور ہمسایہ ممالک بھی دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتے رہیں۔ یہ بات اسلامی روایات میں شامل ہے کہ ہمسایوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے چاہئیں اور ہر ضرورت کے وقت وہ ایک دوسرے کے کام آتے رہیں۔ اور جب تک کوئی ہمسایہ ملک پاکستان میں مداخلت نہ کرے اس وقت تک پاکستان

Marfat.com

بھی کسی ہمسایہ ملک کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دے۔ اس کے علاوہ ہمسایہ ممالک کے ساتھ پاکستان کے اخلاقی، تجارتی، فنی، تکنیکی اور تعلیمی تعلقات نہ صرف قائم رہنے چاہئیں بلکہ ان میں روز افزوں اضافہ ہونا چاہیئے۔

(ج) جہاں تک تیسری قسم کے ممالک کا تعلق ہے جن کا نظامِ حکومت سرمایہ دارانہ ہے۔ اگرچہ وہ ممالک اسلامی عقیدہ نہ رکھتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اہلِ کتاب کہلاتے ہیں۔ جیسے عیسائی، یہودی اور پارسی اپنی اپنی الہامی کتابوں جیسے زبور، تورات اور انجیل مقدس کو مانتے ہیں ان ممالک اور ان لوگوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کے لئے اسلام نے زور دیا ہے اور ہمیشہ اہلِ کتاب کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات اچھے رہے ہیں۔

(د) چوتھی قسم کے وہ ممالک ہیں جو اگرچہ اپنا اپنا مذہبی عقیدہ رکھتے ہیں مگر ان میں اکثریت سوشلسٹ ممالک کی ہے۔ ان میں سے چند بڑے ممالک کا اتحاد متحدہ میں ویٹو بھی چلتا ہے اور جب تک یہ اتفاق نہ کریں کسی قرارداد پر عمل نہیں ہو سکتا۔

جہاں تک آج کل کے حالات کا تقاضا ہے دنیا میں ملک گیری کی خواہش ختم ہو چکی ہے۔ جو انیسویں صدی کے نصف تک قائم تھی۔ پرانے زمانے میں بڑے بڑے فاتح ہو گذرے ہیں جنہوں نے ساری دنیا کو ایک جھنڈے تلے اور حکومت کے تحت لانے کی کوششیں کیں اور وہ ایک کے بعد دوسرے ملک کو فتح کرتے گئے اور بہت سے لوگ اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ اگرچہ وہ ساری دنیا کو فتح نہ کر سکے مگر بہت سے ملکوں کو فتح کر کے اپنی وسیع تر سلطنتیں قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جسے دیکھنے کے لئے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ اس کے علاوہ لوگوں پر مذاہب پرستی کا رجحان اس قدر طاری تھا کہ ہر آنے والے مذہب کے پیروکاروں نے یہی خیال کیا کہ ان کا مذہب ساری دنیا میں پھیل جائے اور بعض لوگوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کے لئے نہ صرف اپنے مذہبی نمائندے دوسرے ممالک میں بھیجے بلکہ مذہبی جنگیں بھی لڑی گئیں اور طاقت کے زور پر دوسرے ممالک کے لوگوں کو زیر کر کے اپنے اپنے مذہب کو پھیلایا گیا جیسے جیسے دنیا میں ترقی ہوتی چلی گئی اس رویہ میں تبدیلی آتی گئی اور پھر ان مذہبی خیالات اور رجحانات کو پھیلانے کے لئے نئے نئے طریقے نکالے گئے اور پُرامن طریقہ سے مذہبی خیالات اور مذہب کے پرچار کے لئے دوسرے ممالک میں مشنری ادارے قائم کئے گئے اور مذہبی وفود اور جماعتیں اور کتابیں، رسائل اور دیگر لٹریچر کے ذریعے اپنے اپنے مذہبی خیالات کا پرچار کیا گیا۔ بعض ملکوں نے تجارت کی غرض سے دوسرے ملکوں کو اپنے زیرِ نگیں کرنے کے لئے تجارتی کمپنیاں قائم کیں

Marfat.com

اور بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے اور بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں یہ ملک گیری کا رجحان انیسویں صدی تک کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا مگر آہستہ آہستہ اس رجحان میں تبدیلی آئی اور پھر بیسویں صدی میں خاص طور پر پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کے دوران لوگ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ملک گیری کی ہوس نہ صرف فضول ہے بلکہ انسانی جانوں اور مال کی تباہی کا باعث ہے۔ اس لیئے ہم دیکھتے ہیں کہ بیسویں صدی میں تمام دنیا میں بہت کم واقعات ایسے نظر آتے ہیں جن سے ظاہر ہو کہ کسی ایک ملک نے دوسرے ملک پر قبضہ کر کے اپنی سرحدوں میں اضافہ کیا ہو بلکہ اس کے برعکس یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بڑے بڑے ممالک میں آزادی کی لہر اس قدر دوڑ گئی کہ محکوم عوام پر قابو پانا مشکل ہو گیا اور بڑے بڑے ممالک میں سے کئی کئی ملک وجود میں آئے اور ان کو آزادی نصیب ہوئی اور پھر دنیا کے نقشہ میں وہ علیحدہ ملک کی حیثیت سے قائم ہوئے۔ اس کی مثال سب کے سامنے ہے کہ حکومتِ برطانیہ جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس کی سرحدوں کے اندر سورج غروب نہیں ہوتا آج پھر وہی برطانیہ کی حکومت اپنی پرانی سرحدوں کے اندر سکڑ کر رہ گئی ہے اور تمام ممالک جو اس کے زیرِ اثر تھے انہوں نے اس سے آزادی حاصل کر لی ہے۔ اس کے علاوہ ساری دنیا جس میں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ممالک بھی شامل ہیں بے شمار چھوٹے ملکوں نے بڑے ملکوں سے آزادی حاصل کر کے اپنی علیحدہ حکومتیں قائم کر لیں۔ پھر یہاں تک ہوا کہ آزادی حاصل کرنے والے ملکوں میں بعض تحریکیں اٹھیں اور ان کے بھی ٹکڑے ہو گئے اور وہ علیحدہ ملک کی حیثیت سے قائم ہو گئے۔ اس سلسلہ میں علیحدہ علیحدہ آزاد ملکوں کی جنہوں نے بیسویں صدی میں آزادی حاصل کر کے اپنی علیحدہ ملکی حیثیت قائم کی کی نشاندہی اور گنتی کی ضرورت نہ ہے بلکہ دنیا کا نقشہ دیکھا جا سکتا ہے۔

ایک اور بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی ملک نے بیسویں صدی میں دورانِ جنگ کسی ملک پر یا اس کے کسی حصے پر زبردستی قبضہ کر بھی لیا تو بعد میں پھر اس ملک کو یا اس کے مفتوحہ علاقے کو خالی کر کے اس ملک کی تحویل میں دے دیا گیا۔ بہت کم واقعات دنیا میں ہیں جن سے ظاہر ہو کہ کسی علاقے پر کوئی حکومت آج تک ناجائز قابض ہو۔ اگر کوئی ہے تو وہاں کے لوگوں کی حریت پسندی اور تحریکِ آزادی مسلسل جاری ہے اور وہ دن دور نہیں کہ جب وہ لوگ بھی اپنا علیحدہ ملک قائم کرنے میں اور آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

پس یہ بات ظاہر ہے کہ آج دنیا میں سب ملکوں کو ملک گیری کی بجائے اپنے ملک کی آزادی قائم رکھنا زیادہ عزیز ہے آج کل جسے سائنس کی ترقی کا دور کہا جاتا ہے عوام کی فلاح و بہبود اور موجودہ

Marfat.com

دور کی آسائش فراہم کرنا حکومت کی اہم ذمہ داری سمجھی جاتی ہے اور ملکی دفاع کی ضرورت کے لئے مسلح افواج کا رکھنا بھی اس حد تک ضروری سمجھا جاتا ہے کہ ہر ملک اپنی آزادی قائم رکھ سکے۔ اس کے علاوہ اقوام متحدہ ایک ایسا ادارہ ہے جو بیسویں صدی کی پیداوار ہے اور جو دنیا کے ہر ملک کی آزادی پر نظر رکھتا ہے اور اگر کوئی ملک اس کی آزادی میں دخل اندازی کرے تو باہمی افہام و تفہیم اور اثر و رسوخ کے ذریعے چھوٹے سے چھوٹے ملک کی آزادی کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں کئی بڑی بڑی تنظیمیں قائم ہو گئی ہیں جن میں کسی نہ کسی کا الحاق دنیا کے ہر چھوٹے ملک کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور وہ اسے تحفظ فراہم کرتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آج بھی دنیا کے ممالک کو خوف اور خدشات نے جکڑا ہوا ہے اور وہ اسلحہ اکٹھا کرنے اور بنانے کی دوڑ میں ایک دوسرے کے آگے نکلنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں مگر اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس (وقت) دور میں انسان میں سخت گیری اور درندگی کم ہوتی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سابقہ تقریباً ۴۰ سالوں سے کوئی ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم یا اسی طرح کا کوئی اور مہلک بم دنیا کے کسی حصہ میں نہیں گرایا گیا۔ حالانکہ جن ممالک کے پاس ان دو قسموں کے بم تھے ان پر بڑے بڑے نازک وقت بھی آئے مگر یہ بم نہیں چلائے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں میں اب پہلے کی نسبت ہمدردی کے جذبات زیادہ ابھر آئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کا شعور اس قدر پیدا ہو گیا ہے کہ ہر سمجھ دار شخص آزادی کی قدر کرنے لگا ہے۔ حتیٰ کہ باغی جنگجوؤں کو بھی رحم آنے لگا ہے کہ انسانی جانیں ضائع نہ کی جائیں۔ ممکن ہے کہ اکیسویں یا بائیسویں صدی عیسوی میں دنیا کے ممالک میں صوبائی آزادیاں حاصل کرنے کے مطالبات بڑھ جائیں اور وہ زیادہ سے زیادہ مراعات مرکزی حکومتوں سے حاصل کر کے میں کامیاب ہو جائیں اور ملکی دفاع کو چھوڑ کر اپنی اپنی کرنسیاں بھی علیحدہ کر لیں۔ اسلحہ کے انبار یا تو خود بخود ہی پگھل کر ختم ہو جائیں یا پھر قیامت آنے پر موجودہ دنیا کی تباہی کا باعث بن کر قیامت کے دن کی راہ ہموار کرنے کے لئے نظام شمسی اور نظام فلکی کو متاثر کریں۔

ہمیں مذکورہ بالا حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنی خارجہ حکمت عملی تیار کرنی چاہیئے جس کے لئے حسبِ ذیل تجاویز پیش ہیں۔

(۱) اسلامی ممالک سے پاکستان کے تعلقات برادرانہ ہونے چاہئیں۔ جب بھی کسی اسلامی ملک پر کوئی دوسرا غیر اسلامی ملک زیادتی کرے تو پاکستان کو جہاں تک ہو سکے اس اسلامی ملک کی اخلاقی اور مادی مدد کرنی چاہیئے۔ پاکستان کو آگے بڑھ کر زیادتی کو ختم کروانا چاہیئے۔ اور اگر آسمانی آفت کی وجہ سے دوسرا اسلامی ملک مصیبت میں پھنس گیا ہو تو ہر طرح کی امداد

Marfat.com

سب ضرورت فراہم کرنی چاہیئے جس میں مالی امداد کے علاوہ خورد و نوش کی اشیاء، ادویات، ڈاکٹرز نرسیں، فنی اور عسکری امداد دینے سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ جو مسلمان دنیا کے مختلف ممالک میں محکوم ہیں ان کی مدد اس طرح کرنی چاہیئے کہ جب بھی ان پر حکمران حکومت زیادتی کرے تو پاکستان کو اپنا اثر و رسوخ اور سفارتی تعلقات کے ذریعے اس زیادتی کو رکوانا چاہیئے اور ابلاغ عامہ کے ذریعے اس زیادتی کو رکوانے کے لئے عالمی سطح پر کوشش کر کے جتنی جلدی ہو سکے اس زیادتی کو جو مسلمانوں پر کی جا رہی ہے ختم کروانا چاہیئے اور ایسا کرنا پاکستان اور پاکستانی قوم کا فرض اولین ہونا چاہیئے۔

اسلامی ممالک کے تعلقات کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دینا چاہیئے۔ تعلیمی، فنی، تکنیکی، تجارتی ثقافتی اور سیر و سیاحت اور دیگر شعبوں میں باہمی تعلقات کو فروغ دینا چاہیئے تاکہ دنیا کے کسی بھی خطہ میں بسنے والے مسلمان دوسرے اسلامی ممالک کی ترقی سے فائدہ اٹھا سکیں اور ایک دوسرے کے ذرائع ترقی سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔

اسلامی دنیا میں جو قدر مشترک پائی جاتی ہے وہ ایک قرآن کا ہونا، اسلامی تعلیم اور مسجد جو اللہ کا گھر سمجھی جاتی ہے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ تمام مسلمانوں کا ایک ہی خانہ کعبہ ہے جس کی طرف منہ کر کے وہ نماز پڑھتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے فروغ اور تبلیغ کے لئے فی الحال رضاکارانہ طور پر مبلغ بیرونی ممالک میں جاتے ہیں مگر ان کا اپنا کوئی تعلیم کا معیار نہیں ہوتا۔ اس کام کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ ایک ادارہ تبلیغ اسلام قائم کر کے ایک خاص کورس پاس کرنے کے بعد تبلیغی وفود ان تمام اسلامی ممالک اور دیگر غیر اسلامی ممالک میں بھیجے جائیں اور ان افراد کو باقاعدہ تنخواہ (وظیفہ) دی جائے تاکہ وہ اس کام کے لئے وقف ہو کر دل جمعی سے تبلیغی فریضہ سرانجام دے سکیں۔

(۲) ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات اچھے اور بہتر طور پر استوار کرنا بھی پاکستان کے فریضہ میں شامل ہونا چاہیئے خواہ وہ ہمسایہ ملک اسلامی ہو یا غیر اسلامی۔ ہمسایوں کے ساتھ تعلقات کا ذکر قرآن مجید میں بھی بار بار دفعہ آیا ہے۔ سورۃ ابراہیم کی آیات نمبر ۱۳، ۱۲ میں ذکر ہوا ہے کہ ہمسایہ پر ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ ظالم ہمسایہ کو ختم کر کے اس کی زمین کا مالک مظلوم ہمسایہ کو بنا دیتا ہے۔

ہمسایہ ملکوں کے ساتھ تعلقات سے مراد یہ ہے کہ ہم ان کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دیں

Marfat.com

ان کے ساتھ اپنے تجارتی تعلقات بڑھائیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلیمی، فنی، تکنیکی، اور دیگر شعبوں میں تعلقات استوار کریں اور صحت کے میدان میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھائیں۔ خود زندہ رہیں اور دوسروں کو زندہ رہنے دو کے اصول پر کاربند ہونا چاہیئے۔ اگر ہمارے چاروں ہمسایہ ممالک یعنی ہندوستان، افغانستان، چین اور ایران کے ساتھ خوشگوار تعلقات ہوں گے تو ہمیں باہر سے بھی کسی قسم کا خطرہ نہ رہے گا۔ ہمارے عوام فلاح پائیں گے اور ہر لحاظ سے ترقی کریں گے اور ہمسایہ ممالک کی سیر و سیاحت بھی ہوتی رہے گی۔ ہمسایہ ممالک کا تعلق خواہ کسی مذہب یا عقیدہ سے ہو ہمیں بطور ہمسایہ ان کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے ہیں۔ اگر کسی بھی ہمسایہ ملک کو غلط فہمی پیدا ہو تو ہر طرح سے غلط فہمی کو دور کروانا پاکستان کا فرض ہونا چاہیئے تاکہ تعلقات میں فرق نہ آئے۔

(۳) جہاں تک پاکستان کی تیسری قسم کے ممالک۔ کے ساتھ خارجہ پالیسی کا تعلق ہے اس میں وہ ممالک آتے ہیں جن کا سرمایہ دارانہ نظامِ حکومت ہے۔ اس قسم کے ملکوں سے مراد وہ ملک ہیں جہاں کسی شہری کو اپنی جائیداد اور اپنے سرمایہ میں اضافہ کرنے پر کوئی پابندی نہ ہے۔ ہر شہری حکومتی قوانین کی پابندی کرتے ہوئے جتنی چاہے دولت کمائے اس پر کوئی پابندی نہیں خواہ وہ لاکھ پتی، کروڑ پتی سے ارب پتی یا اس سے بھی زیادہ جائیداد یا دولت کا مالک ہو اور بڑے بڑے کاروبار اور صنعتیں اس کی ملکیت ہوں تو حکومت کی اس پر کوئی پابندی نہیں ہوتی بشرطیکہ وہ رائج الوقت ٹیکس ادا کرتا رہے۔ اس قسم کے ممالک کی فہرست میں دنیا کے اکثر ممالک شامل ہیں۔ خاص طور پر وہ ممالک جن کے بسنے والے الہامی اور مذہبی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جیسے عیسائی، یہودی، پارسی، مسلمان اور دیگر مذاہب۔ ہمارا ملک پاکستان بھی اس قسم کے ممالک کی فہرست میں شامل ہے کیونکہ ہم بطور مسلمان اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب قرآن مجید پر ایمان و یقین رکھتے ہیں جس میں کئی بار فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بغیر کسی حساب کے دیتا ہے اور جسے چاہے وہ عزت یا ذلت دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اس لئے اسلام میں زیادہ سے زیادہ دولت کمانے پر کوئی پابندی نہیں البتہ رائج الوقت ٹیکس اور نظام زکوٰۃ کی پابندی لازمی ہے۔

پاکستانی معیشت میں کچھ سالوں سے تبدیلیاں لانے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ پاکستان کی معیشت سودی نظام سے پاک ہو سکے مگر فی الحال ہمارے ملک کا نظامِ معیشت تمام سرمایہ دارانہ ممالک سے مختلف نہیں ہے اور ملتے جلتے قوانین بنے ہوئے ہیں۔ ہماری تجارت، ہمارے بینک اور

Marfat.com

ہمارے دیگر تمام ممالک کے ساتھ تعلقات ومعاملات عالمی قوانین کے تابع ہیں اسی طرح بیرونی ممالک سے جو قرضے حاصل کئے جاتے ہیں ان پر سود ادا کیا جاتا ہے۔ ان حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہمیں سرمایہ دارانہ نظام رکھنے والے ممالک جن میں تقریباً تمام اسلامی ممالک امریکہ برطانیہ، فرانس اور دیگر ایشیائی ویورپی ممالک شامل ہیں کے ساتھ تعلقات بڑھانے میں کوئی رکاوٹ نہ ہے۔ اس لئے ہماری خارجہ حکمتِ عملی مذکورہ بالا ممالک کے ساتھ دوستانہ ہونی چاہیئے تاکہ ہر طرح کا تجارتی لین دین سفارتی تعلقات، تعلیمی معاہدے، سائنس اور ٹیکنالوجی، سیر وسیاحت اور دیگر ہر طرح کی مراعات ان ممالک سے حاصل ہوسکیں اور ان کے لئے ایسی ہی مراعات کے لئے اپنے ملک کے دروازے کھلے رکھنے چاہئیں۔ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے اور دنیا کے جن ممالک کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے ان میں ایسے ممالک بھی شامل ہیں جنہوں نے سائنس، کمپیوٹر الیکٹرونکس اور ایٹمی ٹیکنالوجی میں پہلے ہی بہت زیادہ ترقی کر رکھی ہے اور ہمیں ان سے بہتر تعلقات قائم کرکے اپنے ملک کے لئے وہ تمام علوم اور ٹیکنالوجی حاصل کرنی ہے تاکہ ہمارا ملک بھی ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہوسکے اور ہمارے عوام فلاح وبہبود پائیں اور موجودہ دور کی ایجادات سے پورا پورا فائدہ حاصل کریں۔ جہاں تک ان ممالک سے جنگی سامان کی خریداری کا تعلق ہے وہ اس حد تک حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں جس حد تک ملکی دفاع کے لئے ضروری ہو۔ بشرطیکہ جنگی سامان حاصل کرنے میں کسی دوسرے ملک کے خلاف جارحانہ عزائم شامل نہ ہوں۔

علاوہ ازیں تمام وہ صنعتیں جو پاکستان میں فی الحال قائم نہیں ہیں اگر ہیں بھی تو بہت تھوڑی ہیں اور ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہیں اس لئے ادویہ سازی کی صنعتیں اور زرعی فارمنگ وغیرہ کے لئے تمام ترقی یافتہ ممالک سے معاہدات کرکے ان کو پاکستان میں بڑی بڑی صنعتیں قائم کرنے کی دعوت دینی چاہیئے جس سے نہ صرف پاکستان میں زیادہ روزگار فراہم ہوگا بلکہ زرمبادلہ جو ان چیزوں کی درآمد پر خرچ ہوتا ہے وہ بھی بچے گا۔ اس سلسلہ میں صنعتوں کے قیام سوشلسٹ ممالک سے معاہدات کرنے اور ملک میں صنعتیں قائم کروانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔

(۴) چوتھی قسم میں سوشلسٹ ممالک شامل ہیں۔ اگرچہ ان کا نظامِ معیشت ہم سے مختلف ہے مگر سائنسی اور صنعتی ترقی میں وہ ملک بھی کسی سے پیچھے نہیں اس لئے ہماری خارجہ حکمتِ عملی میں ان ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات خوشگوار ہونا چاہئیں خواہ ان کا مذہبی عقیدہ کچھ اور ہی کیوں نہ ہو ہمیں دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ اپنے تعلقات میں وسعت دے کر تعلیمی فوائد حاصل کرنے چاہئیں اور ان کو بھی پاکستان کی ترقی میں شامل کرکے اپنے ملک کی معیشت بڑھانا چاہیئے مگر ان کی قومی پالیسی یعنی

Marfat.com

ہر چیز کو قومیانے پر عمل کرنا چاہیئے کیونکہ ہمارے ملک میں یہ تجربہ ہو چکا ہے جو نہ صرف بُری طرح ناکام ہو چکا ہے بلکہ ملکی صنعت کو کئی سال پیچھے کی طرف دھکیل دیا گیا ہے۔ اس لئے ہمیں نیشنلائزیشن کی پالیسی چھوڑ کر دیگر ہر قسم کے معاملات میں ان سے دوستی رکھنی چاہیئے تاکہ ہمارا ملک کسی ترقی یافتہ ملک سے پیچھے نہ رہ جائے اور پاکستانی عوام ہر میدان میں ترقی کریں اور ملک کا نام بلند ہو۔

اس سلسلے میں روس اور چین قابل ذکر ہیں۔ روس نے پاکستان میں پاکستان سٹیل مل قائم کرنے جو پاکستان کی مدد کی ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ چین سے پہلے ہی پاکستان کے دوستانہ تعلقات قائم ہیں اور چین پاکستان کی ترقی میں شانہ بشانہ کام کر رہا ہے ان تعلقات کو مزید مؤثر اور بہتر بنا کر سوشلسٹ ممالک سے بھی مفاد حاصل کرنے چاہئیں۔

(۵) پانچویں قسم دنیا کے ان ممالک کی ہے جو نہ صرف اپنے آپ کو سپر طاقتیں کہلاتے ہیں بلکہ حقیقت میں بھی وہ سپر طاقتیں ہیں پاکستان ایک نوزائیدہ ملک ہے اور ترقی پذیر ملک ہونے کی حیثیت سے بڑے ملکوں کی صف میں شامل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی بڑی طاقت کی دشمنی مول لے سکتا ہے۔ اس لئے پاکستان کو نیوٹرل رہنا چاہیئے اور بڑی طاقتوں سے ملکی ترقی کے لئے جو کچھ حاصل ہو سکے وہ حاصل کرنا چاہیئے اور اپنے ملک کو بھی ایک ترقی یافتہ ملک بنانے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک بڑی طاقت روس جس کا جھکاؤ زیادہ تر نہ صرف بھارت کی طرف ہے بلکہ دنیا کے ہر اس ملک کی طرف ہے جس کے مخالف ملک کو دوسری بڑی طاقتیں امداد فراہم کرتی ہیں۔ یہ بات بہت اچھی ہے کہ ہر چھوٹے ملک کو کسی بڑے ملک کی مدد حاصل رہے مگر پاکستان اس مقابلے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے پاکستان کو چین، روس اور دوسرے سوشلسٹ ممالک سے بھی اپنی فنی اور جنگی ضرورتیں پوری کرتے رہنا چاہیئے اور ان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنے چاہئیں۔ تعلیمی اور سائنسی میدان میں اپنے طالبعلموں کو ان کے تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع فراہم کرانے چاہئیں اس کے برعکس پاکستان ان دوسرے ممالک جو سرمایہ دارانہ نظام رکھنے والے ممالک میں سے بڑی طاقتیں ہیں کے ساتھ تعلقات میں کمی نہیں آنے دینی چاہیئے۔ ان ممالک میں فرانس برطانیہ اور امریکہ شامل ہیں۔ ہمیں اس بات میں شک نہیں کرنا چاہیئے کہ ان ممالک نے جو ہماری آج تک ہر معاملے میں خواہ تعلیمی ہو یا صنعتی ہو، صحت کے میدان میں ہو یا جنگی لحاظ سے ہو ہر طرح کی امداد کی ہے۔ یہ ممالک نہ صرف دوست ہیں بلکہ ہمیں ان کا اس سلسلے میں شکر گذار رہنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ یہ ممالک اہلِ کتاب کے ملکوں میں سے ہیں جس کے ساتھ اسلام نے بھی اچھے تعلقات استوار کرنے پر زور دیا ہے۔ اس

Marfat.com

لحاظ سے ہمیں دوسرے ممالک کے ساتھ کوئی مخالفت پیدا نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر اپنے پرانے ساتھی ممالک کو بھی نہیں بھولنا چاہیئے اور ان سے اپنی ضروریات ہر لحاظ سے پوری کرتے رہنا چاہیئے اور اپنے تعلقات میں روز بروز اضافہ کرکے اپنے مفادات خواہ تعلیمی ہوں، سائنسی ہوں، صنعتی ٹیکنالوجی ہو، ایٹمی توانائی، جنگی ساز و سامان و دیگر ضروریات زندگی جن میں کسی ملک پر جارحیت کا عنصر شامل نہ ہو حاصل کرتے رہنا چاہیئے۔

خارجہ حکمت عملی کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے جسے ہم دولت مشترکہ کہتے ہیں۔ دولتِ مشترکہ میں وہ ممالک شامل ہیں جو کسی وقت حکومت برطانیہ کے زیرِ اثر رہ چکے ہیں اور آج وہ ممالک جن میں پاکستان بھی شامل ہے آزاد ہو چکے ہیں۔ پاکستان شروع میں دولتِ مشترکہ کا ممبر رہا مگر پیپلز پارٹی کے دور میں پاکستان کو دولتِ مشترکہ سے علیحدہ کر لیا گیا۔ شاید ان کا خیال ہو کہ دولتِ مشترکہ کا ممبر رہنے سے پاکستان کی آزادی پر کوئی حرف آتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ پاکستان مکمل طور پر ایک آزاد ملک ہے البتہ دولت مشترکہ کا ممبر رہنے سے اسے بہت سے فوائد حاصل ہوئے ہیں خاص طور پر تعلیمی میدان میں صحت کے میدان میں اور تجارت کے میدان میں وہ دولت مشترکہ کا ممبر رہ کر فوائد حاصل کر سکتا ہے جو ممبر نہ ہونے سے نہیں ملتے ہیں اس لئے میری رائے میں پاکستان کو دوبارہ دولت مشترکہ کا ممبر بن کر وہ تمام فوائد ان ترقی یافتہ ممالک سے حاصل کرنے چاہئیں جن سے وہ محروم ہو گیا ہے۔

پاکستان کی خارجہ حکمتِ عملی کا ایک پہلو اور بھی ہے وہ یہ کہ دنیا کے تمام چھوٹے بڑے ممالک جنکی تعداد تقریباً ایک سو ساٹھ سے زیادہ ہے سے سفارتی تعلقات قائم کرنا از حد ضروری ہے تاکہ پاکستانی عوام میں سے جو شخص بھی کسی ملک میں جائے اسے پاکستانی سفارت خانہ نہ ہونے کی وجہ سے جو مشکلات پیش آتی ہیں ان سے وہ بچ سکے اور خاص طور پر دنیا کے تمام ممالک سے تجارتی معاملات بڑھانے کے لئے سفارت خانوں کا قیام از حد ضروری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت بھی دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں پاکستان کے سفارت خانے قائم ہیں اور ان میں پاکستان کے سفیر اور ان کا عملہ تعینات ہے جو دونوں ممالک کے درمیان رابطے کا باعث ہے اور دونوں ملکوں کے باشندوں کی راہبری کے لئے قائم ہے۔ مگر اس سلسلے میں کوئی واضح قانون نہیں بنایا گیا جو قانون پاکستان میں ملتا ہے اور جو بین الاقوامی قوانین اس سلسلے میں موجود ہیں ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پاکستانی سفیروں کا تقرر حکومت وقت کی مرضی پر منحصر ہے جس کو چاہے سفیر بنا دیا جاتا ہے اور جب چاہے اسے واپس بلا لیا جاتا ہے اور اس سروس کے لئے نہ کوئی قانون اور نہ ہی کوئی قواعد بنائے گئے ہیں کہ

Marfat.com

جن لوگوں کو سفیر بنایا جائے ان کی کیا کیا کوالیفکیشن ہونی چاہیئے اور ان کی ملازمت کی کیا ضمانت ہے جب کوئی شخص سفیر بنا کر بھیجا جاتا ہے تو اس کا پہلا پیشہ وارانہ کام اور دیگر امور جو اس کا ذریعہ آمدن ہوتے ہیں وہ ختم ہو جاتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ بھی سفارت کے چند سالوں کو غنیمت جان کر ہر وہ کام کر گزرتا ہے جو اسے نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لئے حکومت کو اس سلسلے میں کوئی معقول قانون وضع کر کے تمام چھوٹے بڑے ممالک میں اپنے سفارت خانے قائم کر کے اور سفیر اور ان کے عملے بھیج کر اپنی خارجہ حکمتِ عملی میں تبدیلی لاتے ہوئے دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے چاہئیں اور اس سفارتی ملازمت کو بھی تحفظ فراہم کرنا چاہیئے۔

آخری اہم بات جو پاکستان کی خارجہ حکمتِ عملی کا حصہ ہونی چاہیئے وہ ہے دنیا کے ان تمام ممالک کے ساتھ تعلقات جن کو حکومت پاکستان نے ابھی تک تسلیم نہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک کوئی ملک کسی دیگر ملک کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا اس وقت تک ایسے غیر تسلیم شدہ ملک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات بہتر نہیں ہو سکتے۔

یہ بات درست ہے کہ بعض دفعہ بعض ملک اور ریاستیں غیر متوقع اور غیر قانونی طریقہ سے آزاد ہو جاتی ہیں اور اپنی اپنی آزاد حکومتیں قائم کر لیتی ہیں جن کو پہلے سے قائم شدہ حکومتیں اور نئی آزاد شدہ حکومتوں کے ہمسایہ ممالک ہرگز تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور سالہا سال تک ان کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے غیر تسلیم شدہ ممالک کے ساتھ ان کے تعلقات کسی صورت میں اچھے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ان کے سفارتی تعلقات کسی صورت میں قائم ہو سکتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی قسم کے مفادات لئے اور دیئے جا سکتے ہیں۔

دنیا میں اس وقت کئی ممالک ایسے ہیں جن کو وجود میں آئے ہوئے ۴۰ سال سے زیادہ عرصہ کا عرصہ گزر چکا ہے مگر ان کو پاکستان نے ابھی تک تسلیم نہیں کیا۔ مگر اس کے برعکس بنگلہ دیش جو کہ پاکستان کا پہلے آدھا حصہ تھا اور پاکستان اس کا دو صوبوں کی صورت میں ایک ہی ونگ تھا اور اسے کسی قانونی طریقے سے آزاد بھی نہیں کیا گیا تھا پھر بھی پاکستان نے اس کا وجود تسلیم کر کے جمہوری عمل کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور بنگلہ دیش کو ایک آزاد ملک کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے۔ حالانکہ کسی بڑی طاقت نے اس سلسلے میں پاکستان پر دباؤ بھی نہ ڈالا تھا۔ اس لئے پاکستان کی خارجہ حکمتِ عملی میں یہ بات شامل ہونی چاہیئے کہ دنیا میں جتنے بھی ملک یا ریاستیں

Marfat.com

جنہوں نے اپنی آزاد حکومتیں قائم کر لی ہوئی ہیں۔ ان کو تسلیم کر لینا چاہیئے اور ان کے ساتھ اپنے سفارتی اور تجارتی اور دیگر امور میں رابطے قائم کر کے اچھے تعلقات استوار کر لینے چاہئیں۔ تاکہ پاکستان نہ صرف دنیا میں مقبول ہو بلکہ بغیر کسی بیرونی خوف کے مضبوط اور مستحکم ہو۔

Marfat.com

باب نمبر ۲۵

معاشرتی برائیوں کا خاتمہ

موجودہ حالات

اس وقت پاکستان میں معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کیلئے بیشمار علیحدہ علیحدہ قوانین بنا کر ان برائیوں کو جرائم قرار دیا گیا ہے اور ان کے ارتکاب کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ ان معاشرتی برائیوں میں ہر طرح کے جرم آتے ہیں جیسے چوری، ملاوٹ کرنا۔ ڈاکہ قتل، زنا، شراب نوشی، جوا کھیلنا، دھوکہ دہی، جعل سازی، رشوت، منشیات کا کاروبار، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ اور ناپ تول میں کمی وغیرہ وغیرہ ہیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان جرائم میں کئی طرح کے مخصوص گروہ یا افراد ملوث ہیں اور مختلف جگہوں پر ایسے کاموں کیلئے ٹھکانے بنا رکھے ہیں اور ایسے محکمے ہیں جہاں جرائم کی فوری طور پر نشاندہی ہوتی ہے اور اکثریت کے ساتھ وہاں سے عوامی شکایتیں بھی آتی ہیں اور مختلف جرائم کرنیوالوں کے نام و مقام لوگوں کی زبان پر ہیں اور ہر شخص فوری طور پر کہہ دیتا ہے کہ فلاں برا کام فلاں جگہ ہوتا ہے اور وہاں سے ختم کرنا چاہیئے۔

اس سلسلے میں غور طلب بات یہ ہے کہ حکومتِ پاکستان کی طرف سے ان معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کے لئے پولیس کا نظام اور اس کی مختلف ایجنسیاں۔ عدالتی نظام۔ بارڈر پولیس اور ملٹری پولیس اور افواجِ پاکستان کا نظام قائم ہے۔ ہر محکمہ اپنی جگہ پر ان برائیوں کو ختم کرنے کیلئے اپنی سر توڑ کوششیں کرتا ہے تاکہ ان برائیوں کے مرتکب افراد دوبارہ ان جرائم کو کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ مگر ایک بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ کسی جرم کو اس وقت ہی ختم کیا جا سکتا ہے جب اس کی نشاندہی ہو اور جرائم پیشہ افراد کو پکڑنے کا انتظام ہو۔ اس سلسلہ میں اس سوال کا جواب نفی میں نظر آتا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ پاکستان میں جاسوسی کا نظام قائم ہے جیسے انیٹی جنس کا محکمہ اور اس کی مختلف برانچیں قائم ہیں۔ یہ محکمہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک محکمہ جاسوسی مسلح افواج

Marfat.com

کی طرف سے قائم ہے جس کے ذریعے ملکی سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور دشمن کے عزائم اور طاقت کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور مسلح افواج کے اندرونی محکمانہ راز و انتظام قائم رکھنے کے لئے قائم ہے اس کے ذمے اور کام بھی ہیں تاکہ پاکستان بیرونی دشمنوں اور حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکے اور اندرونی طور پر ہر مسلح افواج میں بھی کسی قسم کی سازش نہ ہونے پائے۔ دوسرا محکمہ جاسوسی ملک کا اندرونی نظام چلانے کیلئے قائم ہے جو مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو ملکی حالات سے آگاہ رکھتا ہے۔ اس کے ذریعے نہ صرف سرکاری محکموں کی خفیہ رپورٹیں حکومت کو ملتی ہیں بلکہ سیاسی مخالفین کے جلسے جلوسوں اور میٹنگوں کے پروگراموں سے بھی حکومت کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ حکومت وقت آنے والے اندرونی سیاسی خطرات کا مقابلہ کر سکے۔

اس سلسلے میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا معاشرتی برائیوں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کی نشاندہی کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے کون سا محکمہ قائم کیا گیا ہے جو خفیہ طور پر ان برائیوں کی نشاندہی کر کے متعلقہ محکمے کو آگاہ کرے اور ملزموں کو پکڑنے میں معاون ثابت ہو۔

ان برائیوں کے ٹھکانوں اور مقامات کی اطلاع حکومت کی ایجنسیوں کو دے اور اس کا باقاعدہ اندراج متعلقہ محکموں میں کروائے تاکہ وہاں سے متعلقہ محکمے ان برائیوں کو ختم کرنے کے لئے بروقت اقدامات کر سکیں۔ ملزموں کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر قانون کے حوالے کر سکے۔ فی الحال ہمیں ایسا کوئی محکمہ نظر نہیں آتا جو خاص طور پر اس کام کے لئے قائم کیا گیا ہو۔

یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ لوگوں کا یعنی پاکستانیوں کا اخلاق اتنا بلند ہونا چاہیئے کہ وہ خود بخود ان معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کریں اور ملزموں کو پکڑوانے میں مددگار ثابت ہوں۔ یہ بات تو بظاہر ٹھیک نظر آتی ہے مگر حقیقت میں ایسا ہونا ناممکن ہے کیونکہ کوئی شہری بھی ان جرائم کی نشاندہی کر کے دشمنی مول نہیں لینا چاہتا اور پھر خود ہی گواہ بنے اور خود ہی مدعی بن کر ملزموں کو سزا دلانے کے لئے اپنا وقت اور روپیہ خرچ کرے اور پھر عدالتوں میں تاریخیں بھگتنے کے مصائب برداشت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کو اس کام کے لئے کون سی تنخواہ ملتی ہے اور کون سا بڑا انعام دیا جائے گا جو حکومت کی طرف سے پہلے سے مقرر ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ معاشرتی برائیاں متذکرہ انتظامات کے باوجود اپنی جگہ قائم ہیں اور دن بدن جرائم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ان معاشرتی برائیوں کے خاتمہ کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش ہیں۔

(۱) پہلی تجویز یہ ہے کہ پاکستان میں ایک محکمہ جس کا نام پاکستان اینٹی سوشل کرپشن ایجنسی

Marfat.com

ڈیپارٹمنٹ ہو قائم کیا جاوے اس میں چھوٹے عملے سے لیکر بڑے افسران تک عہدیدار مقرر کئے جائیں۔ تمام ملازمین کو بلحاظ عہدہ سرکاری خزانے سے تنخواہ ملے اور اس سلسلے میں محکمے کے اغراض و مقاصد، رولز اینڈ ریگولیشن وضع کیئے جاویں۔ اس محکمے کے ذمے معاشرے کی برائیوں کی نشاندہی کرنا اور دیگر متعلقہ محکموں کی مدد سے ملزموں کو رنگے ہاتھوں پکڑوانا اور قانون کے حوالے کر کے ملزموں کو سزا دلوانا ہو۔

۲۔ اس محکمے کا کام ایسا جاسوسی نظام ملک میں قائم کرنا اور چلانا ہو جس سے جہاں جہاں بھی کوئی برائی جنم لیتی ہے یا وہ مقامات جہاں پر جرائم کی ابتدا ہوتی ہے اور وہ محکمے، مقامات اڈے اور ٹھکانے جہاں جہاں قائم ہیں ان کی جاسوسی نظام کے ذریعے نگرانی کرنا اور پھر تمام جرائم کی جیسی ان کی نوعیت ہو اس کی اطلاع متعلقہ ایجنسی کو دینا اور خود ساتھ جا کر ملزموں کو پکڑوانا اس کا کام ہو۔ اس طرح کرنے سے پاکستانی معاشرے میں جہاں جہاں جرائم ہوتے ہیں ان کی نشاندہی ہو گی اور جرائم کے مرتکب افراد اپنے انجام کو پہنچیں گے اور ہر پاکستانی شہری کو کسی جرم کو کرتے ہوئے ڈر ہو گا کہ پتہ نہیں کس وقت مذکورہ محکمے کا اہل کار اس کی نشاندہی کر کے اس کو پکڑوا دے گا۔

(۳) دیگر محکمہ جات جاسوسی کی طرح اس محکمہ کے ملازمین بھی عام کپڑوں میں پھرتے رہیں گے اور عوام میں گھل مل کر معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کر کے ان کا قلع قمع کرنے میں معاون ثابت ہوں گے۔

۴۔ ہر برائی اور اس کی جگہ نمایاں کام کرنے کی ضرورت نہ ہے بلکہ اس محکمے کو خود بخود علم ہو جائے گا کہ زرعی اجناس میں کہاں کہاں ملاوٹ ہوتی ہے اور معدنیات کی اشیاء میں کون کون سی ملاوٹ کرتے ہیں۔ اسی طرح کون کونسے محکمے ہیں جہاں رشوت عام ہے اور کس کا کام بغیر رشوت دیئے نہیں ہوتا۔ جیسے محکمہ مال، کسٹم، انکم ٹیکس، عدالتی نظام، ٹھیکیداری نظام، ریلوے اور اسی طرح کے بیشمار محکمے اور صنعت و تجارت کے ایسے مراکز ہیں جہاں سے لوگوں کی اکثر شکایات آتی ہیں۔ وہاں معاشرتی برائیاں عروج پر ہیں۔ اسی طرح اخبارات کو پڑھ کر اور مختلف کمپنیوں کے اشتہار دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون سی جعل ساز کمپنی ہے جو لوگوں کو دھوکہ اور فریب دینے کے لئے قائم کی گئی ہے۔ اسی طرح لوکل ادارے جن میں ٹاؤن کمیٹیاں، کارپوریشن اور ڈویلپمنٹ کے ادارے اور

Marfat.com

عوامی سہولتیں فراہم کرنے کا کام کرنے والے ادارے ہیں جن سے لوگوں کو شکایات رہتی ہیں وہاں بغیر پٹرول کے گاڑی نہیں چلتی۔ اسی طرح یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ سمگل شدہ مال کہاں سے آتا ہے اور ملک میں کون سے اداروں اور ٹھکانوں کے ذریعے فروخت ہوتا ہے اس طرح عام چیزوں میں سے ملاوٹی یا جعلی ادویات تیار کرنا عام ہوگیا ہے اس کی نشاندہی ان دوکانداروں ہی سے ہو ادویات فروخت کرتے ہیں ہوسکتی ہے۔ اس طرح روزمرہ استعمال کی چیزیں جیسے دودھ، مکھن، گھی تیل اور اسی طرح کی بے شمار اشیاء ہیں جن میں روزانہ مختلف سرکوں پر مختلف ٹھکانوں اور مختلف دوکانات اور مختلف مقامات پر ظاہرہ طور پر ملاوٹ ہوتی ہے۔ ملاوٹ شدہ اشیا سامنے پڑی ہوئی ہوتی ہیں جن کو عام آدمی بھی دیکھ کر اندازہ لگالیتا ہے کہ اس میں ملاوٹ ہے غرضیکہ ہر طرح کی معاشرتی برائی کی نشاندہی کرنا کوئی مشکل کام نہ ہے اس لئے اگر اس محکمے کے عملہ کو جس کو اسی کام کی تنخواہ دی جاتی ہو وہ ضرور ان معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کرے گا اور ان کا خاتمہ بھی ممکن ہوجائے گا۔

(۵) ایک بات اس محکمے کے قانون میں شامل ہونی چاہیئے کہ اگر کوئی برائی کسی خاص علاقہ میں وہاں کے عملے کی تعیناتی کے دوران ہوتی رہی ہو تو اس عملہ سے جواب دہی کرکے اگر وہ غفلت یا میل ملاپ میں ملوث پایا جائے تو انکو بھی قرار واقعی سزا ملنی چاہیئے جو نوکری سے علیحدگی کے ساتھ پانچ سال قید کی سزا بھی ملنی چاہیئے۔ ایسا کرنے سے اس محکمہ کا سارا عملہ سارے پاکستان میں خفیہ طور پر سرگرم عمل رہیگا اور تمام معاشرتی برائیوں کی بیخ کنی ہو جائے گی۔ پاکستانی معاشرہ معاشرتی برائیوں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے سے نجات حاصل کر لے گا اور ہر شخص سکھ کا سانس لے گا۔ اس سے نہ صرف وفاقی حکومت پرامن اور مضبوط ہوگی بلکہ پاکستان بھی ایک مستحکم ملک بن جائے گا۔

Marfat.com

باب نمبر ۲۶

پاکستان میں اعشاری نظام

موجودہ حالات

اس وقت ملک میں اعشاری نظام رائج ہے۔ لفظ اعشاریہ سے مراد دس ہے اور اعشاری نظام سے مراد یہ ہے کہ ناپ تول کے پیمانوں اور گنتی کے حساب کتاب میں آسانی پیدا ہو اور تمام اعداد و شمار دس پر تقسیم ہو سکے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر حسابی معاملہ میں آسانی پیدا ہو اور بین الاقوامی اعشاری نظام کے ساتھ پاکستان بھی اعشاری نظام کے ذریعے ان کے شانہ بشانہ کام کر سکیں۔ اس میں یہی فائدہ ہے کہ ہر پیمانہ خواہ وہ ناپنے یا پیمائش کرنے کے لئے ہو یا خواہ تولنے کے لئے ہو دس کے ہندسے سے تقسیم ہو جاتا ہے اس طرح ضرب و تقسیم سے مطلوبہ یونٹ اور ہر چھوٹے یونٹ سے بڑے یونٹ کو دس سے ضرب دینے سے بڑا یونٹ بن جاتا ہے۔ اس طرح حساب کتاب کرنے میں آسانی ہوتی ہے اس نظام میں لمبائی کی پیمائش کے لئے میٹر کا پیمانہ رائج کیا گیا ہے جو ۱۰۰۰ ملی میٹر سے ایک میٹر بنتا ہے اور ۱۰۰۰ میٹر سے ایک کلومیٹر بنتا ہے۔ اسی طرح حجم کا پیمانہ بنایا گیا ہے جو ایک ہزار گرام کا ایک کلوگرام ہوتا ہے۔ اسی طرح مائع چیزوں کو ناپنے کے لئے لیٹر ہے جو کہ ایک ہزار ملی لیٹر کا ہوتا ہے کم و بیش یہی نظام پاکستان میں رائج ہے اور چونکہ یہ عام پیمانے دس پر تقسیم ہو جاتے ہیں اس لئے اس کو اعشاری نظام کہتے ہیں۔

اب مشکل اس وقت پیدا ہوتی ہے جب پاکستانی روپے کی گنتی کا دوسرے ملکوں کی گنتی سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دس سو کا ایک ہزار بنتا ہے اور سو ہزار کا ایک لاکھ اور دس لاکھ کا ایک ملین اور دس ملین کا ایک بلین۔ اسی طرح سو لاکھ ایک کروڑ اور سو کروڑ کا ایک ارب اور پھر اسی طرح سو ارب کا ایک کھرب اس سے آگے گنتی میں بڑے ناموں میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک ایک سو کھرب کا ایک نیل یا پدم اور پدم کا ایک سنکھ بنتا ہے مگر بعض کے نزدیک سنکھ اور پدم وغیرہ مروج نہ ہیں۔

اس لئے اب اس بات کی ضرورت ہے کہ پاکستان میں جہاں قومی زبان اردو ہے اس میں

Marfat.com

گنتی کرنے کے لئے جو بڑے بڑے ہندسے یا یونٹ مروج ہیں ان کی طرف توجہ دی جائے اور ان کو صحیح طور پر رائج کیا جاوے اور الفاظ میں ان کے نام مشتہر کر کے عوام کو یاد دلائے جائیں تاکہ بھولے بھالے کے حساب کتاب سکے الفاظ عام آدمی کی سمجھ میں آجائیں ۔ اب بڑی مشکل یہ پیدا ہو گئی ہے کہ انگریزی اخبارات اور انگریزی خبریں جو ریڈیو اور ٹی وی پر نشر ہوتی ہیں ان میں تو لفظ ملین کا استعمال ہونا مناسب نظر آتا ہے مگر عام بول چال اور اردو خبروں میں جو ریڈیو اور ٹی وی پر نشر ہوتی ہیں اور اخبارات و رسائل یا کتب میں حساب کی گنتی کا شمار ملین میں کرنا مناسب نظر نہیں آتا کیونکہ جب ملین میں کوئی رقم بولی جاتی ہے تو اس کے ساتھ سو یا ہزار بھی لگایا جاتا ہے۔

مثلاً ۵، ۳ ملین اگر کہا جائے اور اچھے خاصے پڑھے لکھے آدمی سے اگر پوچھا جائے کہ بھائی ہمیں اپنی زبان میں بتاؤ کہ ۵، ۳ ملین کتنے ہوتے ہیں تو وہ بھی کافی سوچ بچار کے بعد اور لکھ کر حساب کتاب کر کے بتائے گا کہ ۵، ۳ ملین سے مراد ۳ کروڑ پچاس (۵۰) لاکھ بنتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اپنے ہندسے اردو زبان میں استعمال کرنے کی دو وجوہات ہی ہو سکتی ہیں۔

ایک یہ کہ ہماری قومی زبان اردو میں اتنی صلاحیت نہ ہے کہ اس میں بڑی سے بڑی رقم کو الفاظ میں ادا کیا جا سکے اور دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملین میں رقم بولنے اور پڑھنے والے یہ نہیں چاہتے کہ عام آدمی بلکہ اچھا خاصا پڑھا لکھا آدمی بھی سوائے حساب والوں کے فوری طور سمجھ سکے کہ جتنے ملین بولے گئے ہیں ان کو اپنی زبان میں کس طرح ادا کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ایک اپنی قومی زبان میں مسئلہ کھڑا کر دیا گیا ہے جس میں پوری قوم کو بیوقوف بنانا مقصود ہے، یا ان سے کچھ پوشیدہ رکھنا مطلوب ہے حالانکہ ہماری قومی زبان اردو میں ہر طرح کے ہندسے بڑے سے بڑے پہلے ہی سے مروج ہیں جو لوگوں کو فوری طور پر سمجھ میں آجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ردو زبان میں اتنی وسعت ہے کہ غیر ملکی الفاظ کو بھی اس قومی زبان آسانی سے لکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے متذکرہ بالا مشکلات کو حل کرنے کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش ہیں۔

(۱) اعداد و شمار کے بڑے ہندسوں کا خیال رکھا جائے جیسے سو پیسہ سے ایک روپیہ بنتا ہے اور ان سو پیسوں کو سو پیسہ کہنے کی بجائے ایک روپیہ کہا جاتا ہے۔ سو روپیہ مل کر ایک سو بنتا ہے۔ اسی طرح ۱۰ سو سے ایک ہزار بنتا ہے اور پھر سو ہزار سے ایک لاکھ بنتا ہے

Marfat.com

اور اسی طرح سو لاکھ سے ایک کروڑ بنتا ہے۔ سو کروڑ سے ایک ارب بنتا ہے اور پھر سو ارب سے ایک کھرب بنتا ہے۔ اسی طرح بڑے سے بڑے ہندسے بھی قومی زبان میں بتائے جا سکتے ہیں۔ اس لئے رقم کا اعداد و شمار ملین میں نہیں کرنا چاہیئے اور یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ اتنے سو ملین یا اتنے ہزار اتنے سو ملین اس طرح کرنے سے اور یہ لئے سے دوسرا آدمی جو سننے والا ہے اس رقم کو جو ملین میں بیان کی گئی ہو اپنی قومی زبان کے بڑے ہندسوں یا اکائیوں میں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے بغیر حساب کتاب کئے اور بغیر کچھ دیر سوچ بچار کئے بیان نہیں کر سکتا۔ اور عام آدمی تو بالکل ہی سمجھ نہیں سکتا کہ ملین میں کون سی رقم بتائی گئی ہے۔ خاص طور پر ٹی وی اور ریڈیو پاکستان سے اردو میں نشر ہونے والے پروگراموں اور خبروں میں اپنی قومی زبان ہی میں اعداد و شمار بتانے چاہئیں۔ اس طرح اردو اخبارات اور رسائل اور کتب میں اعداد و شمار اپنی قومی زبان میں ہی بیان کرنے چاہئیں۔

۲۔ اسی طرح جب کوئی رقم اس طرح بتائی جاتی ہے۔ دو ہزار سات سو ملین تو اس سے بھی فوری طور پر اصل رقم کا التعین نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہونا یہ چاہیئے کہ اگر کوئی پہلے سے بڑی رقم کا ہندسہ مکمل ہو گیا ہو تو سب سے پہلے اسے بولنا چاہیئے اور پھر چھوٹی رقم جیسے کہ اوپر والی رقم جو دو ارب ستر کروڑ بنتی ہے اس کو اسی طریقہ سے اپنی قومی زبان میں لکھنا اور بولنا چاہیئے تاکہ سننے اور پڑھنے والا فوری طور پر سمجھ سکے کہ کتنی رقم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح اعداد و شمار کی گنتی میں لفظ ملین کا ذکر کر کے جو مشکلات پیدا کر دی گئی ہیں وہ حل ہوں گی اور قومی زبان کو تقویت اور وسعت ملیگی۔

۳۔ اس سلسلہ میں ماہرین حساب کی ایک کمیٹی بنا کر اس مسئلہ کو زیر بحث لا کر بڑے سے بڑے ہندسے یا اکائیاں جن کے بارے میں اختلافات ہیں ان کو قومی زبان میں نام دینے چاہئیں اور پھر ان اعداد و شمار کی گنتی کے طریقوں کی تشہیر ہونی چاہیئے تاکہ ہر پاکستانی ان اعداد و شمار کو جب اپنی قومی زبان میں بات کر رہا ہو یا خبریں پڑھ رہا ہو۔ یا کہیں اخبارات، رسائل اور کتابوں میں گنتی کا ذکر کر رہا ہو تو اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اعداد و شمار بیان کرے تاکہ عام قاری یا سامعین کے لئے وہ قابل فہم ہو اور ان کے لئے کوئی مشکل پیدا نہ ہو۔ ایسا کرنے سے ہر پاکستانی شہری خوش ہوگا اور عوام اور حکومت کے درمیان تعلقات مضبوط اور مستحکم ہوں گے۔

Marfat.com

باب نمبر ۲۷

پاک فوج، سولجرز اینڈ ٹیکنیشنز کی ریٹائرمنٹ کا مسئلہ

موجودہ حالات

مسلح افواج کی ضرورت نہ صرف موجودہ وقت کی ضرورت ہے بلکہ جب سے حکومتوں کا تصور پیدا ہوا ہے اور حکومتیں ہر ملک اور ہر خطہ میں بننا شروع ہوئی ہیں ان کو قائم رکھنے کے لئے مسلح افواج کی ضرورت ہمیشہ سے رہی ہے کیونکہ دنیا میں ایسا زمانہ بھی تھا جب جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول کارفرما تھا۔ حکومتوں کا تصور اس وقت پیدا ہوا جب ہر طاقتور شخص اپنے سے کمزور کی عزت و مال لوٹ لیتا تھا۔ پھر جب دنیا قبیلوں کی صورت میں بڑھی تو طاقتور قبیلہ اپنے سے کمزور قبیلوں کی جان و مال اور عزت سے کھیل جاتا تھا اور اپنی طاقت کا لوہا منواتا تھا اور دور دراز سے کمزوروں کے مال مویشی اور دیگر اشیاء لوٹ کر لے جاتا تھا۔ اس کو اپنے عیش و آرام کا ذریعہ بناتا تھا۔ اس طرح جب کمزور قبیلہ یا قبیلے طاقت حاصل کر لیتے تو وہ انتقام لینے کیلئے دوسرے قبیلوں جنہوں نے ظلم کیا ہوتا ہے ان کے خلاف یلغار کر کے ان کو تباہ و برباد کر کے ان کی عزت اور مال لوٹ لیتے اور پھر اگر کچھ قبیلے آپس میں طاقت کے لحاظ سے برابر ہوتے تو کئی کئی سال ان کی آپس کی جنگ ٹھنڈی نہ ہوتی جب تک کہ دوسرا قبیلہ شکست نہ کھا جاتا۔ اس صورتحال نے انسان میں سوچ و بچار اور فکر کی روح پھونکی کہ کس طرح انسانی جان و مال کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔

آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں، رسولوں اور پیغمبروں کے ذریعے اپنی مخلوق کی راہبری کی اور انسانوں میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہوا اور انسان نہ صرف اللہ تعالےٰ کی طرف راغب ہوا بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے اور اس کے بنائے ہوئے مذہبی قوانین کی طرف راغب ہوا۔ اور نبیوں، پیغمبروں اور رسولوں کی اطاعت اور فرمانبرداری شروع کر دی۔ آہستہ آہستہ لوگ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کے لئے کوئی انتظام ہونا چاہیئے خود بخود اس کے عوض کوئی ان سے معاوضہ لے اور ان کی حفاظت کا ذمہ لے۔ پس اس طرح سردار اور بادشاہوں کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر باقاعدہ حکومتیں وجود میں آئیں اور عوام سے ٹیکس وصول کر کے

Marfat.com

اپنی اپنی حکومتوں کا انتظام چلانے کے لئے باقاعدہ پولیس اور فوج رکھنی شروع کی جب نئی نئی ایجادات اور جنگی ہتھیار ایجاد ہوئے تو باقاعدہ تربیت یافتہ مستقل افواج رکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس طرح چھوٹے سے لے کر بڑے عہدے بنا کر عہدیدار مقرر ہوئے جن کو مختلف خطوں میں مختلف نام دیئے جاتے ہیں۔

ان مسلح افواج میں ہمیشہ زیادہ تعداد فوجی سپاہیوں کی ہوتی تھی اور اب بھی وہ سلسلہ قائم ہے ان فوجی سپاہیوں کو جنگی تربیت دیکر ہتھیاروں سے لیس کیا جاتا تھا اور جب موجودہ دور کا اسلحہ ایجاد نہ ہوا تھا۔ اس وقت زیادہ تر لڑائیوں میں تیر کمان، خنجر، گھوڑے، ہاتھی، سواریں، نیزے بھالے۔ زرہ بکتر اور دیگر سامان جنگ استعمال ہوتا تھا اور اکثر لڑائیوں میں سپاہیوں کو دست بدست لڑائی بھی کرنا پڑتی تھی جس کے لئے سپاہی کا نوجوان و طاقتور ہونا ضروری ہوتا تھا تاکہ اپنے حریف کو دست بدست لڑائی میں بھی شکست دے سکے۔

آہستہ آہستہ موجودہ دور کی فوج یعنی تین قسم کی افواج رکھنی شروع کر دی گئی جن ملکوں کے ساتھ ساحل سمندر لگتا ہے ان کے لئے بحری فوج کا رکھنا ضروری ہو گیا ہے۔ اس طرح بری فوجوں کی مدد کیلئے ہوائی فوج کا ہونا بھی ضروری ہو گیا۔ اب الیکٹرونکس کا زمانہ ہے جدید اسلحہ جات گولہ بارود، ٹینک، توپ خانہ، جنگی جہاز اور بحری بیڑے و آب دوزیں اور بے شمار قسم کے چھوٹے بڑے میزائل و دیگر اسلحہ ایجاد ہو گیا ہے۔ ان تمام اسلحہ جات کو چلانے اور دشمنوں کو مات دینے کے لئے اتنی جسمانی طاقت کی ضرورت نہ رہی ہے جتنی مہارت اور ٹیکنیکل جنگ کی مہارت اور جنگجویانہ سمجھ بوجھ اور جذبہ کی ضرورت ہے۔

ہمیں آزادی ملنے سے قبل متحدہ ہندوستان میں جب انگریزوں کی حکومت تھی اس وقت سے ملٹری کی ملازمت کے لئے رولز و ریگولیشن اور قوانین بنے ہوئے ہیں۔ جن پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پاکستان بننے کے بعد مسلح افواج کے لئے نئے نئے قوانین بنائے گئے ہیں مگر فوج میں سب سے چھوٹا عنصر فوجی سپاہی رکھا گیا ہے اور اسی عہدہ کے لحاظ سے ٹیکنیکل ورکشاپوں میں ٹیکنیشنز۔ الیکٹریشن اور دیگر چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے سپاہی کا رینک دیا جاتا ہے۔ اس عملے کی تعداد فوج میں سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ان کی شرائط ملازمت میں پندرہ سال (۱۵) کی ملازمت کی معیاد رکھی گئی ہے اور کمیشنڈ افسروں کو چھوڑ کر کچھ رینک بڑھنے پر چند سال ملازمت میں توسیع کی جاتی ہے۔ اس طرح تمام

Marfat.com

سپاہی سیلرز۔ٹیکنیشنز رینک کے فوجیوں کو ۱۵ سال کی ملازمت پوری کرنے پر ریٹائرڈ کر دیا جاتا ہے، تمام مراعات اور فنڈز وغیرہ کی ایک مخصوص رقم یکمشت ادا کر کے ایک مخصوص پنشن کی رقم دے کر فارغ کر دیا جاتا ہے۔ پنشن کی رقم اتنی نہیں ہوتی جس سے ایک ریٹائرڈ فوجی کی بقایا زندگی آسانی سے بسر ہو سکے۔

ایک شرط جو آج کل ملازمت حاصل کرتے وقت نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ تعلیم کا معیار ہے پہلے دوسری جنگِ عظیم کے وقت اَن پڑھ آدمیوں کو بھی فوجی سپاہی بھرتی کر لیا جاتا تھا اور یہ سلسلہ کچھ عرصہ بعد تک بھی جاری رہا اور اب معیارِ تعلیم میٹرک یا کم از کم مڈل رکھا گیا ہے دیگر معیار جس میں قد۔ عمر اور جسمانی طور پر صحت مند ہونا ضروری ہے اور ایک بڑی تبدیلی جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے آگئی ہے یعنی آج کل کی جنگ کے طریقے پرانی جنگوں سے مختلف ہیں اور بہت کم ایسے مواقع آتے ہیں جب سپاہیوں کو دست بدست لڑائی کرنا پڑتی ہے اور جس کے لئے ان کا جوان عمر ہونا ضروری ہو۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بے شمار سابقہ فوجی بعد از ریٹائرمنٹ تلاش روزگار میں مارے مارے پھرتے ہیں یا مزدوری کرتے ہیں۔ کچھ کو چوکیداری کی ملازمت مل جاتی ہے اور اگر کوئی ڈرائیونگ سیکھا ہو تو ڈرائیور کی نوکری مل جاتی ہے۔ یا پھر وہ بینکوں اور مالیاتی اداروں میں گن مین کی نوکری کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ مگر مالیاتی اداروں اور بینکوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ ان میں چند سو کے سوا دوسروں کو ملازمت نہیں ملتی۔ اس طرح جو لوگ سابقہ فوجی بچ جاتے ہیں اگر ان کا تعلق کھیتی باڑی سے ہے تو وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں اور کچھ مختلف طریقوں سے بھیک مانگ کر گذر کرتے ہیں اور کچھ بُرے تماش کے گروہوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور معاشرے میں برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کچھ سابقہ فوجی یکمشت ملی ہوئی رقم سے کسی نہ کسی قسم کا کاروبار کرتے ہیں اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے اپنا سرمایہ جو بوقت ریٹائرمنٹ ملا ہوتا ہے ضائع کر لیتے ہیں اس طرح ان تمام ریٹائرڈ فوجی سپاہیوں اور سیکنڈ اسٹاف جو ہر سال مسلح افواج سے ۱۵ سال کی ملازمت پوری کر کے واپس آتے ہیں کی اکثر ایسی حالت ہوئی ہے کہ وہ معاشرے میں کوئی مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب حکومت پاکستان نے بھی اس معاملہ پر سوچنا شروع کر دیا ہے اور ایسی ملازمتوں میں توسیع کر کے دو یا تین سال کی گنجائش پیدا کی جا رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص مڈل یا میٹرک کر کے اپنی عملی زندگی کا آغاز کرتا ہے تو

Marfat.com

تو سوچتا ہے اُسے کون سا پیشہ اختیار کرنا چاہیئے جو نوجوان جذبہ حُب الوطنی سے سرشار ہوتے ہیں وہ عسکری یا فوجی زندگی کا آغاز کرتے ہیں اس وقت اس کی عمر تقریباً ۲۰ سال ہوتی ہے اور پنتیس (۳۵) سال کی عمر میں ریٹائرمنٹ کے وقت وہ بوڑھا نہیں ہو جاتا بلکہ تیس پنتیس سال کی عمر وہ عمر ہوتی ہے جب آدمی پختہ ذہن۔ سمجھ بوجھ اور قومی جذبہ کے لحاظ سے عروج پر ہوتا ہے۔ اگر ایک فوجی افسر پچاس سال کی عمر میں چاک و چوبند چست چالاک ہو سکتا ہے۔ تو ایک سپاہی جو روزانہ پریڈ کرتا ہے کیوں پچاس سال کی عمر تک فوجی ملازمت کے قابل نہ ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش ہیں۔

(۱) ہر سر مسلح افواج کے رولز و ریگولیشن برائے ملازمت چھوٹا عملہ جس میں سیلرز، الیکٹریشنز، ٹیکنیکل سٹاف اور فوجی سپاہی شامل ہیں کے معاہدہ ملازمت کا طریقہ چھوڑ کر ان کے لئے مستقل ملازمت کے طریقہ کو اپنایا جائے اور کم از کم پچیس سال تک ملازمت کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ یہ لوگ درمیانی عمر میں ملازمت سے ریٹائر ہو کر یہ نہ سوچیں کہ اب کون سا پیشہ اختیار کرنا چاہیئے۔

(۲) چونکہ آج کل جنگ کے طریقے بدل گئے ہیں اس لئے موجودہ حالات کے مطابق ان سب چھوٹے گریڈ کے ملازموں کی مہارت اور حب الوطنی کے جذبہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے تاکہ ان کی جگہ نئے اُمیدوار بھرتی کرنے اور ان کی تنخواہ دینے پر جو روپیہ خرچ ہوتا ہے اسے بچایا جا سکے جتنا چھوٹا عملہ اور فوجی سپاہی اپنے اپنے کام میں مہارت شدہ ہوں گے اور جنگی حکمت عملی کے ماہر اور تربیت یافتہ ہوں گے اتنا ہی پاکستان کا دفاع اچھے طریقے سے کر سکیں گے۔ اس طرح کرنے سے نہ صرف بے روزگاری کم ہوگی بلکہ پاکستان دفاعی لحاظ سے مستحکم اور مضبوط ہوگا۔

Marfat.com

باب نمبر ۲۸

قرأتِ قرآن مجید

موجودہ حالات

اس وقت تمام دینی مدارس میں قرآن مجید کو تجوید سے پڑھایا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ تمام حروف اپنے صحیح مخرج سے نکلیں اور صفات کے ساتھ ادا ہوں۔ یہ کام صرف اس وقت ہوسکتا ہے جب زیر زبر اور پیش کا استعمال درست ہو اور پھر حروف کی ادائیگی کا صحیح طور پر علم ہو ان تمام آداب کا خیال رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو صحیح ہوگی۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے تمام گھروں میں بوڑھے، بچے، عورتیں اور مرد روزانہ قرآن مجید پڑھتے ہیں اور ایسا کرنے کو باعثِ ثواب و رحمت سمجھتے ہیں۔ اور یہ ہے بھی حقیقت۔

اب سب سے بڑی مشکل یہ پیدا ہوگئی ہے کہ "اقرأ" پروگرام جو پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر ہوتا ہے اور اس میں اکثر جو قاری صاحبان قرأت سکھاتے ہیں اور پڑھاتے ہیں اور چند بچے بطور شاگرد قرأت سیکھتے ہوئے دکھائے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پروگرام نا صرف ان چند بچوں کے لئے نشر ہوتا ہے جو ٹی وی میں موجود ہوتے ہیں بلکہ تمام پاکستان میں موجود لوگ بڑے اور چھوٹے اپنے اپنے گھروں میں یہ پروگرام دیکھتے اور سنتے ہیں اور اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس پروگرام کا اصل مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ قرآن پاک ناظرہ پڑھنا سیکھ جائیں اور قرآنِ مجید کے الفاظ کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کر سکیں۔ حروف کی ادائیگی کا اور دیگر آدابِ قرأتِ قرآنِ مجید کی ادائیگی کا صحیح طور پر علم ہو۔

تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اس پروگرام دیکھنے کے بعد بہت سے لوگ پریشان ہوگئے ہیں اور انہوں نے اپنے آپ پر شک کرنا شروع کر دیا ہے کہ شاید وہ قرآن شریف کو صحیح طور پر نہیں پڑھتے کیونکہ اقرا پروگرام میں دو چیزیں نمایاں طور پر دکھائی جاتی ہیں۔

(ا) اگر یہ کہ کسی حرف کے نیچے زیر آجائے جیسے "بِ" تو اس حرف کو متذکرہ قاری صاحبان کے مطابق "بی" پڑھا جائے گا۔

(ب) اسی طرح اگر کسی حرف پر پیش ہو جیسے "بُ" تو اس حرف کو متذکرہ قاری صاحبان

Marfat.com

کے مطابق "ربوُ" پڑھا جائے۔ مزید یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ طریقہ ٹھیک ہے اور باقی تمام طریقے غلط ہیں یعنی "ربے" اور ربو پڑھنا بالکل غلط ہے۔

۳۔ اگر دیکھا جائے تو اس وقت تمام سکولوں اور مدرسوں میں آخرالذکر طریقہ سے ہی قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے اور اگر ہم سو آدمیوں سے قرآن شریف سنیں تو ان میں سے اٹھانوے لوگ اسی آخرالذکر طریقہ سے قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

راقم الحروف نے اپنے طور پر پاکستان ٹیلیویژن، ریڈیو پاکستان اور اخبارات کو خطوط لکھ کر استدعا کی تھی کہ اس مسئلہ کو زیر بحث لا کر قرآن مجید کے صحیح تلفظ کی ادائیگی کا فیصلہ کیا جائے اور پھر چند علمائ سے بھی رابطہ قائم کیا گیا مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا تو چند قرأت کی کتابیں لیکر پڑھیں جن میں بتایا گیا ہے کہ زیر، زبر اور پیش کو جن حروف پر پایا جائے ان کو کھینچ کر نہیں پڑھنا چاہیئے۔

ان کتابوں میں ایک کتاب جمال القرآن کامل کے نام سے ہے قرأت اکیڈمی لاہور کی مطبوعہ ہے اور اس کا مصنف حکیم الامت حضرت مولانا حافظ قاری شاہ محمد اشرف علی تھانوی صاحب ہیں۔ جنہوں نے کتاب مذکورہ کے صفحہ نمبر ۱۳ کے پہلے پیرا میں اَلحَمدُ لِلّٰہِ لکھ کر وضاحت کی ہے کہ اَلحَمدُ کے د کے اوپر جو پیش ہے اور لِلّٰہِ کے ہ کے نیچے جو زیر ہے اگر ان کو کھینچ کر پڑھا جائے تو اَلحَمدُو لِلّٰہِی پڑھا جائے گا۔ اس لئے اس طرح پڑھنا غلط ہے اور لحن جلی ہے جو حرام ہے۔

دوسری کتاب جواہر الترتیل ہے جو مکتبہ نعیمیہ رضویہ کی مطبوعہ ہے اور اس کے مصنف جناب قاری منظور احمد نعیمی صاحب ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱ ضمن نمبر ۴ میں لکھا ہے کہ کسی حرف کو بڑھا کر پڑھنا جیسے "نعبُدُ" کی جگہ نَعبُدُو واؤ کی زیادتی سے پڑھنا غلط ہے۔ ایسا کرنے کو قاری صاحب مذکور نے بھی "لحن جلی" قرار دیا ہے اسی طرح وہ لوگ جو قرأ پروگرام سنتے اور دیکھتے ہیں انہوں نے شک کی بنا پر قرآن شریف پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور وہ ایسا کرنے میں حق بجانب نظر آتے ہیں کیونکہ قرآن مجید کو غلط طریقے سے پڑھنا بھی بجائے ثواب کے گناہ کا باعث ہوتا ہے اس طرح سے یہ ایک قومی مسئلہ بن گیا ہے جس کے حل کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) پہلی تجویز یہ ہے کہ کم از کم ۱۰ نامور علمائ اور دس نامور قاری صاحبان کا بورڈ بنا کر اس مسئلہ کو زیر بحث لایا جائے کہ جن حروف پر علامات زیر، زبر یا پیش آئیں ان کا تلفظ کیا ہونا

Marfat.com

چاہیئے اور جو بات کثرت رائے سے منظور ہو اس کا ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے واضح طور پر بیان کیا جائے اور آئندہ کے لئے تمام سکولوں اور مدرسوں میں جہاں ناظرہ قرآن پڑھایا جاتا ہے استاد صاحبان اسی فیصلہ شدہ طریقہ کے مطابق قرآن مجید پڑھائیں۔

۲۔ اگر مذکورہ بورڈ یہی فیصلہ کرے کہ جس طریقے پر اقراء پروگرام جو آج کل ٹی وی پر نشر ہو رہا ہے اور موجودہ قاری صاحبان جس طریقے سے وہ حروف جن پر زیر زبر اور پیش کی علامتیں آتی ہیں وہ درست طریقہ ہے تو آئندہ کے لئے قرأت کی کتابوں میں اس بات کی وضاحت کر دی جائے اور یہی طریقہ تمام سکولوں اور مدرسوں میں رائج کیا جائے اور لوگوں کو اسی طریقہ کے مطابق تلاوت کرنے کی ہدایت کی جاوے۔

۳۔ اگر قرأت کے یہ دونوں طریقے ایک جو ٹی وی پر اقراء پروگرام میں پیش کیا جاتا ہے اور دوسرا طریقہ جس میں مذکورہ کتابوں کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ زیر اور پیش والے حروف کو کھینچ کر نہیں پڑھنا چاہیئے درست ہیں تو پھر اقراء پروگرام پیش کرنے والوں کو ہدایت کی جاوے کہ وہ یہ نہ کہیں کہ صرف انہیں کا طریقہ درست ہے اور باقی تمام طریقے غلط ہیں۔ اس طرح کرنے سے کم از کم لوگ اپنے آپ پر شک کرنا ختم کر دیں گے کہ وہ غلط طریقے سے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اپنے اپنے طریقہ کے مطابق تلاوتِ قرآن مجید اور قرأت قرآن مجید کرتے رہیں گے اور کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ باقی صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کرے گا۔

۴۔ اگر یہ مسئلہ مسلمانوں میں اختلاف کا باعث ہے یا فرقہ وارانہ اور گروہی مسئلہ ہے تو اس کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اگر حل ہونا ناممکن ہو تو پھر ایک دوسرے کو غلط کہنے کی بجائے اپنے اپنے طریقہ قرأت کے مطابق تلاوتِ قرآن مجید کرتے رہیں اور دوسروں کو غلط نہ کہیں۔

Marfat.com

دریائی سیلابوں کا خاتمہ

موجودہ حالات اور پس منظر

۱۔ دریاؤں میں سیلابوں کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی دنیا میں انسانی زندگی کی تاریخ۔ دریا اُس آبی گذرگاہ کو کہتے ہیں جس میں سے قدرتی طور پر پیدا ہونے والا پانی گزرتا ہے اور یہ عام طور پر پہاڑی علاقوں میں زیادہ بارش اور برفباری ہونے کی وجہ سے رواں دواں رہتے ہیں۔ خود رو پہاڑی راستوں اور ندی نالوں کے ذریعے بہتا ہوا پانی کسی ایک مقام پر اکٹھا ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سے دریا کی صورت میں میدانی علاقوں سے ہوتا ہوا سمندروں میں جا گرتا ہے یا راستے میں استعمال ہو کر یا خشک ہو کر ختم ہو جاتا ہے اگر ہم انسانی تاریخ کو اٹھا کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی اور انسانوں کی بسائی ہوئی بستیاں بھی دریاؤں کے قریب قریب ہی آباد ہوئیں یا پھر کچھ آبادیاں وہاں بھی آباد ہو گئیں۔ جہاں انسانی کوششوں کے ذریعے زمین سے پانی دستیاب ہوا کیوں کہ پانی ہی وہ عنصر ہے جس کے بغیر ہر قسم کی نباتاتی، انسانی اور حیوانی زندگی ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں سے بھی دریا گزرتے تھے۔ اُن کے قریب انسانی آبادیاں قائم ہو گئیں اور اُن دریاؤں کے پانیوں سے نباتات اور حیوانات بھی پیدا ہوئے اور پروان چڑھتے رہے جس سے انسانی زندگی نے فلاح پائی۔ اور ہر قسم کی زندگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

۲۔ پانی کا یہ اصول ہے کہ وہ اونچی جگہ سے نیچی جگہ کی طرف بہتا ہے اور اسی اصول کے تحت دُنیا کے تمام خطوں سے پانی بہہ کر ایک جگہ جمع ہوتا گیا۔ جسے آجکل ہم سمندر کے نام سے پکارتے ہیں۔ جو تقریباً اِس کرہ ارض میں دو تہائی ہے۔ یہ ایک قدرتی عمل ہے کہ سمندر میں لاتعداد پانی ذخیرہ ہونے کی وجہ سے سمندر میں نباتات و حیوانات کی صورت میں زندگی موجود ہے اور اسی سمندر سے پانی کے بخارات اُٹھتے ہیں اور ہوا میں بکھر کر بادلوں کی صورت اختیار کرتے ہیں اور پھر پہاڑوں اور دیگر سرد علاقوں میں پہنچ کر بارش کی صورت میں زمین پر برستے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہاڑوں پر

Marfat.com

اور اُن کے قریبی علاقوں میں دوسرے میدانی علاقوں سے زیادہ بارش ہوتی ہے بعض پہاڑ ایسے بھی ہیں جو خشک پہاڑوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں پر سردی نہیں ہوتی اس لئے وہاں بارشیں کم ہوتی ہیں۔ آج بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں بڑے بڑے شہر اور آبادیاں کسی نہ کسی دریا کے قریب پائی جاتیں ہیں۔ دریاؤں کے پانی سے ہر طرح کی نباتات، گھاس فصلیں باغات اور دیگر اشیائے خوردنی پیدا ہوتی ہیں جو انسانی اور حیوانی زندگی کے لئے ضروری ہیں آج دنیا میں تمام سرسبز خطے اور ہریالی اسی پانی ہی کی بدولت ہے کیوں کہ فالتو پانی نہ صرف سمندر میں جاکر جمع ہوتا ہے بلکہ خشکی میں داخل ہو کر تہہ زمین کے اندر جمع ہوتا رہتا ہے جسے آج کل اور ہمیشہ سے انسان مختلف طریقوں سے نکال کر استعمال کرتا رہا ہے۔

۳۔ یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ جہاں دریاؤں نے انسانی زندگی کے بڑھنے اور پھلنے پھولنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا وہاں انسانی زندگی کی تباہی بھی انہی دریاؤں سے ہوئی اور آج دُنیا میں اُن تباہ شدہ آبادیوں کے آثار نظر آتے ہیں جو دریائی سیلابوں اور طوفانوں کی وجہ سے غرق ہوگئیں۔ دریا اُس بے لگام درندے کی طرح ہے جسے لوگ کبھی دیوتا سمجھ کر پوجتے تھے۔ اور کبھی انسانی زندگی کے نذرانے دیتے تھے۔ مگر اس کو روکنے اور اُس کے غضب سے بچنے کے لئے کوئی طریقہ اُن کے پاس نہیں تھا۔ دریا جدھر کو اپنا رُخ موڑ لیتے تھے لوگ وہاں سے دوسری جگہ نقل مکانی کر کے اپنی آبادیاں قائم کر لیتے تھے اور دریا بھی جنگلی شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے اپنی گذرگاہ بدلتے رہتے تھے۔

۴۔ جیسے جیسے انسانی زندگی میں شعور آتا گیا اور وقتی ضرورتوں کے مطابق نئی نئی ایجادات ہوئیں تو انسانوں نے دریاؤں سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ اُن کو عبور کرنے کے لئے اُن پر پُل بنائے گئے سڑکیں اور راستے بنائے گئے کشتیوں کے ذریعے اُن کو پار کرنے کے طریقے اپنائے اور پھر انسان نے اس حد تک ترقی کر لی کہ دریاؤں پر بڑے بڑے بند باندھ کر اُن کے پانی کو ذخیرہ کرنا سیکھا، اور پھر اس ذخیرۂ آب سے نہ صرف بڑی بڑی نہریں نکال کر لاکھوں ایکڑ زمینوں کو آباد کیا اور اپنے استعمال میں لائے بلکہ اس آبی طاقت سے بڑی بڑی مشینیں چلانا سیکھا۔ اور بجلی پیدا کر کے بڑے بڑے کارخانے چلائے اور دُنیا میں انسانی زندگی کو روشن مستقبل سے ہمکنار کیا۔

۵۔ ایک بات جو ان دریاؤں سے متعلق بڑی اہم ہے وہ یہ ہے کہ دریاؤں کی تباہ کاریوں سے متعلق کوئی قوانین نہ بنائے گئے ہیں کہ اُن تباہ کاریوں سے جو انسانی جانوں اور جائیداد کا نقصان

Marfat.com

ہوگا اُس کو کیسے پورا کیا جائے گا. اس کے علاوہ یہ بات بھی ابھی تک زیرِ قانون نہیں لائی گئی کہ جو زمینیں دریا کی تہہ میں چلی جاتی ہیں. وہ کس کی ملکیت ہوں گی اور جن زمینوں کو دریا چھوڑ جاتا ہے وہ کس کی ملکیت ہوں گی. خاص طور پر برصغیر پاک و ہند میں تو اس امر کی طرف توجہ ہی نہیں دی گئی کہ اس بیماری کا کیا علاج کرنا ہے جب کوئی دریا کسی شخص کی زمین تباہ کر کے اپنی گذرگاہ بنا لیتا ہے تو اُس شخص کو حکومت کیطرف سے کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا اور جب دریا خواہ سو سال کے بعد اُس تباہ شدہ زمین کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو اپنی گذرگاہ بنا لیتا ہے تو پہلی تباہ شدہ زمین کے مالک وہ پہلے ہی لوگ سمجھے جاتے ہیں اور یہ بڑے کمال کی بات ہے کہ خواہ کسی کی زمین سو سال سے دریا میں آچکی ہو مگر جمعبندی میں اُس شخص کو اُس زمین کا مالک دکھایا جاتا ہے. جو دریا کی تباہ کاریوں سے پہلے اُس زمین کا مالک تھا. اس سے طرح طرح کی نہ صرف پیچیدگیاں بڑھتی ہیں بلکہ دھوکا و فریب کے راستے بھی کھلے رہتے ہیں. بے شمار لوگ اپنی دریا بُرد زمین بنکوں کے پاس رہن رکھ کر قرضے حاصل کرتے ہیں اور اُس کو فروخت کر کے لوگوں کو دھوکہ بھی دیتے ہیں. یہ اس لئے ہے کہ محکمہ مال میں اُن کو اُس دریا بُرد زمین کا مالک ظاہر کیا ہوتا ہے.

۶۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بڑی اہم ہے کہ زمین تو کسی کی ملکیت تھی جو دریا بُرد ہو گئی اور دریا نے وہاں سے بہنا شروع کر دیا. مگر حکومت بلا وجہ اُس زمین کا فائدہ اٹھاتی ہے۔ ریت و دیگر معدنیات اُسی زمین سے نکالنے کے ٹھیکے دے کر مفاد حاصل کرتی ہے کشتی رانی اور مچھلیاں پکڑنے کے ٹھیکے نیلام کر کے خاطر خواہ فائدے حاصل کرتی ہے. مگر جن کی زمین دریا بُرد ہوتی ہے اُنہیں کوئی نہیں پوچھتا۔

۷۔ یہ بات بھی آج کل کے سائنسی دور میں بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ حکومت نے دریاؤں میں سیلاب کو کنٹرول کرنے کے لئے سیلاب کنٹرول سنٹر تو قائم کئے ہیں. مگر سیلابوں پر قابو پانے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا اور جب سیلاب آتے ہیں تو نہ صرف بے شمار بستیاں و شہر نیست و نابود ہو جاتے ہیں بلکہ املاک انسانی اور حیوانی زندگی کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوتا ہے فصلات، باغات اور کارخانوں کی تباہی کی وجہ سے زندہ بچ رہنے والوں کے لئے مشکلات اور قحط کا سماں پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اگر دریاؤں پر بڑے بڑے بند باندھ کر نہریں نکالی جا سکتیں ہیں. تو یہ بھی کوئی مشکل بات نہیں کہ سیلابوں پر قابو نہ پایا جا سکے اور دریاؤں کو اپنی گذرگاہیں بدلنے سے نہ روکا جا سکے۔ آج کے دور میں یہ سب کچھ ممکن ہے اور آسان بھی ہے مگر صرف حکومتوں کی ہمدردانہ توجہ کی ضرورت ہے پہلے کبھی ایسا بھی زمانہ گزرا ہے جب دنیا میں بادشاہت کا رواج تھا۔ اور بادشاہ ہی اپنے ملک کی تمام زمینوں کا مالک سمجھا جاتا تھا مگر اِس دور میں نہ صرف بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا ہے اور جہاں کہیں بادشاہت

Marfat.com

ہے تو وہ بھی برائے نام ہے۔ یہ جمہوریت کا دور ہے اور دنیا کے تمام ملکوں میں جمہوریت کا دور دورہ ہے۔ جمہوری حکومتیں قائم ہیں۔ عوام کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے اور نجی جائیداد کو فروغ حاصل ہوا ہے اور حکومت تمام زمینوں کی مالک نہیں سمجھی جاتی بلکہ جو لوگ اور عوام جن جائیدادوں کے مالک ہیں۔ وہ اپنی جائیدادوں کو جس طرح چاہیں استعمال میں لانے یا اُن کی خرید و فروخت کرنے میں آزاد ہیں۔ اگر حکومت کسی جائیداد کو حاصل کرنا چاہے تو باقاعدہ کسی قانون کے تحت حاصل کرتی ہے اور پھر مالکِ جائیداد کو اُس کا معقول معاوضہ بھی دیا جاتا ہے مگر دریاؤں پر قابو پانے کے لئے اور دریاؤں کی تباہ کاریوں سے نجات کے لئے حکومت وقت نے کبھی سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں اور نہ ہی اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کبھی کوئی جامع منصوبہ بنایا ہے۔

۸۔ حالیہ سیلابوں نے ایک بار پھر یہ ثابت کر دیا ہے کہ دریاؤں کی آوارگی اور غضب ناکیوں نے تغیانی کی صورت میں کس طرح انسانی اور حیوانی زندگی کو اپنی تباہ کاریوں کا نشانہ بنایا اور کس طرح انسانی محنت سے تیار شدہ املاک کو نقصان پہنچایا۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۸ء میں جو سیلاب آئے انہوں نے کس طرح آناً فاناً تباہی مچائی۔ اور لوگوں کو اپنی زندگیاں بچانے کے لئے محفوظ مقامات پر پہنچنے کے لئے کوئی مہلت نہ دی۔ اگرچہ برصغیر پاک و ہند میں مون سون کی ہواؤں سے پیدا ہونے والی بارشیں عام طور پر ہر سال ماہ جولائی اور اگست میں وارد ہوتی ہیں۔ مگر حالیہ بارشیں ماہ ستمبر اکتوبر میں پہاڑی علاقوں اور اُن کے قرب و جوار میں اس قدر ہوئیں کہ اس پانی نے سیلاب کی صورت اختیار کر لی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ماہ جولائی اور اگست میں کافی بارشیں ہو چکی تھیں اور زمین نے جس قدر پانی جذب کرنا تھا وہ کر لیا تھا۔ مزید پانی جذب کرنے کی اس میں گنجائش نہ تھی۔ اس لئے جتنی بارشیں ہوئیں اُن کا پانی بہتا ہوا دریاؤں اور ندی نالوں میں ہی سیلاب کی صورت اختیار کر گیا۔ کہا تو یہی جاتا ہے کہ ہمارے ہمسایہ ملک ہندوستان نے اپنے علاقے، اپنی آبادیوں اور اپنی زمینوں کو بچانے کے لئے ذخیرہ آب کے بند توڑ دیئے جس کی وجہ سے پاکستان میں بہت بڑے ریلے کی صورت میں پانی داخل ہو گیا۔ جس کی وجہ سے پاکستان کو بھی اپنی نہروں اور دریاؤں کے بند اور کنارے مخصوص جگہوں سے خود توڑنے پڑے۔ اس وجہ سے ایسے علاقے بھی زیر آب آ گئے جہاں پہلے کبھی سیلاب نہ آیا تھا۔ یہ سیلاب صرف دریائے راوی اور

Marfat.com

دریائے ستلج میں ہی نہیں آیا بلکہ دیگر دریاؤں میں بھی سیلاب آئے اور اس سیلاب کا پانی نہ صرف گوجرانوالہ سیالکوٹ، لاہور، قصور، شیخوپورہ، اوکاڑہ، ساہیوال، ٹوبہ ٹیک سنگھ، جھنگ اور دیگر اضلاع کو اپنی تباہ کاریوں کا نشانہ بنا کر ختم ہوا بلکہ اس نے اپنے راستے میں آنے والے تمام علاقوں بستیوں اور اضلاع کو وہ نقصان پہنچایا جسے تاریخ نہیں بھول سکتی۔ یہاں تک کہ ریاست بہاولپور اور پھر سندھ کے مختلف اضلاع کو اپنی تباہ کاریوں سے برباد کیا۔

۹۔ اب جہاں تک اِن سیلابوں اور تباہ کاریوں کا تعلق ہے۔ ہمیں اس بات سے آزاد ہو کر سوچنا ہے کہ سیلاب آنے میں کس کا ہاتھ تھا یا کس ملک کی غلطی کی وجہ سے ایسا ہوا مگر ایک بات ثابت ہے کہ یہ دریاؤں میں قدرتی طور پر زیادہ پانی آنے کی وجہ سے سیلاب آئے جن سے نہ صرف اربوں روپے کی فصلیں تباہ ہوئیں بلکہ راستے میں آنے والے تمام کارخانے اور فیکٹریاں جو اربوں روپے کی مالیت سے تیار شدہ تھیں اور ملکی صنعت میں اہم کردار ادا کر رہی تھیں وہ نہ بچ سکیں۔ اور ملکی پیداوار میں ناقابل تلافی نقصان کا باعث بنیں ان سیلابوں نے انسانی اور حیوانی زندگی کو اس حد تک متاثر کیا کہ پوری پوری بستیاں اور گاؤں صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور بے شمار انسان ہلاک ہوئے اور بعض خاندانوں کا نام و نشان بھی نہیں ملتا کہا جاتا ہے کہ حالیہ سیلابوں کا ریلا اس قدر زبردست تھا کہ لوگوں کو سیلاب کنٹرول سینٹروں سے آمدہ اطلاعات کے باوجود اپنے آپ کو سنبھالنے کا اور محفوظ مقامات پر پہنچنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ بے شمار کچے اور پکے مکانات اور لوگوں کے باپ دادے سے بنائے ہوئے اثاثے اور سامان تباہ ہو گئے اور اس طرح قیمتی دستاویزات گورنمنٹ کے ریکارڈ اور مختلف قسم کی قیمتی اشیاء اور فیکٹریوں کا خام اور تیار شدہ مال بھی برباد ہو گیا۔ اور کافی عرصہ گذر جانے کے باوجود لوگ ابھی تک بحال نہیں ہو سکے اور نہ ہی تباہ شدہ کارخانوں میں مکمل طور پر کام شروع ہوا ہے۔ سیلابوں کے آثار اور اُس کی تباہ کاریاں آج بھی سڑکوں سے گذرتے ہوئے نظر آتی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سیلاب کے ریلوں کے نشانات بعض جگہوں پر ۵ فٹ سے لیکر ۱۰ فٹ کی اونچائی تک پہنچے اور یقیناً اتنا بڑا سیلاب ایک قیامت صغریٰ کا منظر تھا اس میں شک نہیں کہ بہت سی مذہبی اور سیاسی جماعتوں اور نجی اداروں۔ ہمدرد شہریوں اور حکومت کی طرف سے امدادی کاروائیاں کی گئیں۔ اور فوج کے جوانوں سے بھی مدد حاصل کی گئی جو کشتیوں کے ذریعے لوگوں کو مدد پہنچانے میں مصروف رہے اور اُن کو خورد و نوش کی اشیاء پہنچاتے رہے۔

Marfat.com

اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حالیہ سیلابوں نے نہ صرف مذکورہ بالا نقصان کیا بلکہ سڑکوں، ذرائع آمد و رفت، راستوں اور پلوں کو بھی نقصان پہنچایا جس کی وجہ سے بڑے بڑے شہر کافی عرصہ کے لئے ایک دوسرے سے کٹ گئے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بلکہ دریاؤں کا یہ عمل بہت پرانا ہے اور صدیوں سے وقفہ وقفہ سے ایسی تباہیوں کا باعث بنتا رہا ہے۔ حکومت اور لوگوں کی ہمدردیاں قابلِ ستائش ہیں کہ وہ مصیبت میں گھرے ہوئے انسانوں کی مدد کرنے کے اکٹھے ہو جاتے ہیں اور دل کھول کر اُن کی مدد بھی کرتے ہیں۔

۱۰۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اِس امر کی طرف بالکل توجہ نہیں دی جاتی ہے کہ ان سیلابوں کو مستقل طور پر کس طرح روکا جائے۔ حالانکہ دُنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ مصر میں دریائے نیل اور عراق میں دریائے دجلہ اور بے شمار دیگر دریاؤں کی تباہ کاریوں سے تاریخ بھری پڑی ہے مگر آج وہ دریا بھی قابو میں ہیں آج کے دور میں جب کہ سائنس نے اتنی ترقی کی ہے کہ انسان ستاروں پہ بھی پہنچ کر بستیاں قائم کرنے میں کامیاب ہوتا جا رہا ہے اور سورج کی بے پناہ گرمی سے شمسی توانائی کی صورت میں فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہے۔ بڑے بڑے بلڈوزر اور مشینری ایجاد ہو چکی ہے۔ جس سے دریاؤں پہ قابو پانا کوئی مشکل کام نہ رہا ہے اگر ہم اس امر کی طرف توجہ دیں تو جو دریا آج سیلابوں کی صورت میں بیماری اور تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ وہ رحمت اور خوشحالی کی علامت بھی بن سکتے ہیں۔

۱۱۔ اگرچہ حالیہ سیلابوں سے تباہ کاریوں کا سروے کر کے کوئی حتمی رپورٹ تو پیش نہیں کی گئی مگر ایک عوامی اندازے کے مطابق ۵ ارب روپے کا نقصان صنعتی اداروں کا ہوا ہے اور ۵ ارب کا نقصان نجی جائیدادوں اور فصلوں کی تباہی، عوام کے مکانات اور سامان کی تباہی سے ہوا۔ یہ بات ہم حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے۔ کہ کبھی حکومت اس نقصان کو پورا کرنے کی ذمہ داری لے گی۔ آج کل دو دو یا تین تین ہزار روپے متاثرہ خاندانوں کو دیئے جا رہے ہیں جو نہ صرف اُن کو بحال کرنے کے لئے ناکافی ہیں بلکہ اُن کے خورد و نوش اور پہننے کے لئے کپڑوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی ناکافی ہیں۔ ان حالات و واقعات کے پیش نظر ان مسائل کو حل کرنے کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

ا۔ سب سے پہلی تجویز یہ ہے کہ جو دریا یا دریاؤں کے حصے پاکستان میں سے گذرتے ہیں۔ سمندر میں جا کر گرتے ہیں۔ اُن کا مکمل سروے کر کے اُن کی لمبائی، چوڑائی اور حدود

Marfat.com

مقرر کی جائیں اور پھر اس میں آنیوالی زمینیں اور جائدادیں جو نجی ملکیت میں ہیں۔ وہ بحق گورنمنٹ متعلقہ صوبہ کی ملکیت قرار دی جاویں اور حسب حالات اِن زمینوں اور جائیدادوں کا معاوضہ متعلقہ مالکان کو بصورت نقد یا اقساط کی صورت میں ادا کیا جائے یا دیگر جگہ زمین کی صورت میں ان کو بطور معاوضہ دی جائے تاکہ اُن نجی مالکان کا تعلق یا واسطہ بابت دریائی حدود باقی نہ رہے۔ دریا اور دریا کے کنارے اور ان سے ملحقہ جتنی زمین کناروں کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہو وہ تمام کی تمام حکومت کی ملکیت ہونی چاہیئے۔ اس طرح دریا سے نکلنے والی معدنیات ماہی پروری، دریائی گذرگاہوں اور ملحقہ زمین کے مفادات کی حکومت قانونی طور پر مالک ہوگی اور اس سے اُسے خاطر خواہ منافع ہو گا اور روز روز کے جھگڑے اور دھوکہ فریب جو دریا بُرد زمینوں سے متعلق ہوتے ہیں وہ بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گے۔

ب :۔ سیلابوں پر کنٹرول کرنے کے لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ جیسے آجکل پانی کی پیمائش کے لئے کیوسک کا پیمانہ رائج ہے اور یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کوئی دریا یا پُل کس حد تک اور کتنے کیوسک تک پانی کا ریلہ برداشت کر سکتا ہے اسی حساب کو مدنظر رکھتے ہوئے اور سابقہ سالوں کے تجربات اور سابقہ سالوں میں کیوسک ریکارڈ بابت پیمائش پانی کو مدنظر رکھتے ہوئے دریاؤں کی کھدائی اور اُن کو گہرا کرنے کا ایک جامع منصوبہ تیار کیا جائے۔ جس کے لئے ایک محکمہ قائم کیا جاوے جس کا نام ریورز کنٹرول اینڈ ریلیف ڈیپارٹمنٹ رکھا جاوے جس کا کنٹرول متعلقہ صوبہ کے ذمے ہو۔ اور اُس کی شاخیں تمام اضلاع میں پھیلی ہوئی ہوں۔ اِس کے علاوہ ایک محکمہ اور قائم کیا جاوے جس کا نام فلڈ کنٹرول ریلیف فنڈز رکھا جاوے۔ یہ محکمہ اوّل الذکر محکمہ کے ساتھ تعاون کرے گا۔ اور اس میں لوگوں کی طرف سے اس سلسلہ میں آنے والے عطیات، امدادیں اور دریاؤں سے حاصل ہونے والی آمدنی جمع ہو گی اور اگر دوسرے ملکوں سے امداد لینی پڑی تو وہ امدادی رقوم بھی اسی محکمہ میں فلڈ کنٹرول ریلیف فنڈز کے اکاؤنٹ میں جمع ہوں گی۔ یہ محکمہ بھی اپنے دفاتر پاکستان میں ہر جگہ قائم کرے گا اور اپنے فنڈز کا باقاعدہ حساب کتاب رکھے گا اور آڈٹ کرواتا رہے گا اور اس کا کام متذکرہ بالا محکمہ کی مالی مدد کرنا ہو گا تاکہ وہ اپنے تعمیراتی کام مکمل کر سکے۔

ج :۔ جہاں تک دریاؤں کی کھدائی یا گہرائی کا تعلق ہے تو یہ بات موقع محل کے مطابق سوچی جا سکتی ہے اور اُس کے مطابق دریا کی گہرائی کا اندازہ مقرر کیا جا سکتا ہے اس کے

Marfat.com

لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ جہاں سے دریا گہرا کیا جا رہا ہے۔ وہاں اس کی چوڑائی کتنی ہے اور کس حد تک پانی کا بہاؤ ہے۔ عام طور پر فی الحال ہر جگہ سے کم از کم تمام دریاؤں سے دس دس فٹ کی گہرائی تک ریت اور مٹی نکال کر بلڈوزروں اور مشینوں کے ذریعے مقررہ کناروں پر ڈالی جائیں تاکہ کنارے بھی مضبوط ہوں اور دریا بھی گہرا ہونے کی وجہ سے اپنے کناروں کے اندر بہتے رہیں کسی جگہ سے جہاں دریا پہلے ہی دس فٹ سے زیادہ گہرے ہیں اس گہرائی کو قائم رہنے دینا چاہیئے اگرچہ تمام دریاؤں کی گہرائی یکساں کرنے اور اُن کے کنارے مضبوط کرنے میں کافی وقت لگ سکتا ہے لیکن اگر توجہ کے ساتھ اور ہنگامی بنیادوں پر اس کام کو شروع کیا جاوے تو یہ کام پانچ سال میں مکمل ہو سکتا ہے اور اِس عرصہ میں اسے مکمل کرنا چاہیئے۔

د:۔ دریاؤں کو گہرا کرنے اور اُن کی مٹی و ریت سے جو کنارے قائم ہوں گے اُن پر پھل دار یا دیگر درخت لگائے جا سکتے ہیں اور دریاؤں کے ساتھ ساتھ دو طرفہ راستوں کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ گہرا پانی ہونے کی وجہ سے مچھلیوں کی افزائش یقیناً بڑھے گی۔ جس کو شکار کرنے میں لوگ لطف محسوس کریں گے اور دریاؤں کے کناروں کے پُر فضا مناظر کو دیکھ کر لطف اندوز ہوں گے اِس کے علاوہ تجارتی بنیادوں پر مچھلی پکڑنے کے ٹھیکے بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ دریاؤں کے گہرا ہونے کی وجہ سے کشتیوں کے ذریعے بھی آمد و رفت کے وسائل بڑھ جائیں گے۔ اور حکومت کو بھی ایسے کاموں کے ٹھیکے دینے سے کروڑوں روپے کا فائدہ حاصل ہوگا۔ اور پھر دریاؤں سے مٹی اور ریت نکالنے کا یہ عمل ہر پانچ سال بعد کرتے رہنا چاہیئے ایسا کرنے سے دریا اپنے کناروں کے اندر بہتے رہیں گے۔ اور اس میں بہنے والے پانی کے اندازہ کے مطابق چھوٹے چھوٹے ڈیم بنا کر وہاں سے چھوٹے پیمانے پر نہریں نکال کر اور بجلی پیدا کر کے آس پاس کے مالکانِ زمین اور قرب و جوار کے لوگوں کے لئے بجلی کی سہولتیں بھی فراہم ہوتی رہیں گی۔ اس وقت جو علاقے دریا کے قریب ہیں اُن کو سیراب کرنے کے لئے نہریں نہیں ہیں اور وہ زمینیں بنجر ہی کہلاتی ہیں۔ جن کو یا تو کنوؤں اور ٹیوب ویلوں سے سیراب کیا جاتا ہے یا پھر اگر تہہ زمین میں پانی نمکیات سے بھرپور اور فصل کے لئے نقصان دہ ہو تو وہ زمین بنجر پڑی رہتی ہے اگر خشک سالی ہوتی ہے تو اِن میں کوئی فصل پیدا نہیں ہوتی اور اگر زیادہ بارشیں ہوں تو یہ زمینیں پانی کی نظر ہو جاتی ہیں اور فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں اس طرح اِن زمینوں کی نہ تو کوئی قدر و قیمت بڑھتی ہیں اور نہ ہی کوئی اچھا زمیندار اس میں اچھی فصلیں

Marfat.com

ہو سکتا ہے۔ جب دریاؤں کو گہرا کر کے اُن کے کناروں کو مضبوط کر دیا جائے گا اور مختلف علاقوں میں جہاں یہ زمینیں بنجر پڑی ہیں اُن کو چھوٹے چھوٹے بند بنا کر وہاں سے ایک ایک یا دو دو نہریں نکال کر اس زمین کو سیراب کیا جا سکتا ہے اس طرح دریا کے قریب زمینوں کے مالکان نہ صرف خوش و مطمئن ہوں گے بلکہ اپنی زمینوں میں طرح طرح کی فصلیں، سبزیاں اور باغات لگا کر ملک کو ان چیزوں میں خود کفیل بنا دیں گے اور یہ علاقے پُر فضا، پُر رونق اور پُر نظارہ ہوں گے۔ جن میں جانے کے لئے نہ صرف پاکستانی شہری خوشی محسوس کریں گے بلکہ باہر سے آنے والے سیاح بھی یہ مناظر دیکھ کر لطف اندوز اور خوشی سے سرشار ہوں گے۔

س: سیلابوں اور دریاؤں کی تغیانی سے جو نقصانات مالکان کارخانوں، فیکٹریوں کھڑی فصلوں اور مکانات اور جو جانی و مالی نقصان ہوتا ہے اس کا ازالہ و تلافی بہت ضروری ہے کیوں کہ جان و مال کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے اور اسی بنیادی ذمہ داری کے عوض حکومت کارخانہ داروں، فیکٹری مالکان اور مل مالکان سے انکم ٹیکس، سیل ٹیکس اور دوسرے ٹیکس وصول کرتی ہے اور زرعی زمینوں کے مالکان سے حکومت وقت معاملہ اور عشر وصول کرتی ہے اور سکنی مالکان جائیداد سے پراپرٹی ٹیکس کی صورت میں وصول کرتی ہے اس طرح دیگر محاصل سے حکومت اپنے اخراجات چلانے کے لئے روپیہ اکٹھا کرتی ہے مگر ان تمام ٹیکسوں کی ادائیگی شہری اور عوام و خاص اس لئے قبول کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں کیونکہ حکومت نے بنیادی طور پر ان کو جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری دے رکھی ہے یہی وجہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی طریقہ سے جانی و مالی نقصان پہنچایا جاتا ہے جس میں چوری ڈاکے راہ زنی، دھوکہ دہی وغیرہ شامل ہیں یا جب کسی شہری کو کوئی دیگر شخص جسمانی یا جانی نقصان پہنچاتا ہے۔ جیسے ضرب لگانا چھری سے یا آتشیں اسلحہ سے زہر دینا یا کسی دیگر طریقہ سے کوئی شخص کسی دیگر شخص کی جان لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ اپنی اولاد کی جان لینے کی کوشش کرتا ہے تو حکومت اپنے نام یعنی سرکار بنام ملزم کے نام پر مقدمہ قائم کر کے بذریعہ عدالت ملزم کو اُس کے کئے کی سزا دلاتی ہے۔ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسی آفات جن پر کنٹرول کیا جا سکتا ہے اور حکومت کی لاپرواہی کی وجہ سے کنٹرول نہیں ہو پاتا اور وہ آفات جیسے سیلاب وغیرہ سے جو نقصان ہو تو حکومت کو اُسے ضرور پورا کرنا چاہیئے اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت نے جو لوگ اُس کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ خواہ وہ مزدور ہوں کسی حادثہ

Marfat.com

کی صورت میں اُن کے لئے معاوضہ مقررہ کر رکھا ہے اسی طرح جو لوگ ایکسیڈنٹ سے مر جائیں تو اُن کے وارثان کو حکومت متعلقہ موٹر کمپنی سے ایک مقررہ معاوضہ دلاتی ہے۔ اس لئے حکومت کو قانوناً اور اخلاقاً سیلاب کی تباہ کاریوں سے ہونے والے نقصانات کے متعلق بھی قوانین وضع کرنے چاہئیں اور مختلف نقصان کا معاوضہ مقرر کرنا چاہیئے۔ انسانی اور حیوانی جانوں کے اتلاف و نقصان کا بھی معاوضہ مقرر کرنا چاہیئے تاکہ اگر کبھی سیلاب سے تباہی ہو تو مقررہ معاوضے دیئے جا سکیں۔ یہ تمام معاوضے اسی محکمہ کے ذمے ہوں جس کا نام پاکستان فلڈ کنٹرول ریلیف فنڈ رکھا گیا ہے اسی طرح کرنے سے حکومت کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوگا لوگ بھی مطمئن ہو کر اپنا اپنا کام دلجمعی سے کریں گے اپنے فرائض جو اُن کے ذمہ ہیں۔ بجا لائیں گے اس طرح کرنے سے پاکستان میں دریاؤں کے قرب و جوار میں بسنے والے لوگ اور کاروباری حضرات خوش و خرم زندگی گزاریں گے۔ اور اس طرح سیلابوں کی تباہ کاریوں کا مسئلہ بھی ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا جو پاکستان کی خوشحالی اور مستحکم ہونے کا باعث بنے گا۔ امین۔

Marfat.com

رجسٹری شدہ دستاویزات میں جعلسازی کا خاتمہ

موجودہ حالات

۱۔ اس وقت تمام قسم کی دستاویزات جن کا رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۰۸ء کے تحت رجسٹری کروانا ضروری ہے اُن میں بیشمار دستاویزات شامل ہیں۔ خاص طور پر غیر منقولہ جائیداد خواہ وہ سکنی ہو یا زرعی یا کمرشل کی منتقلی صرف رجسٹری کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔ جن دستاویزات کا رجسٹرڈ کروانا لازمی ہے اُن میں بیعہ نامہ جات، ہبہ نامہ جات، پٹہ نامہ جات۔ رہن نامہ جات فک الرہن، تبادلہ نامہ جائیداد، وصیت نامہ جات وغیرہ سرفہرست ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ بعض دفعہ منتقلی جائیداد عدالتی فیصلہ جات سے بھی ہو جاتی ہے اور بعض عدالتی ڈگریوں کی رجسٹریشن ضروری ہوتی ہے۔

۲۔ جائیداد کی منتقلی دو طریقہ سے کرائی جاتی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ فریقین یعنی جائیداد لینے والے اور دینے والے اصالتاً عدالت جناب رجسٹرار (سب رجسٹرار) میں پیش ہو کر اپنی دستاویزات کے مضمون کو تسلیم کریں اور لین دین کو قبول کریں اور اپنے اپنے دستخط اور انگوٹھوں کی تسلی کروائیں یا کسی معتبر آدمی یا اپنے شناختی کارڈ سے اپنی شناخت کروائیں اور پھر عدالت سب رجسٹرار صاحب اُن دستاویزات کی تصدیق رجسٹری کرے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کوئی فریق یا فریقین اپنی جانب سے بذریعہ مختار نامہ عام یا خاص رجسٹری شدہ کے ذریعے کسی کو اپنا نمائندہ مقرر کریں جو عدالت میں حاضر ہو کر بعدالت جناب سب رجسٹرار تسلی بابت مندرجہ کوائف دستاویز پیش کردہ کروائیں اور اس طرح دستاویز پیش کردہ کو رجسٹرڈ کروائیں۔

۳۔ دستاویزات کی رجسٹریشن کے لئے قانون میں رجسٹریشن آفیسر کا نام دیا گیا ہے جو سب رجسٹرار کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ کا افسر ہوتا ہے یا کسی مجسٹریٹ درجہ اوّل کو سب رجسٹرار کے اختیارات دے دیئے جاتے ہیں جو اپنے عدالتی امور بھی سرانجام دیتا ہے اور دستاویزات کی رجسٹریشن بھی کرتا اور ہر رجسٹری شدہ دستاویز

Marfat.com

پر اپنے دستخط بھی کرتا ہے اور مہر بھی لگاتا ہے۔

۴۔ رجسٹریشن ایکٹ میں مختلف دفعات اور قواعد وضوابط ہیں جن کے ذریعے دستاویزات کی رجسٹریشن کا کام سرانجام دیا جاتا ہے ایک مقررہ قیمت کا اشٹام اور فیس کا لگانا اور ادا کرنا ضروری ہوتا ہے لوگ پورے یقین کے ساتھ رجسٹری شدہ دستاویزات کو صحیح اور درست مانتے ہیں۔ اور جب چاہیں اُن کی نقول بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ سب رجسٹرار صاحبان تمام اضلاع اور تحصیل سب ڈویژنوں پر اس کام کی انجام دہی کے لئے مقرر ہیں جو ڈسٹرکٹ رجسٹرار کے تحت کام کرتے ہیں۔ جو ڈپٹی کمشنر یا ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کے عہدہ کا آفیسر ہوتا ہے جن کے پاس سب رجسٹرار کے فیصلہ کے خلاف اپیل سُننے کے اختیارات ہوتے ہیں۔

۵۔ سب رجسٹرار صاحب کو سب رجسٹرار اس لئے کہتے ہیں کہ وہ رجسٹری شدہ دستاویزات کو اپنے مقررشدہ رجسٹر میں درج کرتا ہے اور تمام مضمون و دیگر کوائف درج کر کے اصل دستاویز جس کے حق میں لکھی گئی ہو اُسے واپس کر دیتا ہے اور اُس پر رجسٹر نمبر، دستاویز نمبر، صفحہ نمبر اور تاریخ رجسٹری درج کر دیتا ہے تاکہ اس کی نقول حاصل کرتے میں آسانی ہو۔

دو طرح کی دستاویزات رجسٹری ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو لازمی طور پر رجسٹری ہونی چاہیں اور یہ زیر دفعہ ۱۷ رجسٹریشن ایکٹ رجسٹری کرائی جاتی ہیں۔ دوسری قسم اُن دستاویزات کی ہے جو لازمی طور پر رجسٹری کرانی نہیں پڑتیں۔ بلکہ اگر فریقین چاہیں تو رجسٹری کروالیں۔ ان دستاویزات میں اقرار نامے، رسیدات، منقولہ جائیداد کے معاہدے وغیرہ شامل ہیں یہ کام زیر دفعہ ۱۸ رجسٹریشن ایکٹ کیا جاتا ہے۔

۶۔ یہ محکمہ یا ادارہ صوبائی حکومتوں کے ماتحت کام کرتا ہے اور بہت مفید اور ذمہ دار محکمہ ہے جس سے حکومت کو بھی بہت آمدنی ہوتی ہے اور لوگوں کو بھی اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اور باہمی معاہدات کا تحفظ ملتا ہے مگر بدقسمتی سے اب یہ محکمہ دھوکہ دہی اور جعلسازی کا اڈا بن گیا ہے اور کسی کی جائیداد کو کوئی تحفظ نہیں ملتا اس طرح یہ ایک قومی مسئلہ بن گیا ہے جس کی نشاندہی کر کے اس کو حل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

۷۔ سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ کس طرح رجسٹری کے لئے آنے والی دستاویزات میں جعلسازی ہوتی ہے۔

(۱) اوّل یہ مختار نامہ جات عام و خاص جائیداد کی منتقلی کے لئے رجسٹر کروالئے

Marfat.com

جاتے ہیں اور بوقت رجسٹری اِن میں فریقین کی تحقیق نہیں کی جاتی۔ اس طرح جعلی و فرضی مختارنامہ جات رجسٹری ہو جاتے ہیں۔

(ب) دوئم :۔ جائیداد کی منتقلی کے لئے آنیوالی ۹۰٪ دستاویزات کی بوقت رجسٹری جناب رجسٹریشن آفیسر صاحب خود انکوائری زیر دفعہ ۳۴ نہیں کرتے۔ بلکہ بذریعہ اہل کمیشن یہ کام کروایا جاتا ہے۔

(ج) سوئم :۔ اہل کمیشن مقرر کرتے وقت رجسٹریشن ایکٹ کی دفعات ۳۳/۳۴ اور ۳۸ کا خیال نہ رکھا جاتا ہے اور کمیشن مقرر کرنے سے پہلے جو شرائط دی گئی ہیں اُن کو پورا نہیں کیا جاتا۔

د۔ چہارم :۔ اہل کمیشن کی فیس مقرر نہیں کی جاتی۔ اور ضابطہ دیوانی میں دیئے گئے رولز بابت کمیشن زیر آرڈر ۲۶ ض۔ د کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور نہ ہی لوکل کمیشنرز کی فہرست کا خیال کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو کوائف دستاویزات میں درج کئے جاتے ہیں۔ بغیر موقع پر گئے رسمی سے نوٹ لکھ کر دستاویز رجسٹری کر دی جاتی ہے اس طرح نابالغوں بیماروں، پاگلوں اور بعض بستر مرگ پر پڑے ہوئے اور بعض دفعہ مردہ اشخاص کی جانب سے دستاویزات رجسٹر ہو کر جائیداد منتقل ہو جاتی ہے۔ اور سالہا سال کی مقدمہ بازی سے بھی رجسٹری منسوخ نہیں ہوتی۔ اِن لاپرواہیوں کی وجہ سے جائیداد کی منتقلی میں فراڈ اور دھوکہ دہی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اس جعلسازی کو روکنے کے لئے حسب ذیل تجاویز دی جاتی ہیں۔

تجاویز

۱۔ پہلی تجویز یہ ہے کہ تمام سب رجسٹرار صاحبان یا اے سی صاحبان کو جن کو رجسٹریشن آفیسرز کے اختیارات حاصل ہوں۔ خود دستاویزات کی رجسٹریشن میں دلچسپی لینی چاہیئے اور خود عدالت میں اجلاس فرما دیں اور تمام دستاویزات کے کوائف اور فریقین کے دستخطوں اور انگوٹھا جات کی پڑتال کریں اور لین دین کی ادائیگی سے متعلق تسلی کر کے پھر دستاویزات کو رجسٹر کرنے کا حکم دیں۔ یہ بات کوئی نئی نہیں بلکہ چند سال پہلے تک یہی طریقہ چلتا تھا اور قانون کا تقاضا بھی یہی ہے۔ نیز فریقین کی شناخت کے بارے میں بھی اپنی تسلی خود بذریعہ شناختی کارڈ یا معتبر آدمی ایڈووکیٹ یا لمبردار کونسلر وغیرہ کر لیں۔ اس طرح کرنے سے جعلسازی کا خاتمہ ہوگا۔

Marfat.com

۲۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ لوکل کمیشن مقرر کرتے وقت رجسٹریشن آفیسر خود حسب قانون پہلے اپنی تسلی کرے کہ کون سا بالغہ یا بالغان یا فریق اصالتاً حاضر عدالت ہونے سے قاصر ہے۔ اور کیوں اور کیا کیا وجوہات ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ اصالتاً حاضر نہیں ہو سکتا اس سلسلہ میں دی گئی درخواست کے کوائف درست ہیں اور کیا بیان حلفی ساتھ لف ہے اور گارڈین سرٹیفکیٹ بابت نابالغان، پاگلان یا دیگر وجوہات کا ثبوت دیکھ کر کمیشن مقرر کیا جائے۔ اُس کی معقول فیس مقرر کی جاوے۔ اگر بالغان میں سے چند آدمی یا ایک آدمی حاضر عدالت نہیں ہو سکتا۔ تو صرف اُس کے لئے کمیشن مقرر کیا جاوے۔ اور باقی تمام بالغان حاضر آکر روبرو رجسٹریشن آفیسر تصدیق دستاویزات کروائیں۔ دستاویزات کی رجسٹریشن کے قانون کا تقاضا بھی یہی ہے۔

۳۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ سب رجسٹرار صاحبان عدالتی افسران ہوتے ہیں اُن کو کافی تجربہ ہوتا ہے اور لوگ بھی احتراماً اُن کے سامنے غلط بیانی نہیں کرتے اس کے علاوہ اسٹامپ اور فیس برائے رجسٹریشن دستاویزات پر لوگوں کی بڑی بڑی رقوم خرچ ہوتی ہیں۔ اور حکومت کو کروڑوں روپیہ آمدنی اسی ادارہ سے حاصل ہوتی ہے اس کام کے لئے حکومت کی جانب سے لوگوں کی جائیدادوں کے تحفظ اور معاہدات کے تحفظ کے لئے رجسٹریشن آفیسرز جن کو سب رجسٹرار صاحبان کہا جاتا ہے مقرر ہوتے ہیں اس لئے اُن کو اپنی ڈیوٹی کا احساس ہونا چاہیئے اور خود اس اہم فرض کو ادا کرنا چاہیئے۔ رجسٹرار صاحبان اور اعلیٰ افسران کو بھی وقتاً فوقتاً اس کام کی نگرانی کرنی چاہیئے۔ تاکہ اس ادارہ کا وقار اور احترام بحال رہے اور کوئی جعلسازی دھوکہ دہی اور فریب نہ ہونے پائے اور وہ جرائم جو دستاویزات کی رجسٹریشن کے دوران ہوتے ہیں اُن کا خاتمہ ہو سکے۔

۴۔ آخری اہم بات جس کا خیال رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ آج کل اصل رجسٹری (دستاویز) کے ساتھ ۲ عدد ہاتھ کی لکھی ہوئی یا ٹائپ شدہ نقول بھی لی جاتی ہیں اور نقول دوبارہ نقول جاری کرنے کے لئے رکھ لی جاتی ہیں اور ایک رجسٹر پر چسپاں کر دی جاتی ہے اس سلسلہ میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ اصل دستاویز اور نقول میں فرق ہوتا ہے یعنی دونوں کے مضمون میں فرق ہوتا ہے۔ جو بہت بڑی پیچیدگیوں کا باعث بنتا ہے اس لئے یا تو اصلی دستاویز کی صاف ستھری فوٹو سٹیٹ کاپیاں لی جائیں یا پھر

Marfat.com

ان ہاتھ سے لکھی ہو۔ نقول یا ٹائپ شدہ نقول کے مضمون کا اصل دستاویز کے مضمون سے اچھی طرح تقابل کر کے نقول لی جائیں۔ تاکہ دھوکہ یا فراڈ نہ ہو سکے نیز کسی بھی دستاویز رجسٹری شدہ کی مصدقہ نقول دینے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ خواہ نقول حاصل کرنے والا مطلوبہ دستاویز میں فریق ہو یا نہ ہو۔ ایسا کرنے سے اِس محکمہ کی افادیت اور کارکردگی مزید بڑھے گی۔ نیز لوگوں کو اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائیدادوں اور معاہدات کا تحفظ ملے گا اور رجسٹری شدہ دستاویزات میں دھوکہ، فریب اور جعل سازی کا خاتمہ ہو گا۔

Marfat.com

ذخیرہ

اختتامیہ

کتاب ہذا کو لکھنے کا آغاز اگست ۱۹۸۷ء میں کیا گیا اور اس کے مکمل ہونے میں تقریباً ایک سال لگ گیا ہے۔ اس میں جو مسائل زیر بحث لائے گئے ہیں اور جن مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے عین ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ پر حکومت پاکستان کی طرف سے عمل شروع ہو گیا ہو اور کچھ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو پھر بھی یہ ایسے پیچیدہ مسائل ہیں جن کو پاکستان کی حکومت خصوصی توجہ دے کر ہی حل کر سکتی ہے۔ یہ کتاب اپنی قومی زبان اردو اور عام فہم اپنی روزمرہ کی زبان میں لکھی گئی ہے۔ ممکن ہے اس میں ادبی لحاظ سے بہترین الفاظ کا استعمال نہ کیا گیا ہو اور کچھ لغوی غلطیاں بھی ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ قارئین انہیں درگذر کریں گے۔ ماورا ان کی جانب سے اور تجاویز کو خوش آمدید کہا جائے گا۔

میں نے اپنے خیالات اور اپنے تجربات کی بنا پر پاکستان کے اہم مسائل کو بیان کر کے پاکستانی قوم کے ہر فرد کے دل کی آواز کو کسی نہ کسی طریقے سے اظہار کیا ہے تاکہ حکومت وقت یا آنے والی حکومت یا کوئی سیاسی جماعت اس کتاب میں درج شدہ مسائل کو حل کر کے پاکستانی قوم کے مسائل اور تکالیف کو دور کرے تاکہ پاکستان میں نہ صرف ایک اچھی حکومت قائم ہو بلکہ پاکستانی عوام بھی فلاح پائیں اور پاکستان ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں شامل ہو اور ایک مستحکم پاکستان دن کو دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

مجھے اُمید ہے کہ موجودہ حکومت یا آنے والی حکومت یا جو بھی سیاسی جماعت اس کتاب کو بطور اپنا منشور اختیار کرے گی۔ اس کی نہ صرف مضبوط حکومت قائم ہو گی بلکہ سالہا سال تک وہ پاکستانی عوام پر پُرامن حکومت قائم رکھ سکے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ پاکستان زندہ باد۔

چوہدری نواب الدین محمود
ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

ذخیرہ

ترانۂ پاکستان

پاک سرزمین شاد باد کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان
ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام - قوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم - ملک - سلطنت
پائندہ تابندہ باد
شاد باد — منزلِ مراد
پرچمِ ستارہ و ہلال - رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال
جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

حفیظ

Marfat.com